ماہنامہ
حنا
نومبر 2012
عید نمبر
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انٹرویو

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! نومبر 2012ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

پاکستان اس وقت دہشت گردی اور انتہا پسندی کے تباہ کن دور سے گزر رہا ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ملک کی سالمیت اور بقاء کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے، اس مسئلہ پر باہمی اختلاف کا نتیجہ تباہی کے علاوہ کچھ نہیں اس وقت حالت یہ ہے کہ خیبر پختونخواہ اور فاٹا میں سرحد پار سے آنے والے دہشت گردوں نے جینا دوبھر کیا ہوا ہے، تو بلوچستان اور سندھ خاص طور پر کراچی میں علیحدگی پسندوں، فرقہ پرستوں، چوروں، ڈاکوؤں اور بھتہ خوروں نے عام آدمی کی زندگی دوبھر بنا دی ہے خاص طور پر کراچی میں تو اس سال قربانی کے جانوروں کی فروخت پر بھی بھتہ لیا جا رہا ہے، حکومت اس معاملے کو نظر انداز کر رہی ہے اور اس کے حل کے لئے کوئی قدم اٹھاتی نظر نہیں آ رہی، قومی اسمبلی میں قرار دادیں منظور ہوتی ہیں تو ان پر عمل درآمد نہیں ہوتا، جو قوتیں اس مسئلے کے حل میں کوئی کردار ادا کر سکتی ہیں، ان کے فکر و عمل میں ہم آہنگی نہیں ہے، اس صورتحال کی وجہ سے پاکستان معشیت روبہ زوال ہے، لوگوں کے کاروبار اور روزمرہ معمولات متاثر ہو رہے ہیں ہمارے خیال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مسئلے پر سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر قومی اتفاق رائے حاصل کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے، یہ وقت پوائنٹ سکورنگ کا نہیں ہے بلکہ ملک کو بچانے کا ہے۔

اس شمارے میں:۔ سید بلال مطب سے ملاقات، فوزیہ غزل، اُم مریم کے سلسلے وار ناول، صدف اعجاز کا مکمل ناول، سندس جبیں اور فلک ارم ذاکر کے ناولٹ، سیما انصار، مبشرہ ناز، صائمہ حجاب، سمیرا عثمان اور سباس گل کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد

صبیح رحمانی

کر رہے ہیں تری ثنا خوانی
سوچتی دھرتی بولتا پانی

تو ہے آئینہ ازل یارب
اور میں ہوں ابد کی حیرانی

تیرے جلوؤں کے دم سے لیل و نہار
تیرے سورج کی سب درخشانی

گونجتا ہے ثنا کے نغموں سے
گنبد جاں ہے میرا نورانی

پار ہوتی نہیں مرے مولا
درد کی سرحدیں ہیں طولانی

تجھ سے بخشش کا ہے تمنائی
تیرا بندہ صبیح رحمانی

☆☆☆

نعت

مظفر بخاری

آقا ہمیں بلائیں گے پختہ یقین ہے
اک دن مدینے جائیں گے پختہ یقین ہے

اک روز روضۂ پاک کا در چومتے ہوئے
جھونکے ہوا کے آئیں گے پختہ یقین ہے

وہ در کہ جس پہ رحمت عالم لکھا گیا
اس در سے فیض پائیں گے پختہ یقین ہے

پہنچیں گے جب مدینے کی گلیوں میں دوستو
مستی سے جھوم جائیں گے پختہ یقین ہے

محشر کے روز دیکھنا دوزخ کی آگ سے
آقا ہمیں بچائیں گے پختہ یقین ہے

مظفر ملے گا آپؐ کا دیدار جس گھڑی
اک جشن ہم منائیں گے پختہ یقین ہے

سید اختر ناز

اہل وعیال کے لئے دوڑ دھوپ کرنا کار ثواب

حضرت کعبہ بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گزرا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس کی توانائی، چستی اور سرگرمی دیکھی تو عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کاش اس کی یہ سرگرمی اللہ کی راہ میں ہوتی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو وہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر ریاکاری اور نام ونمود کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا ہے تو وہ شیطان کے لئے ہے۔''

ملازمین سے حسن سلوک

حضرت معرور رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مقام ربذہ میں ملاقات ہوئی، وہ اور ان کا غلام ایک ہی لباس پہنے ہوئے تھے، میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔

''کہ کیا بات ہے، آپ کے اور غلام کے کپڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

اس پر انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا اور اس سلسلے میں اس کو ماں کی غیرت دلائی، یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''ابوذر! کیا تم نے اس کو ماں کی غیرت دلائی ہے؟ تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے، تمہارے ماتحت (لوگ) تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنایا ہے، لہٰذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو، اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے، ماتحتوں سے وہ کام نہ لو جو ان پر بوجھ بن جائے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔'' (بخاری)

قیامت کے دن

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تم نے میری عیادت نہیں کی۔''

بندہ عرض کرے گا۔

''اے میرے رب! میں کیسے آپ کی عیادت کرتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟'' (بیمار ہونے کے عیب سے پاک ہیں)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تم نے اس کی عیادت نہ کی، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم اگر اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے؟ آدم کے بیٹے! میں نے تم سے کھانا مانگا، تم نے مجھے نہیں کھلایا؟''

بندہ عرض کرے گا۔

''اے میرے رب! میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا تھا، تم نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم اگر اس کو کھانا کھلاتے تو تم اس کا ثواب میرے پاس پاتے؟ آدم کے بیٹے! میں نے تم سے پانی مانگا، تم نے مجھے پانی نہیں پلایا۔''

بندہ عرض کرے گا۔

''اے میرے رب! میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''میرے فلاں بندے نے تم سے پانی مانگا تھا، تم نے اس کو نہیں پلایا، اگر تم اس کو پانی پلاتے تو تم اس کا ثواب میرے پاس پاتے۔'' (مسلم)

اسلام اور ایمان کیا ہے

سیدنا ابوہریرہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن لوگوں میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور بولا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کسے کہتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ نے فرمایا۔

''ایمان یہ ہے کہ تم یقین کرے دل سے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور یقین کرے قیامت میں زندہ ہونے پر۔''

پھر وہ شخص بولا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اسلام کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اسلام یہ ہے کہ تو اللہ جل جلالہ کو پوجے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور قائم کرے تو فرض نماز کو اور دے تو زکواۃ کو جس قدر فرض ہے اور روزے رکھے رمضان کے۔''

پھر وہ شخص بولا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! احسان کسے کہتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تو عبادت کرے اللہ کی جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھتا (یعنی توجہ کا یہ درجہ نہ ہو سکے) تو اتنا تو ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

پھر وہ شخص بولا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کب ہوگی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس سے پوچھتے ہو قیامت کو، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، لیکن اس کی نشانیاں میں تجھ سے بیان کرتا ہوں کہ جب لونڈی اپنے مالک کو جنے تو یہ قیامت کی نشانی ہے اور جب ننگے بدن، ننگے پاؤں پھرنے والے لوگ سردار بنیں تو یہ بھی قیامت کی نشانی ہے اور جب بکریاں یا بھیڑیں چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں تو یہ بھی قیامت کی نشانی ہے، قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے، جن کو کوئی نہیں جانتا سوا اللہ تعالیٰ کے۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ: ''اللہ ہی جانتا ہے قیامت کو اور وہی اتارتا ہے پانی کو اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے

رحم میں ہے (یعنی نر یا مادہ) اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس ملک میں مرے گا، اللہ ہی جاننے والا اور خبر دار ہے۔" (لقمان: ۳۴)

پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کو پھر واپس لے آؤ۔"

لوگ اس کو لینے چلے لیکن وہاں کچھ نہ پایا (یعنی اس شخص کا نشان بھی نہ ملا)

تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، تم کو دین کی باتیں سکھلانے آئے تھے۔"

لوگوں سے لڑنا

سیدنا عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے حکم ہوا ہے لوگوں سے لڑنے کا یہاں تک کہ وہ گواہی دیں، اس بات کی کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بے شک محمد اس ..... رسولؐ ہیں اور نماز قائم کریں اور زکواۃ دیں پھر جب یہ کریں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیا مگر حق کے بدلے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔" (مسلم)

کافر کو لا الہ اللہ کہنے کے بعد قتل

سیدنا مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر میں ایک کافر سے بھڑوں، وہ مجھ سے لڑے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ ڈالے پھر مجھ سے بچ کر ایک درخت کی آڑ لے لے اور کہنے لگے۔

"میں تابع ہو گیا اللہ کا تو کیا میں اس کو قتل کر دوں جب وہ یہ بات کہہ چکے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کو مت قتل کر۔"

میں نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس نے میرا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر ایسا کہنے لگا تو کیا میں اس کو قتل کروں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کو قتل مت کر، (اگر چہ تجھ کو اس سے صدمہ پہنچا اور زخم لگا) اگر تو اس کو قتل کرے تو اس کا حال تیرا سا ہو گا قتل سے پہلے اور تیرا حال اسکا سا ہو گا جب تک اس نے یہ کلمہ نہیں کہا تھا۔"

سیدنا اسامہ بن زید کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا، ہم صبح کو حرقات سے لڑے جو جہنیہ میں سے ہے، پھر میں نے ایک شخص کو پایا۔

اس نے لا الہ الا اللہ کہا، میں نے برچھی سے اس کو مار دیا، اس کے بعد میرے دل میں وہم ہوا کہ (لا الہ الا اللہ کہنے پر مارنا درست نہ تھا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا اس نے لا الہ اللہ کہا تھا اور تو نے اس کو مار ڈالا؟"

میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نے ہتھیار سے ڈر کر کہا تھا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا تا کہ تجھے معلوم ہوتا کہ اس کے دل نے یہ کلمہ کہا تھا یا نہیں؟ (مطلب یہ ہے کہ دل کا حال تجھے کہاں سے معلوم ہوا؟)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار یہی

فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا (تو اسلام لانے کے بعد ایسے گناہ میں مبتلا نہ ہوتا کیونکہ اسلام لانے سے کفر کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کلمہ پڑھنے والا مسلمان ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر مشرکوں کی ایک قوم پر بھیجا اور وہ دونوں ملے (یعنی آمنا سامنا ہوا میدان جنگ میں) تو مشرکوں میں ایک شخص تھا، وہ جس مسلمان پر چاہتا اس پر حملہ کرتا اور مار دیتا، آخر ایک مسلمان نے اس کو غفلت (کی حالت میں) دیکھا اور لوگوں نے ہم سے کہا (کہ) وہ مسلمان سیدنا اسامہ بن زید تھے، پھر جب انہوں نے تلوار اس پر سیدھی کی تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ لیکن انہوں نے اسے مار ڈالا۔

اس کے بعد قاصد خوش خبری لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے حال پوچھا، اس نے سب حال بیان کیا، یہاں تک کہ اس شخص کا بھی حال کہا (یعنی سیدنا اسامہ بن زید کا)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا اور پوچھا۔

"تم نے کیوں اس کو مارا؟"

سیدنا اسامہؓ نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس نے مسلمانوں کو بہت تکلیف دی، فلاں فلاں کو مارا اور کئی آدمیوں کا نام لیا، پھر میں اس پر غالب ہوا، جب اس نے تلوار کو دیکھا تو لا الہ الا اللہ کہنے لگا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم نے اس کو قتل کر دیا؟"

انہوں نے کہا۔

"ہاں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟"

انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا اور یہی کہتے رہے۔

"تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟"

ایمان لانے والا جنتی ہے

سیدنا عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مر جائے اور اس کو اس بات کا یقین ہو کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ جل جلالہ کے تو وہ جنت میں جائے گا۔"

کچھ غیر مزاحیہ خیالات

ابن انشاء

مزاح لکھنا اور مزاح کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں، آپ کسی محفل میں کوئی لطیفہ کہیے بعض تو ایسے جلد باز ہیں کہ فوراً ہی اس پر ہنس پڑتے ہیں، اگر لطیفہ کہنے والا کوئی افسر یا سیٹھ واقع ہوا ہو تو لطیفے کے ختم ہونے کا بھی انتظار نہیں کرتے، اس کے برعکس کچھ لوگ بیٹھے خضوع و خشوع سے سنتے رہتے ہیں اور آنکھیں جھپکتے رہتے ہیں اور موقع پا کر پاس والے کو کہنی مار کر پوچھتے ہیں۔

''کیوں بھئی اس میں کیا بات تھی ہنسنے کی؟'' تیسری قسم ان دونوں کے بین بین ہے، یہ لوگ لطیفہ سنتے ہیں، اس پر غور کرتے ہیں، اس کا تجزیہ کرتے ہیں، اس کے بعد اپنے کو ہنسنے کی اجازت دیتے ہیں۔

پچھلے دنوں ایک روسی مزاح نگار کی یہ حکایت بہت مشہور ہوئی کہ ایک محفل میں، میں نے ایک لطیفہ سنایا کہ ڈاکٹر اپنے مطب میں ایک مریض سے پوچھتا ہے کہ تمہارے پاؤں پر پٹی کیوں بندھی ہے، مریض کہتا ہے جناب میرے سر میں درد ہے، ڈاکٹر پوچھتا ہے کہ سر کے درد کو پاؤں کی پٹی سے کیا تعلق؟ مریض مسمسی آواز میں جواب دیتا ہے کہ جناب باندھی تو سر پر ہی تھی لیکن کھسک کر نیچے آ گئی۔

سب لوگ اس پر ہاہاہا کر کے ہنس دیے، سوائے ایک شخص کے جو چپ ٹک ٹک دیکھتا رہا، آخر کہنے لگا۔

میں نے لطیفہ دہرایا، وہ پھر بھی نہ ہنسا بولا۔

''ٹھہریے، ڈاکٹر نے یہ کہا، مریض نے وہ جواب دیا، اس میں ہنسی کا کون سا پہلو ہوا؟''

میں نے کہا۔

''پہلو یہ ہوا کہ وہ بھلا آدمی کہتا ہے کہ پٹی سر درد کے لئے سر پر باندھی تھی، کھسکتے کھسکتے پاؤں میں آ رہی۔''

وہ شخص قائل تو نہ ہوا لیکن چپ ہو رہا۔

آدھی رات کو اس نے مجھے فون کیا اور کہا۔

''اس وقت سے میں اس لطیفے پر سوچ رہا ہوں، اگر اس نے پٹی سر پر باندھی تھی تو پاؤں میں کیسے آ رہی۔'' میں نے فون بند کر دیا، دوسرے دن وہ پھر میرے پاس آ گیا اور بولا۔

''کیا اس مریض کی ایک ٹانگ تھی؟''

میں نے کہا۔

''نہیں تو، دونوں ٹانگیں تھیں۔''

''پھر اگر پٹی کھسکتی تو دونوں پاؤں میں آتی، ایک پیر میں کیسے آئی؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

قصہ مختصر یہ کہ وہ صاحب غور کرتے رہ گئے، اس لطیفے پر ہنس نہیں سکے ایک اور ایسا ہی قصہ ہم نے پڑھا تھا، جس میں مثالیں اپنی طرف سے ڈال کر پیش کرتے ہیں، بیان کرنے والے صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے دوستوں کی محفل میں لطیفہ سنایا کہ وہ ماہرین ارضیات ایک کیفے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے ایک نے کہا۔

''آج سے پندرہ ارب سال بعد سورج بالکل ٹھنڈا ہو جائے گا اور اس کے ٹھنڈا ہونے کے بعد زمین پر سے بھی زندگی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔''

ایک شخص پاس کی میز پر بیٹھا تاش کھیل رہا تھا، اس کے کان میں بھنک پڑی تو کھیل روک کر پوچھا۔

''قبلہ! آپ کیا فرما رہے تھے؟''

ان صاحب نے کہا۔

''پندرہ ارب سال بعد اس دھرتی سے زندگی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔''

اس شخص نے اطمینان کی سانس لی اور کہا۔

''پندرہ ارب سال، پھر تو بہت دن پڑے ہیں، میں سمجھا آپ نے پندرہ کروڑ سال کہا ہے۔''

اس پر جن کو ہنسنا تھا وہ تو ہنس دیے لیکن ایک پروفیسر صاحب چپ بیٹھے رہے جیسے کسی غور و فکر میں غلطاں ہیں، تھوڑی دیر بعد انہوں نے سر ہلایا اور کہا۔

''ہاں، اچھا لطیفہ ہے، لطیفے کی شرائط پر پورا اترتا ہے۔''

ہم نے اس نکتے کی داد دی، پروفیسر صاحب نے مزید فرمایا۔

''اس لطیفے کو علمائے معاشیات کی کسوٹی پر کسیں تب بھی تسلی بخش قرار پائے، کیونکہ انسان کی عمر پندرہ ارب یا پندرہ کروڑ سال کیا، پندرہ سو سال بھی نہیں ہو سکتی، لہٰذا ان تاش کھیلنے والے صاحب کی سادگی اسی لائق ہے کہ اسے مضحکہ خیز گردانا جائے اور اس پر ہنسا جائے۔''

ہم نے کہا۔

''بہت عمدہ تجزیہ ہے یہ بھی۔'' لیکن پروفیسر صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھا، چوہدری کے اقوال حکمت سے بھی اس لطیفے کو جانچا اور ان سب معیاروں پر پورا پایا تو اس پر ہنسے، خوب ہنسے، پیٹ پکڑ کر ہنسے حتیٰ کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

مزاح نگاروں کے ساتھ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بات بہت لطیف پیرائے میں کہی، کسی کے سر کے اوپر سے گزر گئی، کسی کے نیچے سے اسی لئے اب یہ رواج ہو گیا ہے کہ رسالوں اخباروں والے کوئی مزاحیہ مضمون چھاپتے ہیں تو اس کے اوپر لکھ دیتے ہیں، طنز و مزاح، یعنی یہ مزاحیہ مضمون ہے اس پر ہنسیے ضرور، آگے چل کر حاشیے میں تیر کا نشان بنا کر یہ بھی لکھا جایا کرے گا کہ یہاں ہنسیے، یہاں مسکرائیے، یہاں سنجیدہ رہیے، جب سے ہنسنا ہنسانا ایک طبعی کیفیت کے بجائے ضرورت زندگی میں شمار کیا جانے لگا اور انڈسٹری بن گیا ہے، تب سے اس قسم کا مزاح عام ہو گیا ہے، جو مشینوں سے بنا ہوتا ہے اور تیاری کے کسی مرحلے میں ہاتھ سے نہیں چھوا جاتا۔

یہ خیالات پریشان ہمارے ذہن میں کیوں آئے، ایک تو اس لئے کہ لوگ اکثر ہمیں سے ہماری تحریروں کے ہجے اور معنی پوچھتے ہیں جن باتوں پر برا نہ ماننا چاہیے، ان پر مانتے ہیں اور جن پر ناراض ہونا چاہیے ان پر نہیں ہوتے، دوسرے اس لئے کہ آج کل ہم ایک کتاب پڑھ رہے ہیں، جس سے ارسطو اور حافظ شیرازی، سر سید احمد خان اور سیماب اکبر آبادی کے اقوال کے حوالوں کے بغیر بھی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے، وہ ہے مشتاق احمد یوسفی کے مضامین ناز، کا انبار، خاکم بدہن، لکھنے والے تو بہت سے ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے، لیکن دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخن در سہرا۔

☆☆☆

بلال قطب سے ملاقات

◇◇ کاشف گوہر/جمشیفاق ◇◇

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

"اللہ تعالیٰ جب کسی سے راضی ہو جاتا ہے تو اسے دین کی اصل سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے لیکن،۔۔۔اس کے لیے مسلسل کوشش، محنت اور شوق کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

جب انسان دین کی اصل کو پالیتا ہے تو اس کی روح میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔ وہ اللہ کے راستے پر چلتا ہوا مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کرنے میں اپنی زندگی وقف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے انسان کے لیے خود تک رسائی کے راستے ہموار کرتا جاتا ہے۔

دین اسلام کے راستے میں مسلسل محنت اور لگن سے سرگرم رہنے والے صحرا نورد معروف عالم دین سیّد بلال قطب جن کی پہچان جیو ٹیلی وژن کا مشہور پروگرام عالم آن لائن اور دنیا ٹی وی کے پروگرام جاگو دنیا میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں، آپ کا تعلق مصر کے بالائی صوبے اسوت میں واقع ایک گاؤں مشا سے ہے ابتدائی عمر میں آپ نے تلاوت کلام پاک سیکھی اور اس ہنر نے آپ کی روحانی زندگی میں ایک ایندھن کا کام کیا۔

زمانہ طالب علمی میں خصوصاً مذہبی تعلیم کو ترجیح دی اور بہت سے مذہبی اداروں سے منسلک رہے۔ آج پوری دنیا میں آپ کو روحانی و مذہبی بصیرت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ اور لاکھوں خاندان آپ کے بتائے ہو وظائف سے ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک نہایت ہی بلند کردار مخلص اور ہمدرد انسان سے ملاقات ہمارے لیے اس سال کا ایک خاص تحفہ ہے۔

قارئین حنا کی پُر زور فرمائش پر جناب سیّد بلال قطب سے مختصر سی ملاقات پیش خدمت ہے۔

☆ اپنے بچپن کے بارے میں بتائیں کہ بچپن کیسا گذرا؟

◄ میری پیدائش 27 نومبر 1968 میں ہوئی میرا بچپن مصر کے گاؤں مشا میں گذرا جو کہ مصر کے بالائی صوبے اسوت میں واقع ہے۔

☆ بچپن میں شرارتی تھے یا کہ سنجیدہ؟

◄ بچپن میں ہر بچہ شرارتی ہوتا ہے مگر میں شرارتیں کم کیا کرتا تھا۔

☆ بچپن کی کوئی شرارت یاد ہے؟

◄ نہیں کوئی بھی قابل ذکر نہیں۔

☆ دین سے لگاؤ کب سے ہے؟

◄ بچپن ہی سے سکول کے زمانے میں مذہب سے گہرا لگاؤ تھا اس لیے خاص طور پر صرف مذہبی تعلیم میں مہارت حاصل کی۔

☆ تعلیم کے علاوہ کیا مشاغل رہے؟

◄ کچھ خاص نہیں نماز پڑھنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا ہی میرے مشاغل تھے۔

☆ سن بلوغت میں کیا مشاغل تھے؟

◄ نوجوانی میں تلاوت کلام پاک سیکھنے کا شوق تھا۔ دل چاہتا تھا کہ کلام پاک کی تلاوت ایسے کروں کہ سننے والے مسحور ہو جائیں۔ اس شوق کو میں نے اپنی نوجوانی میں جب آواز پختہ ہوئی تو پورا کیا اور یہی شوق اور ہنر میں سمجھتا ہوں میرے روحانی سفر کا زینہ تھا۔

☆ آج کل ہمارے اداروں میں دینی تعلیم کا رجحان کم پایا جاتا ہے جس کی وجہ شاید میڈیا ہے یا کچھ اور آپ کے خیال میں تعلیمی اداروں میں عام تعلیم لازمی ہے یا دینی تعلیم؟

◄ ایسے ادارے جہاں عام تعلیم کیساتھ دینی تعلیم کو فروغ دیا جاتا ہے وہ اُن اداروں سے بہتر ہیں جہاں صرف عام تعلیم دی جاتی ہے۔ میرے خیال میں بچوں کے لیے دینی تعلیم اُتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ ہم عام تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ دینی تعلیم کی اہمیت زیادہ ہے۔

☆ آپ اپنے پروفیشنل تجربات کے بارے میں کچھ بتائیں؟

◄ یہ ایک بہت لمبی چوڑی لسٹ بن جائے گی۔ مگر ان میں سے کچھ چیدہ چیدہ بتا دیتا ہوں کہ میں نے بوسٹن یونیورسٹی میں بطور پروفیسر کام کیا اس کے علاوہ سری لنکا، امریکہ، اور دیگر ممالک کے علاوہ لاہور چیمبر آف کامرس اور انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کو تربیت دی۔ فیصل آباد کے معروف کریسنٹ گروپ کے لیے ہیومن ریسورس کے لیے کام کیا۔ مختلف تعمیراتی کنسلٹنٹ کے ساتھ سپروائزری اور تکنیکی عملے کے طور پر کام کیا۔

☆ آپ روحانی تعلیم کے لیے (Cairo) بھی گئے؟

◄ علم حاصل کرنے کا شوق مجھے (Cairo) لے گیا جہاں میں نے برطانیہ کے معروف ادارے میں بہت کچھ سیکھا۔

☆ آپ کو ناول نگاری کا بھی شوق ہے؟

◆ اپنے کام کے آغاز میں (Ashwak) Thoms جیسے ناول لکھ کر اپنے ادب کو وقف کیا۔

☆ اسلامی سوچ نے آپ کی زندگی پر کیا اثرات مرتب کیے؟

◆ اگر آپ میری زندگی میں توازن محسوس کرتے ہیں تو یہ اسلامی سوچ ہی ہے جس نے میری زندگی کو پُر امن بنایا۔

☆ آپ کی مصروفیات کی اور انتھک محنت سے آپ کی گریلو زندگی متاثر ہوئی؟

◆ (مسکراتے ہوئے جواب دیا) میں اپنے بے حد مذہبی رجحان اور علمی کاوشوں کی وجہ سے شادی نہ کر سکا۔

☆ دین اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے بارے میں پڑھنے کا اتفاق ہوا؟

◆ جی ہاں تمام مذاہب کے بارے میں پڑھ کر ہی انسان بہتر اور ٹھیک مذہب کا انتخاب کرتا ہے؟ اور میں سمجھتا ہوں کہ دین اسلام ہی وہ راستہ ہے جو کہ انسان کو اپنی اصل سے ملاتا ہے۔

☆ آپ کا امریکہ کا دورہ کس نوعیت کا تھا؟

◆ میرے نظریات کا بدلتا ہوا نقطہ نظر مجھے مغربی ریاستوں میں لے گیا۔ وہاں میں نے مزید تعلیم حاصل کرنے کو مقصد بنالیا۔ یہاں دو سال کے عرصے میں میں نے مختلف اداروں کا دورہ کیا۔ اور اپنے مذہب اور اُن کے مذہب کے متعلق بہت سے مشاہدے کیے اور پھر اپنی تصانیف کے ذریعے ان کو عملی جامہ پہنایا۔

☆ امریکہ میں رہنے والے لوگوں کے رہن سہن اور اُن کی زندگی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

◆ میرے مشاہدات کی بنا پر امریکہ کے رہنے والے لوگوں کی زندگی بہت بناوٹی ہے جس میں مذہب سے کوئی وفا نہیں کرتا۔

☆ پاکستان میں کیسے آنا ہوا؟

◆ پاکستان دنیا کے ایسے ملکوں کو شمار ہوتا ہے جس میں ہر موسم اور ہر طرح کے لوگ رہائش پذیر ہیں۔ پاکستانی عوام کی خدمت کا جذبہ ہی مجھے اس خطے میں لے کر آیا۔

☆ پاکستانی عوام کی کس طرح سے خدمت سرانجام دے رہے ہیں؟

◆ پاکستانی عوام کی خدمت کے لیے میں نے معروف ٹی وی چینلز کا سہارا لیا اور میں پاکستانی عوام کی بے لوث خدمت کر رہا ہوں۔

☆ ہمارے میگزین کے ذریعے آپ پاکستانی عوام کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

◆ پاکستانی عوام کو یہی پیغام ہے کہ وہ حق کے راستے پر متحد ہو کر چلیں تمام تر مذہبی، گروہی، فرقہ وارانہ منافرت کو بھول کر ایک بڑی اور شاندار قوت بن کر سامنے آئیں۔

"قارئین کرام سید بلال قطب سے ملاقات اور اُن کی زندگی کے بارے میں مختصر تحریر اُمید ہے آپ کو پسند آئے گی اُن کی زندگی کے بارے میں لکھنے کے لیے شائد اوراق کم پڑ جائیں وہ اپنی ذات میں سمندر ہیں ہمیں اُمید ہے آپ ہمیں اپنی آراء سے آگاہ کرتے رہیں گے۔ ہمیں آپ کے فیڈ بیک کا انتظار رہے گا۔

اُم مریم

تیرھویں قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتی ہیں اور جہان کو اپنے دام میں پھانس کر ژالے سے نکاح پر مجبور کر لیتی ہیں، جہان کے متعلق وہ ژالے کو بھی غلط معلومات پہنچا کر جہان کی طرف سے مطمئن رکھتی ہیں، ژالے اس بات میں خوش ہے کہ اس کی خواہش پوری ہو گئی ہے۔

جہان شدید قسم کے اضطراب اور کرب کا شکار ہے، ایک وقت میں بیک وقت دو محاذوں پہ شکست فاش اسے غم و غصے اور اذیت سے پاگل کیے دے رہی ہے، پرنیاں کالج میں تیگریٹ ہو کر آنے والی وہ حسین اور مالدار لڑکی ہے جو دانیال کی وجہ سے پرنیاں سے پرخاش اور نفرت محسوس کرتی ہے اور اکثر پرنیاں سے بغیر کسی وجہ کے الجھ کر پرنیاں کے مسائل کو بڑھاتی رہتی ہے۔

زینت کی شادی طے ہو گئی ہے، زیاد کا پروپوزل نوریہ کے لئے آتا ہے مگر نوریہ انکار کر دیتی ہے زیاد اس انکار کا جواب مانگنے آتا ہے مگر نوریہ اس سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتی، وہ معاذ کی وجہ سے ہرگز بھی زیاد سے شادی پر آمادہ نہیں۔

پرنیاں ہاسپٹل میں زخمی ہو کر آنے والے معاذ کو دیکھ کر اپنے پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس کرتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چودھویں قسط

ایک قیامت تھی جو اس مختصر سے دورانیے میں اس پر بیت گئی تھی، اسے لگا تھا کسی پل بھی اس دہشت و خوف کے احساس سمیت وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی، تسلسل سے بہتی آنکھوں اور لرزیدہ بدن کے ساتھ اس کی حالت خاصی سے زیادہ قابل رحم تھی جب اس پہ جونیئر ڈاکٹر شہلا کی نگاہ پڑی تھی تو وہ اگلے پل لپکتی ہوئی اس کی جانب آئی تھیں۔

''ڈاکٹر پرنیاں آر یو او کے؟'' پرنیاں نے سر اٹھایا نہ اسے دیکھا، وہ یونہی بدحواس سی سسک سسک کر رو رہی تھی، وہ تو اس کے فیصلے سے خائف تھی، تو یہ کبھی بھی نہیں چاہا تھا کہ وہ اس طرح اس نوبت کو پہنچ جائے، وہ اس کے لئے خاص تھا وہ جانتی تھی مگر وہ اس کے لئے اس درجہ اہم اور اسی جذباتی وابستگی ہے وہ ہرگز نہیں جانتی تھی، اس کی تکلیف کا احساس تھا یا اسے کھو دینے کا خوف کہ وہ اپنی حیثیت و مقام تک فراموش کر گئی تھی۔

''واٹ ہیپنڈ پرنیاں! کیوں رو رہی ہیں؟'' شہلا نے اسے تھام کر سہارا دیئے صوفے تک لائی پھر پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا تھا۔

''سب خیریت ہے نا؟'' شہلا کی تشویش کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور پرنیاں نے ہچکیوں سسکیوں کے درمیان اسے معاذ کے متعلق بتایا تھا۔

''وہ آپ کے ریلیٹو ہیں؟ کزن وغیرہ؟''

اگلے سوال نے پرنیاں کو نہ صرف نگاہ چرانے بلکہ سنبھل جانے پہ بھی اکسایا تھا، شہلا نے حیرانی سے اس کی جامد خاموشی کو دیکھا، پھر اسے تسلی و دلاسے سے نوازنے کے بعد خود اٹھ کر معاذ کے حوالے سے تازہ صورتحال جاننے کو وہاں سے چلی گئی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں پرنیاں! معاذ صاحب کو اندرونی و بیرونی چوٹیں ضرور آئی ہیں مگر ان کی حالت خطرے سے باہر ہے، ابھی انہیں طبی امداد دی جا رہی ہے، کچھ دیر بعد آپ انہیں دیکھ سکیں گی۔''

تقریباً پندرہ منٹ بعد شہلا واپس آئی تو اس کے پاس تسلی بخش خبر تھی، جس نے صحیح معنوں میں پرنیاں کے اعصاب کو کنٹرول کیا تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کی پریشانی اور گھبراہٹ ہنوز تھی، شہلا کے جانے کے بعد اس نے اپنی نم پلکیں ہاتھ کی پشت سے پونچھ کر صاف کی تھیں اور سر جھکا کر بیگ سے سیل فون نکالا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اس حادثے کی خبر شاہ ہاؤس میں سے کسے دے، بہت سوچنے کے بعد اس کا ذہن جہان کے نام پہ ہی مطمئن ہو سکا تھا، جہان کا نمبر پش کرتے اس کی انگلیوں کی خفیف سی لرزش کچھ اور بھی واضح ہونے لگی تھی۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں پرنیاں آپ؟'' چند لمحوں کے توقف سے اس کی سماعتوں میں جہان کا مخصوص ٹھہراؤ لئے گمبھیر لہجہ اترا تھا۔

''وعلیکم السلام جہان بھائی! آپ پلیز اسی وقت ہاسپٹل آ جائیں۔'' اس کے رقت آمیز لہجے کو جہان نے محسوس کیا تھا یا اس کے بوجھل آواز کو کہ وہ ایکدم چونک اٹھا تھا۔

''خیریت ہے نا بھابی! مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' پریشانی اور تشویش محسوس کی جانے والی تھی، اتنے فاصلے کے باوجود وہ لمحوں میں اس کے انداز کی تبدیلی کو پا گیا تھا تو یہ اسی

کی حساسیت اور اپنائیت ہی تھی، پرنیاں کو ایک دم ہی وہ کسی سایہ دار شجر کی طرح محسوس ہوا تھا، اس کے دل کی گھبراہٹ بڑھنے لگی۔

''انہیں آج پاکستان آنا تھا بھائی؟''

''کسے؟ معاذ...... کی بات کر رہی ہیں؟'' جہان نے ٹھٹک کر سوال کیا تھا۔

''جی! ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ان کا، آج ہاسپٹل میں ہی ڈیوٹی تھی میری، پلیز آ جائیں جلدی۔'' ہزار ضبط کے باوجود پھر اس کی آواز پہ نمی نے اپنا غلبہ پا لیا تھا جبھی اس نے ہونٹ بھینچے اور سیل فون کان سے ہٹا کر سلسلہ منقطع کر دیا، وہ جانتی تھی جہان کس درجہ پریشان ہوا ہو گا مگر وہ یہ بھی جانتی تھی اب اگر ایک لفظ بھی وہ مزید بولی تو خود پہ قابو نہ رکھ سکتی اور وہ بھرم کھونا نہیں چاہتی تھی، دل کا اضطراب اس درجہ بڑھا تھا کہ وہ بنا سوچے سمجھے اٹھ کر چلتی ہوئی وہیں آ گئی تھی جس روم میں معاذ کو منتقل کیا گیا تھا، ہاسپٹل کے مخصوص لباس میں اس کا لمبا چوڑا مضبوط وجود بیڈ پہ ڈھیلے انداز میں ڈھیر تھا، مغرور کھڑی ناک، کشادہ پیشانی پہ بکھرے بال اور بے تحاشا روشنیاں سمیٹے رکھنے والی آنکھیں بند تھیں، نرس اسے انجکشن لگانے کے بعد دروازے سے نکل رہی تھی، پیشانی اور بازو پہ بندھی پٹیاں نظر آ رہی تھیں، ڈرپ کے ذریعے قطرہ قطرہ دوا اس کے وجود میں اتر رہی تھی، وہ ساکن کھڑی اسے دیکھتی رہی، یہاں تک کہ آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا گئیں۔

''آپ جتنے بھی کٹھور اور ستمگر سہی مگر میں آپ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتی۔''

درمیانی فاصلہ سمیٹ کر وہ اس کے نزدیک آئی تھی پہلے اس کے آہنی بازو پہ دونوں ہاتھ رکھے تھے پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی پہ بکھرے بال سمیٹے اور اس کے بعد سسکتے ہوئے جانے کس جذبے کے آگے ہار کر اس کے بیڈ سے سر ٹکا کر گھٹ گھٹ کر روتی چلی گئی تھی، یہ خیال یہ احساس سوہان روح تھا کہ ''اسے کچھ ہو جائے گا'' اس کی رگ جان میں وحشت بھرنے لگا تھا، اسے لگ رہا تھا پوری دنیا میں اس پل وہ تنہا ہے، ہر سو اندھیرا ہے گھٹا ٹوپ اندھیرا بس ایک معاذ حسن کا ساتھ ہے اگر وہ کھو گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے وحشت کے صحراؤں میں سر پٹختی پھرے گی، یہ احساس اتنا قوی تھا کہ باقی سب کچھ وہ فراموش کر چکی تھی، اس کی بے اعتنائی کج ادائی اور لگائے ہوئے لفظوں کے نشتر۔

وہ سامنے آئے تو عجب سانحہ ہوا
ہر حرف شکایت نے خودکشی کر لی

جانے کتنی دیر وہ یونہی بلکتی رہی تھی کہ دوبارہ اندر آنے والی نرس کی مداخلت پہ وہ ایکدم حواسوں میں لوٹ آئی۔

''یہ ٹھیک ہیں، مسکن دواؤں کے زیر اثر نیند میں ہیں، آپ کو بہر حال اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیے۔'' نرس کی نگاہوں میں حیرانی کے ساتھ ساتھ معنی خیز سی مسکان بھی تھی، جس نے پرنیاں کو اتنا خجل کیا کہ وہ ایک لمحہ مزید وہاں ٹھہرے بغیر سرعت سے پلٹ کر باہر آ گئی، سات بج رہے تھے، اس وقت تک اسے ہاسٹل واپس پہنچ جانا چاہیے تھا، مگر وہ ہاسٹل تو کیا ہر احساس کو بھلا گئی تھی، یاد رہ گیا تو معاذ حسن!

اسے نئے سرے سے نرس کی آنکھوں کی معنی خیزیت یاد آئی تو خفیف سی جھنجھلاہٹ اعصاب پہ سوار ہو گئی، ہر کوئی کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہے، پھر پتہ نہیں میرا دماغ کیوں خراب ہوا جا رہا تھا، اس نے سر جھٹک کر سوچا اور اپنے بیگ میں ہاتھ ڈال کر مسلسل وائبریٹ کرتے سیل فون کو باہر نکالا، ثناء کالنگ کے الفاظ چمکتے دیکھ کر اس نے کال ریسو کی تھی۔

''کہاں ہو پری تم؟ وارڈن کے سخت ترین اصولوں کو بھول گئی ہو؟''

''سوری میں ہاسپٹل میں ہوں، آج لیٹ ہو گئی، تم وارڈن کو بتا دینا او کے۔''

جہان کو بدحواسی اور پریشانی و تشویش کے سب آثار چہرے پہ سجائے اسی سمت آتے دیکھ کر اس نے مختصر بات کر کے کال منقطع کر دی تھی، تب تک جہان اس کے پاس آن ٹھہرا تھا۔

''کہاں ہے معاذ! خیریت ہے نا؟ میرا تو سانس بند ہوا جا رہا ہے سن کر، چاچو تک کو نہیں بتایا میں نے۔'' وہ پھولے سانسوں کے درمیان بولا تھا، پرنیاں نے ایک نظر اسے دیکھ کر گہرا سانس بھرا۔

''چوٹیں آئی ہیں لیکن تشویش کی بات نہیں ہے، آپ چلے جائیں اندر۔'' پرنیاں نے ہاتھ سے اس کے روم کی سمت اشارہ کیا تو جہان نے قدم بڑھاتے ہوئے جیسے ایکدم کسی خیال کے تحت اسے پلٹ کر دیکھا تھا، اس کی متورم آنکھوں اور نم آلود گلاب چہرے پہ نگاہ لمحہ بھر کو پڑی۔

''آپ واپس جا رہی ہیں؟''

''جی! میری ڈیوٹی کا ٹائم ختم ہو چکا ہے۔''

''آپ رکیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' اس کی بات پر پرنیاں عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

''تھینکس بھائی! میں ہر روز اسی طرح جانے کی عادی ہوں۔''

''پلیز بھابھی مناسب نہیں لگتا، میں ابھی آ رہا ہوں۔'' وہ اسے پابند کرتا آگے بڑھ گیا، معاذ ہنوز دواؤں کے زیر اثر نیند کی آغوش میں تھا، جہان نے اس کی چوٹوں کا جائزہ لیا تھا پھر خود ڈاکٹر سے بات کی تھی، اس کے بعد بہت سبھاؤ سے اس نے پپا کو کال کی تھی، اس کے اتنے رسان سے بتلانے کے باوجود پپا سنتے ہی دل تھام کر رہ گئے تھے۔

''چاچو میں اس کے پاس ہوں، وہ ٹھیک ہے، معمولی چوٹیں ہیں، آپ دیکھ لیں آ کر اسے، مگر اکیلے مت آیئے گا، زیاد کو ساتھ لے لیجئے گا پلیز۔'' مزید کچھ دیر انہیں تسلی دلاسہ دینے کے بعد وہ ایک بار پھر معاذ کو دیکھنے لگا۔

(تو یہ آپ کا سرپرائز تھا محترم! ہاتھ پیر تڑوا کر بستر پہ لیٹنے کا)۔ ہلکی سے مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں سے چھوا تھا پھر پلٹ کر باہر آ گیا، پرنیاں اسی کے انتظار میں پلر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی، جہان کو دیکھ کر گہرا سانس بھرتی سیدھی ہو گئی۔

''چلیں۔'' جہان نے کوٹ کی جیب ٹٹول کر چابی کی موجودگی کا یقین کرتے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا جو کسی قدر متذبذب تھی۔

''آ...... آپ انہیں اکیلے چھوڑ کر جا رہے ہیں بھائی!'' جہان نے چونک کر اسے دیکھا، اسے

فکر مند اور مضطرب پا کر جہان کے ہونٹوں پہ اس ٹینشن کے باوجود مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

"مجھ سے پہلے تو آپ اسے اکیلا چھوڑ کر جا رہی ہیں۔"

خلاف مزاج، خلاف عادت اس نے اس پہ گرفت کی تھی اور کسی قدر برجستگی بھری شوخی سے پرنیاں نے پہلے متحیر ہو کر پھر کسی قدر خفگی سے اسے دیکھا تھا، البتہ کچھ کہنے سے گریز کیا، جہان دھیرے سے ہنس دیا۔

"سوری اگر آپ نے مائنڈ کیا تو، ویسے میں چاچو کو بتا چکا ہوں، ان کا آفس یہاں سے تھوڑے فاصلے پہ ہے، پانچ سات منٹ میں پہنچ جائیں گے، ڈونٹ یو وری۔" وہ پھر اسی مخصوص سنجیدگی متانت اور باوقار انداز میں گویا تھا، پرنیاں نے پرسکون ہو کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

محبت میری جاں
تذبذب کی بے فیصلہ ساعتوں میں
اچھالا گیا کوئی سکہ نہیں
جس کے اک رخ پر "ہے" دوسرے پر "نہیں" ہو
یونہی خالی اوقات میں رنگ بھرنے کا
جیون کی پھیلی ہوئی ریت پر
چند شکلیں بنانے کا اک شغل بے کار کب ہے
محبت وظیفہ ہے
ایسا فریضہ ہے جو کام سارے بھلا کر نبھانا ہے
یہ جنگلوں کی بھڑکتی ہوئی آگ کا ایک شعلہ نہیں
من پہ کن من سی گرتی ہوئی
نرم کومل پھواروں کی رم جھم میں
اندر تلک بھیگنا ہے
سمندر کے سرگم پہ مدہوش وارفتگی ہے
جو بیٹھے سروں سے زمانوں کو مسحور کرتی رہی ہے۔
محبت میری جاں
جاں سے گزرنے کا رستہ ہے
منزل نہیں
ایک نقطے کی جانب سفر ہے
جہاں "میں" پگھلتا ہے
اور "تو" کے سانچے میں ڈھلتا ہے
آساں نہیں ہے میری جاں محبت

وہ جہاں جیسے کھڑی تھی وہ ویسے ہی بیٹھتی چلی گئی، اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑ گئی

تھی، جو صورتحال تھی اس میں اس پہ دھیان کس نے دینا تھا، جس کا جیسے بھی انتظام ہوا بس ہاسپٹل دوڑنے کی کی تھی، یہاں تک کہ حوریہ بھی مما کے ساتھ ہی ٹھنس کے چلی گئی تھی، پیچھے وہ رہ گئی تھی واہموں اور خدشات سے ڈولتا ہوا دل لئے۔

"آپ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے معاذ حسن آپ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے وہ سسک سسک کر تڑپ کر رو رہی تھی جب زینب بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

"تم نے .... تم نے سنا کچھ نوری لالے کو......؟" وہ بات مکمل نہیں کر سکی اور ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے، نوریہ کی حالت تو پہلے ہی غیر ہو رہی تھی، وہ اٹھی تھی اور ایکدم اس کے گلے لگ گئی، دونوں زور و شور سے رونے میں مصروف تھیں جب زیاد اندر داخل ہوا تھا انہیں یوں روتا پا کر بری طرح سے جھلا گیا۔

"واٹ نان سنس، یہ کیا حماقت ہے۔" وہ بدمزگی سے چیخا تھا، نوریہ سہم کر زینب سے الگ ہو گئی۔

"بھائی لالے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، پتہ چلا آپ کو؟" زینب گھٹی ہوئی آواز میں بولی تو زیاد نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

"وہیں سے آ رہا ہوں میں الحمدللہ خطرے کی بات نہیں ہے۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" زینب نے غیر یقین نظروں سے اسے دیکھا تو زیاد کا موڈ خراب ہونے لگا تھا۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا بھلا؟"

"تھنک گاڈ! ورنہ میں تو بہت ڈر گئی تھی۔" نوریہ کے حواس بحال ہونا شروع ہوئے تھے، زیاد نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اچھا! اگر یہ خوف والی بات ہو تو اللہ سے مدد مانگنے کی بجائے رونا شروع کر دیا جاتا ہے؟ آپ کے خیال میں آنسو مسئلے کا حل ہوتے ہیں؟" اس کا لہجہ و انداز کاٹ دار تھا، نوریہ نے ہونٹ بھینچ لئے، زینب صورتحال کی گمبھیرتا کو محسوس کر کے دانستہ کھنکاری تھی۔

"بھائی آپ ہمیں بھی تو لے چلیں ناں وہاں، مجھے بھی لالے سے ملنا ہے پلیز۔"

"مما پپا کو آ لینے دو پھر جہان کے ساتھ چلی جانا، میں تو ابھی آیا ہوں۔" وہ رکھائی سے کہتا پلٹ کر دھپ دھپ کرتا چلا گیا، نوریہ سرخ چہرا لئے کھڑی تھی۔

"اپنے بھائی کی طرف سے میں معافی مانگ لیتی ہوں۔" معاذ کے حوالے سے پریشانی کم ہوئی تھی تو اس کا موڈ خود بخود خوشگوار ہو گیا تھا، نوریہ نے ہاتھ باندھے مسکراہٹ دبائی زینب کو جلتی نظروں سے دیکھا۔

"اس کی قطعاً ضرورت نہیں، ہاسپٹل جاؤ تو مجھے لیتی جانا۔" وہ نخوت سے کہہ کر دروازہ پار کر گئی، زینب گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

☆☆☆

وہ آنکھیں کھول کر کتنی دیر چھت کو دیکھتا رہا، اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر خود

سے غافل رہا ہے، چھت کو دیکھتے اچانک اس کا ذہن بیدار ہوا، اچانک اسے محسوس ہوا کوئی اس کے دائیں طرف موجود ہے، اس نے بے اختیار گردن گھمائی تھی، دونوں ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے جہان کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا، نگاہ چار ہونے پہ آہستگی و نرمی سے مسکرا دیا۔

''آر یو او کے ناؤ۔'' معاذ نے جواب میں کچھ کہے بغیر بس خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، جہان قدرے چونکا۔

''خیریت معاذ!''

''کیا مجھے بہت زیادہ چوٹیں آئی ہیں؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا، جہان حیران رہ گیا یہ کیسا سوال تھا۔

''نہیں معمولی...... تم پریشان نہ ہو، انشا اللہ کل تک ڈسچارج ہو جاؤ گے، میری ڈاکٹر سے بات ہو گئی ہے۔''

''پپا، مما کسی کو نہیں بتایا تم نے؟'' معاذ نے اپنے اطراف میں نگاہ ڈالی تو نظر کونے میں جائے نماز بچھائے رکوع کی حالت میں کھڑی مما سے جا لگی، اسی پل دروازہ کھول کر پپا اور پپا جان ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے، اسے ہوش میں دیکھ کر پاپا جان لپک کر نزدیک آئے تھے اور بہت جذباتیت بھرے انداز میں اس کا سر سینے سے لگانے کے بعد پیشانی کو بار بار چوما۔

''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اللہ نے بہت کرم کیا؟ کیسا ہے میرا ببر شیر؟''

''الحمد للہ! میں نے آپ کو پھر تنگ کیا نا پاپا جان؟ جبھی پپا مجھ سے خفا لگتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں نا چاہتے ہوئے بھی شاکی پن در آیا، جس نے اسی پل سلام پھیر کر اس کے پاس آئی مما کو تڑپا کے رکھ دیا تھا۔

''ایسا بالکل نہیں ہے میری جان! آپ کے پپا آپ سے بالکل بھی خفا نہیں ہیں، آپ ایسی باتیں مت سوچیں۔'' انہوں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اس کے لاڈ اٹھانے شروع کیے تھے ساتھ ہی شوہر کو کٹیلی نظروں سے دیکھ کر انہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں معاذ کی دلجوئی کا کہا تھا۔

''آپ ہمیں بتا تو سکتے تھے کم از کم آنے کا۔'' پپا بولے بھی تھے تو کیا، مما کا غصہ کچھ اور بڑھنے لگا جبکہ جہان اور بڑے پاپا جان نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

''سوری پپا! میں آپ سب کو اچانک آ کر حیران کرنا چاہتا تھا۔'' وہ خجل سا بولا۔

''یہ الگ بات ہے کہ حیران کرنے کی بجائے آپ نے ہمیں پریشان کر دیا، ماشا اللہ آپ کس سمجھداری کو تو داد دینی چاہیے۔'' وہ ہنوز اسی لہجے میں بولے تھے، معاذ نے شاکی نظروں سے مما کو دیکھا اور منہ بنا لیا۔

''یہ جے کی غلطی ہے اسے آپ کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا، میں ایک آدھ دن میں ٹھیک ہو کر ہی ملتا آپ سے۔'' اس نے نروٹھے پن سے کہا، شاہانہ مزاج ذرا سی ڈانٹ پہ ہی بگڑ گیا تھا، پپا نے جتلاتی نظروں سے مما کو دیکھا گویا کہہ رہے ہوں تیور ملاحظہ کیے صاحبزادے کے، مگر

مما نے ان سے نگار چار نہیں کی تھی، اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا زیاد کے ہمراہ زینب اور نوریہ چلی آئیں، زینب تو آگے بڑھ کر معاذ سے لپٹ گئی تھی، البتہ نوریہ وہیں جھجک کر کھڑی رہ گئی، اسے لگا تھا جیسے صدیوں سے جلتی آنکھوں میں تراوٹ اتر آئی ہو، کتنی مدت بعد وہ اس خوبرو چہرے کو دیکھ رہی تھی جس پہ خفگی اور جھنجلاہٹ کا غلبہ تھا، اس نے زینب کو سخت بے زار کن انداز میں خود سے الگ کیا تھا۔

''ابھی مرا تو نہیں ہوں، صد افسوس زندہ ہوں، یہ رونے دھونے کا شغل ایسے وقت کے لئے بچا رکھو۔'' زینب کا چہرہ ایکدم دھواں دھواں ہو گیا، مما نے تڑپ کر معاذ کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھا تھا جبکہ پپا سرد آہ بھرتے ہوئے ہونٹ بھینچ چکے تھے، جہان نے زینب کی آنکھوں میں مچلتی نمی کو مضطرب نظروں سے دیکھا، وہ بے طرح ہرٹ ہوئی تھی، خوبصورت ریشمی بال دوپٹے کے اطراف سے نکل کر چہرے کے گرد لٹوں کی صورت جمع تھے لیکن اس بے ترتیبی میں بھی کمال درجے کا حسن تھا، وہ محبت کی فاتح ٹھہری تھی اور یہ احساس اسے ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید حسین بنا رہا تھا۔

''دس از ٹو مچ بیٹے! بہن ہے آپ کی؟'' پاپا جان نے ہی ٹوکا تھا مگر بہت نرمی و ملائمت بھرے انداز میں پھر بھی معاذ کے سپاٹ چہرے کے پتھریلے پن میں فرق نہیں آیا تھا، پپا اسی خاموشی سے پلٹ کر باہر نکل گئے، جہان ساکن بیٹھا تھا، کمرے کی فضا میں اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود تکلیف دہ خاموشی در آئی تھی جب کھلے دروازے پہ مدھر سروں میں دستک دیتے ڈاکٹر واثق چلے آئے ساتھ میں ان کے جونیئرز ڈاکٹرز تھے انہی میں پرنیاں بھی تھی، لمبی پلکیں جھکائے بے حد کنفیوژڈ سی، نوریہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھنے لگی۔

''اب کیسی طبیعت ہے ینگ مین!'' ڈاکٹر واثق اس کا معمول کے مطابق چیک اپ کر رہے تھے، وہ خاموش لیٹا رہا، مما اس کے سرہانے سے اٹھ چکی تھیں۔

''یہ ڈرپ اتار دیں پلیز۔'' معاذ نے بے زار کن انداز میں ڈاکٹر واثق کو مخاطب کیا تھا، انہوں نے مسکرا کر گویا اسے تسلی دی پھر اپنے پیچھے کھڑی پرنیاں کو ڈرپ اتارنے کا اشارہ کیا تھا، وہ قدرے سٹپٹائی تھی اور جھجک کر آگے بڑھی، مما مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں، زینب جہان کے علاوہ نوریہ کی نگاہوں کا مرکز بھی وہی تھی تو وجہ ان کے مابین رشتے کی معنی خیزی تھی، اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا کام سرانجام دیا تھا، جھکنے سے وہ معاذ کے سراپے سے بے حد نزدیک آ گئی تھی اور یہی قربت اس کی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کا باعث تھی، نوریہ نے دیکھا تھا اس کے جھکنے سے اس کے چادر نما دوپٹے کے اندر سے اس کے بالوں کی چند موٹی لٹیں اس کے گالوں پر اٹھکیلیاں کرنے لگی تھیں، پرنیاں نے نگاہوں کی تپش پہ ہی نظروں کو اٹھایا تھا اور ایک لمحے کو جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، معاذ حسن پوری آنکھیں وا کیے پوری طرح سے اسی کی سمت متوجہ تھا، توجہ کا یہ ارتکاز اتنا گہرا تھا کہ وہ اس کے متوجہ ہونے پہ بھی نہیں ٹوٹا، پرنیاں کی ہمتیں یہیں تک تھیں، بے اختیار نیڈل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، وہ گھبرا کر یکدم پیچھے ہٹی تھی، اسے اپنے رخسار دہکتے ہوئے محسوس ہوئے تھے، پھر وہ جتنی دیر وہاں مجبوراً کھڑی رہی تھی نگاہیں اٹھائے بغیر بھی وہ معاذ کی گرم نگاہوں سے اپنا چہرا جلتا محسوس کرتی رہی، کمرے سے باہر آتے ہی اس نے سکھ کا سانس بھرا

تھا اور تیز قدموں سے راہداری عبور کر کے کمپاؤنڈ کی سمت جا رہی تھی، جب اس نے اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنی تو چونک کر مڑ کے دیکھا تھا، شفاف راہداری میں بھاگتی ہوئی زینب اس کے برابر آتے ہی شرارتی مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگی۔

''جے بتا رہے تھے کل بھی آپ کی اسی ہاسپٹل میں ڈیوٹی تھی اور آپ نے ہی انہیں کال کر کے لالے کے متعلق بتایا تھا۔'' وہ اس کے چہرے پہ نظریں گاڑھے شوخ شرارتی لہجے میں بولی، پرنیاں نے جواب میں کچھ کہے بغیر اسے ایک نظر دیکھا تھا۔

''لالے کو ہوش تو ابھی آیا ہے نا، ویسے آپ کو دیکھ کر کچھ گم صم نہیں ہو گئے وہ۔'' زینب نے مسکراہٹ دبائی تھی، پرنیاں کا چہرا جانے کس احساس کے تحت تپنے لگا۔

''میں چلتی ہوں زینب! ورنہ سر سے ڈانٹ پڑے گی۔''

''اوہ شیور!'' اس کی سنجیدگی و متانت کے آگے زینب کو بھی اپنی شوخی سمیٹ کر ایک طرف رکھنی پڑی، پرنیاں باوقار انداز میں چلتی آگے بڑھ گئی تھی، پھر جب وہ آدھا گھنٹہ وہاں گزارنے کے بعد جہان کے ساتھ واپس جا رہی تھی تو معاذ کی بے اعتنائی کے باوجود بے حد ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

''جے کیا آپ کو ابھی ایسا لگا کہ جب پرنیاں لالے کے پاس سے ہو کر گئی ان کی نگاہیں بار بار دروازے کی سمت اٹھتی رہی ہیں؟ مجھے لگا، ریئلی وہ ہر آہٹ پہ چونک رہے تھے۔'' وہ کھلکھلا کر اپنا تجزیہ پیش کر رہی تھی جس پہ زیاد کو سخت کوفت ہوئی تھی۔

''آپ اتفاق کریں گے جہان بھائی کہ یہ لڑکیوں کی قوم انتہائی خوش فہم قوم ہوتی ہے۔'' وہ کلسا تھا جہان نے سنجیدگی سے دونوں کو دیکھا۔

''پرنیاں بھابھی نہیں چاہتی ہیں کہ معاذ سے ان کا تعارف اس حوالے سے کرایا جائے، کل انہوں نے خصوصی طور پر مجھ سے ریکویسٹ کی تھی، سو بی کیئر فل اوکے؟'' جہان کی بات پہ جہاں زیاد اور نور یہ چونکے تھے وہاں زینب اسی قدر پرجوش ہو گئی تھی۔

''دیٹس امیزنگ! اب لالے کی بے خبری سے ہم خوب لطف اٹھائیں گے، خبردار کسی کو ضرورت نہیں ہے ان سے کچھ کہنے کی۔'' وہ گھر پہنچ کر بھی ایک ایک کو پکڑ کر تاکید کرتی رہی تھی، زیاد سر پیٹ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا
جانے کیوں آج تیرے نام پہ رونا آیا
یوں تو ہر شام امیدوں میں گزر جاتی ہے
آج کچھ بات ہے جو شام پہ رونا آیا
کبھی قسمت کا ماتم کبھی دنیا کا گلہ
منزل عشق میں ہر گام پہ رونا آیا
جب ہوا ذکر دنیا میں محبت کا آکاش
مجھ کو اپنے دل ناکام پہ رونا آیا

وہ بہت تھک گیا تھا جبھی طویل باتھ لینے گھس گیا، نہا کر بھی طبیعت کا اضمحلال جوں کا توں قائم تھا، تھکان جسمانی نہیں روحانی تھی، اس کے اندر وحشت ہر لمحہ اپنے پنجے گہرائی سے گاڑھتی جا رہی تھی، معاذ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آ چکا تھا، صدقہ خیرات کے علاوہ قرآن خوانی اور محفل نعت کا بھی اہتمام ہوا تھا، وادی سے زینب کے سسرالی معاذ کی عیادت کو بالخصوص آئے تھے، ایسے میں زینب کے چہرے پہ ہوتی رنگوں کی برسات جہان کے لئے کس آزمائش سے کیا ہی کم تھی اور جس پل وہ اضطراب کا شکار خود سے جنگ میں مصروف تھا معاذ کی گہری نگاہوں کو محسوس ہی نہ کر سکا، وہ باتھ روم سے نکلا تو معاذ کو اپنے کمرے میں موجود پا کر ٹھٹکا تھا۔

''تم یہاں؟ خیریت ہے نا معاذ!'' وہ حیران ہو کر اس کے پاس آیا تھا، اس کا چہرا جانے کس احساس کے تحت سرخ ہو رہا تھا۔

''جے مجھے اتنا غصہ آ رہا ہے کہ تم پہ کہ بس نہیں چل رہا زینب کا گلہ دبا دوں یا پھر تمہیں شوٹ کر دوں۔'' جہان نے بے ساختہ نظریں چرالیں۔

''یہ کیا پاگل پن ہے معاذ! عقل سے کام بھی لیا کرو۔''

''تم ہو نا عقل سے کام لینے کو، مجھے بس یہ بتاؤ کہ اگر کسی قربانی کا حوصلہ نہیں تھا تو کیوں......؟'' اس کی آواز شدت غم سے پھٹ سی گئی تو بات ادھوری چھوڑ کر ہونٹ بھینچ لئے، جہان نے اسے کچھ دیر دیکھا تھا، پھر آگے بڑھ کر کچھ کہے بنا اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

''میرا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے معاذ! تم ہو نا میرے ساتھ، چاچو ہیں...... پلیز ریلیکس۔'' وہ جس قدر جذباتی حساس اور شدت پسند تھا جہان جانتا تھا جبھی خود کو کمپوژڈ کر کے اسے سنبھالنے لگا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو، تم اب ساری زندگی جھوٹ ہی بولتے رہو گے جے! کاش تم نے خود کو یہ دھوکہ نہ دیا ہوتا۔'' وہ یونہی اس کے ساتھ لگا ہوا گھٹی ہوئی آواز میں بولا، اب کی مرتبہ جہان نے کچھ کہنے کی بجائے محض اسے تھپک کر اس کا حوصلہ بڑھایا تھا، وہ اسے اس پل کسی روٹھے ہوئے مگر ضدی بچے کی طرح لگ رہا تھا جو شدید نقصان کے بعد ہراساں ہو کر ماں سے آ چپٹتا ہے۔

''واؤ بڑا رومینٹک سین چل رہا ہے مگر ترتیب بہت غلط ہے، جناب آپ اپنی اپنی وائف تک رسائی حاصل کریں جا کر؟'' زیاد اپنے دھیان میں دروازہ کھول کر اندر آیا مگر ان پر نگاہ پڑتے ہی بڑی شگفتگی سے کھلکھلایا تھا، دونوں نے خود کو سنبھالا اور ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

''لالے آپ کی خاطر آئے ہیں لوگ اتنی دور سے اور جناب غائب، مما بلا رہی ہیں۔'' زیاد نے معاذ کو مخاطب کیا تھا، جہان غیر محسوس انداز میں رخ پھیر گیا، زیاد کی مذاق میں کہی بات بھی اس کے دل پہ جا کر تیر کی طرح لگی تھی، معاذ کے حوالے سے پرنیاں سے سب آگاہ تھے مگر اس پہ کیا افتاد ٹوٹی تھی یہ کوئی نہیں جانتا تھا، گو کہ یہ معمول کی عام باتیں تھیں مگر آج کل اسے وہی ہتھوڑے بن کر لگنے لگی تھیں۔

''تم جاؤ آ رہا ہوں میں۔'' معاذ رسان سے بولا تھا، زیاد نے فی الفور سر کو نفی میں جنبش دی۔

''نہیں آپ بھی چلیں، مما سے ڈانٹ پڑوائیں گے مجھے۔'' معاذ نے جھلا کر اسے دیکھا تھا

پھر اسی جھلاہٹ میں ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا۔

"سچ بتائیں کیا پوچھ رہے تھے یہ آپ سے؟" زیاد کا انداز رازدارانہ تھا، جہان کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

"کیا مطلب؟" وہ ٹھٹکا تھا۔

"مطلب پرنیاں بھابھی کے متعلق ہی پوچھ رہے تھے نا؟ انہیں سن گن تو نہیں مل گئی؟" وہ سخت متجسس تھا، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، یقیناً حد ہوگئی تھی۔

"بندہ خدا ایسی کوئی بات نہیں تھی، سو ڈونٹ وری۔" وہ خفیف سا مسکرا کر بولا تو زیاد کھسیا کر سر کھجاتا باہر نکل گیا تھا، جہان نے سر جھٹکا اور تولیہ گلے سے نکال کر ٹیرس پہ جا کے ریلنگ پہ پھیلانے کے بعد ہیر برش اٹھا کر بال سنوار رہا تھا جب اس کے سیل فون کی گنگناہٹ کمرے کی فضا میں ارتعاش برپا کرنے لگی تھی، اس نے آگے بڑھ کر سیل فون اٹھایا، اسکرین پہ الفاظ کی بجائے ہندسے چمک رہے تھے، اس نے کچھ تذبذب کے بعد کال ریسو کی۔

"السلام علیکم!" اس کا پرسان دھیما گمبھیر لہجہ بے حد مہذبانہ تھا۔

کہنے کو رہتے ہو دل میں
پھر بھی کتنی دور کھڑے ہو
کون سی بات ہے تم میں ایسی
اتنے اچھے کیوں لگتے ہو

جواباً چھوٹتے ہی لہک کر کہا گیا، نسوانی شوخ مچلتی آواز، جہان کی تیوری چڑھ گئی۔

"واٹ نان سنس! کون ہیں آپ؟"

"ہائیں، یعنی آپ ہمیں بھول بھی گئے، حد ہے آپ کی بے پروائی سے، ورنہ قسم سے ہم وہ ہیں کہ لوگ ایک جھلک دیکھنے کو ترستے ہیں، آپ الٹا ہمیں ترسا رہے ہیں۔" اس کے من چلے انداز میں فرق نہیں آیا تھا، بے باکی نقطہ عروج پہ تھی، جہان نے ایک جھٹکے سے کال ڈسکنکٹ کی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات قہر ساماں ہو رہے تھے۔

"جی چاچو!" اس نے آگے بڑھ کر انٹر کام کا ریسور اٹھایا اور سیل فون کو سائلنٹ پہ لگایا تھا کہ وہ بلا پھر کال کر رہی تھی۔

"بیٹے آج سے شادی کی تقریبات شروع ہو رہی ہیں، آپ ابھی جا کے پرنیاں کو لے آؤ۔"

"چاچو میں تو اس روز بھی لینے گیا تھا مگر وہ گریزاں ہیں، شاید معاذ کی وجہ سے۔" وہ جھجک کر بولا تھا، جواباً ان کا گہرا سانس سنائی دیا تھا۔

"میں نے بچی کو سمجھا دیا ہے، آپ لے آئیں اسے، پرنیاں کو میں صاحبزادے کی وجہ سے اس اہم تقریب سے بے دخل تو نہیں کر سکتا نا۔" ان کا شدید موڈ آف ہونے لگا تھا۔

"جی چاچو معاذ نے انہیں پہچانا نہیں ہے، پھر ادھر سب کا خیال ہے کہ معاذ سے یہ بات چھپائی جائے گی، آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ہوں کوئی حرج نہیں ہے، محترم کے تیور بھی کھل جائیں گے اس طرح، خیر آپ پہلی فرصت

میں بچی کو لے آئیں۔"

"جی چاچو!" اس نے سعادتمندی سے کہا تھا اور انٹر کام کا ریسور رکھ دیا۔

جہان نے گہرا سانس بھر کے اپنے سیل فون کو دیکھا، جس پہ مسز آفریدی کی کال تسلسل سے آ رہی تھی نا چاہتے ہوئے بھی اسے کال ریسو کرنی پڑی۔

"ہیلو۔"

"تم میری کال ریسو نہیں کرنا چاہتے ہو نا؟" وہ پھٹ پڑی تھیں، جہان کے کشادہ پیشانی پہ ناگواری کی شکن ابھری۔

"میں بزی تھا، آپ نے کیوں زحمت کی؟" اس کا موڈ اس کے الفاظ کی رکھائی سے بخوبی خرابی کا اعلان کر رہا تھا۔

"ظاہر ہے، ہم تو زحمت کریں گے ہی، تمہیں تو اپنی کسی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوگا۔" وہ چیخ گئی تھیں گویا، جہان نے ناگواریت سے سیل فون کو دیکھا۔

"ذمہ داریوں کو اگر زبردستی لادا جائے تو بوجھ بن جایا کرتی ہیں اور بوجھ معمولی ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ ناگواریت کا احساس دلایا کرتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا! کیا بکواس کر رہے ہو؟" حسب عادت وہ لمحہ بھر میں اپنی کیٹس چھلانگ کر سطحی پن پہ اتر آئیں، جہان کے ہونٹوں پہ زہر خند بکھر گیا۔

"مائنڈ یور لنگویج میڈم اینڈ لسن میں جو کہہ رہا ہوں آپ اچھی طرح جانتی ہیں، جان بوجھ کر نظریں چرانا چاہیں تو الگ بات ہے۔" وہ جتنا بھی خفا سہی لہجے کو کنٹرول میں رکھا ہوا تھا جو اس کی تہذیب اور شائستگی کا گواہ تھا۔

"جہانگیر آپ فضول کی باتوں میں الجھا کر مجھے مطمئن نہیں کر سکتے بہر حال۔" وہ پھر انگارے کی طرح سے چیختی تھیں، جہان کو کچھ اور بھی غصہ آیا تھا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا؟ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" اس نے برہمی سے دریافت کیا تو مسز آفریدی نے ہنکارا بھرا تھا۔

"آپ کی فیملی میں اتنی اہم تقریب ہے، آپ نے جھوٹے منہ بھی ہمیں انوائیٹ کرنا پسند نہیں کیا۔" مقصد واضح ہوا تو جہان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"کیا مطلب؟ آپ میری فیملی کی تقریب میں بھلا کیوں شریک ہوں گی، آپ جانتی ہیں میں نے کسی پہ بھی اس نئی صورتحال کے متعلق ابھی کوئی بات نہیں کھولی۔" وہ بری طرح سے بگڑنے لگا۔

"یہ میرا نہیں آپ کا مسئلہ ہے، آپ اس گھر کے اہم فریق ہیں، میری بیٹی کا آپ کے حوالے سے جانا جانا از حد ضروری ہے مجھے بس اتنا پتہ ہے۔" وہ اپنے مخصوص ہٹ دھرم ضدی لہجے میں بولیں تو جہان کو تاؤ آنے لگا تھا۔

"دیکھیے محترمہ آپ کے مقاصد ضرور پورے ہوں گے آف کورس آپ نے ایویں تو یہ قدم نہیں اٹھایا مگر دھیرج چلیں ورنہ سب کچھ درہم برہم بھی ہو سکتا ہے۔" اب کے وہ کسی طرح بھی اپنا

غصہ کنٹرول نہیں کر سکا اور پھٹ پڑا تھا۔

"تمہاری اس بات کا مقصد کیا ہے؟" وہ چیخیں تھیں، جہان کی توقع کے مطابق وہ چلبلا گئی تھیں۔

"آپ اتنی معصوم نہیں ہیں کہ میں اس بات کا مطلب سمجھاؤں، میرا مشورہ ہے آپ کو اب مجھے کسی بھی معاملے میں فورس نہ کریں، میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں، آپ اس سے بڑھ کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، مجھے کسی بھی انتہائی قدم اٹھانے پہ مجبور نہ کریں، آپ کے نقصان کا انتہائی قدم کیا ہو سکتا ہے یہ بھی آپ کو اندازہ تو ہوگا۔" اس کا لہجہ جتنا سرد تھا اس سے کہیں بڑھ کر سفاک اور سنگین تھا، جبھی مسز آفریدی کی ساری اکڑ اور طنطنہ لمحوں میں جھاگ بن کر اڑ گیا تھا۔

"تم نے تو مائینڈ ہی کر لیا جہانگیر بیٹے! میرا مقصد یہ تو نہیں تھا۔" مفاہمانہ لہجہ کھسیاہٹ آمیز انداز وہ لمحوں میں بھیگی بلی بن گئی تھیں، جہان کے اندر زہر خند پھیل گیا، اس قسم کسی نیچر کے لوگوں سے وہ خوب آگاہ تھا، یہ ڈرنے والوں کو ڈرانے سہانے اور کچلنے کو پسند کرتے ہیں، مگر جیسے ہی کوئی اپنے سے زیادہ تند خو نظر آتا ہے یہ اس کے قدموں میں لوٹنے میں بھی ایک منٹ کی تاخیر نہیں کرتے۔

"آپ کا مقصد جو بھی ہو، آئندہ مجھ سے اس لہجے میں بات مت کیجئے گا، ورنہ نتائج کی ذمہ داری آپ کی ہوگی۔" جواباً اس کا لہجہ تنفر سے بھرپور تھا، فون بند کر کے اس نے انتہائی خراب موڈ کے ساتھ بستر پہ اچھلا اور خود پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ سخت مضطرب سی کھڑی تھی، بے خیال اداس اور کسی حد تک فکر مند، ثنا کی نظریں اسی پہ تھیں، وہ زور سے کھنکاری تب پرنیاں چونکی تھی اور اسے دیکھ کر گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آج تمہارے انکل کی بیٹی کی شادی کی تقریب میں شریک ہونے والی ہو تم۔" پرنیاں نے آنکھیں چرا لیں۔

"یار بولو نا؟"

"تمہیں پتہ ہے تو، پھر اس سوال کا مقصد؟" وہ جھنجھلائی۔

"اللہ کی بندی مانا مولا کریم نے آپ کو بڑی فیاضی سے حسن و دلکشی کی دولت سے مالا مال کیا ہے مگر حسین لوگوں کو بھی اپنی کیئر تو کرنی پڑتی ہے، ایک چکر پارلر کا ہی لگا لیا ہوتا۔"

"تمہیں پتہ ہے مجھے پارلر جانا پسند نہیں۔" اس کا لہجہ سخت تھا، ثنا نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

"مگر ہو سکتا ہے تمہارے جو "ان" ہوں انہیں یہ آرائش بھاتی ہو۔" پرنیاں کا چہرہ یکدم پھیکا پڑ گیا، ابھی کچھ دیر قبل جہان نے فون کر کے اسے اپنی تیاری رکھنے کا کہہ کر بتایا تھا کہ وہ اسے لینے آ رہا ہے، تب سے اس کا اضطراب لامتناہی حدوں تک پھیل گیا تھا، اتنے سارے لوگوں کے بیچ معاذ حسن کا سامنا کرنے کا خیال اسے پسینوں میں نہلا رہا تھا، پتہ نہیں اس کا ردعمل کیا ہوتا، وہ جانتی تھی وہ اسے پہچان نہیں سکا مگر کب تک......؟ پھر اس کے بعد اس کا جو رویہ ہوتا، شاید وہ برداشت نہ کر پاتی، دل صرف غمزدہ نہیں تھا، متوقع تذلیل کے احساس سے اسے الگ رہا تھا کوئی ابھی اسے کند چھری سے کاٹ رہا ہو، بے بسی سے بے بسی تھی وہ اس آزمائش سے کنارہ بھی نہیں کر سکتی تھی، اسے ہر صورت مقتل گاہ سے گزرنا تھا، کاش اے کاش دوا نے تب ایک انتہائی جذباتی فیصلہ نہ کیا ہوتا، اس کے اندر پھر سے ملال اور تاسف اپنی جڑیں مضبوط کرنے لگا۔

"پری تمہارے وہ بے حد ڈیشنگ سے کزن نما بھائی آ گئے ہیں تمہیں لینے۔" ثناء نے ہانک لگا کر اسے سوچوں کی عمیق کھائی سے کھینچ کر باہر نکالا تو پرنیاں کا دل سہمے ہوئے انداز میں دھڑکنے لگا۔

"شکل پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" اسے چادر اوڑھتے اور بیگ اٹھاتے دیکھ کر ثنا نے اس کے انداز کی بے دلی کو شدت سے محسوس کیا تھا۔

"مجھے تمہارے بغیر نیند نہیں آئے گی ثناء۔" وہ ایک دم اس کے گلے لگ کر بولی، رونے کو تو بہانہ چاہیے تھا گویا، ثناء تو ششدر رہ گئی تھی۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا لڑکی! کیوں میرا کریکٹر مشکوک کروا رہی ہو، شوہر نہیں ہوں میں تمہارا۔" اسے کھینچ کر خود سے الگ کرتی وہ مصنوعی خفگی سمیت کڑے تیوروں سے بولی مگر پرنیاں پہ ذرا سا جو اثر ہوا ہو، اس کی آنسوؤں میں مزید روانی آئی تھی۔

"مسئلہ کیا ہے آخر تمہارے ساتھ پری! مجھے تو لگ رہا ہے تم کسی چیز سے خوفزدہ ہو۔" اب کے ثناء واقعی الجھ گئی تھی، اس کی آنکھوں سے تشویش جھانکنے لگی، پرنیاں نے خود کو بمشکل سنبھالا اور ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھ دیئے۔

"کچھ نہیں بس دل اداس ہے۔" وہ کمزوری توجیہہ دے کر جانے کو اٹھی تھی، ثنا اسے جانچتی پرکھتی نظروں سے دیکھ رہی تھی گویا اندر کا بھید پانے کی متمنی ہو۔

"دل کبھی بھی یونہی اداس نہیں ہوتا، خیر تم واپس آ جاؤ، کرتی ہوں تم سے دو ہاتھ، غضب خدا کا اتنی پرانی ہو گئی، ہماری دوستی مگر تمہیں مجھ پہ اعتماد کرنا نہیں آیا۔" ثنا نے اچھا خاصا برا منایا تھا، پرنیاں نے خاموشی میں عافیت سمجھی اور کان لپیٹ کر نکل آئی، جہان سے بھی اس نے بے حد سرسری سی بات چیت کی تھی پھر خاموشی سے گاڑی میں اس کے ہمراہ آ بیٹھی تھی، جہان نے چند ایک بار اس کے متفکر انداز گم صم کیفیت اور مضطرب آنکھوں کو دیکھا تھا اور اس کے دکھ کو اپنے دل میں محسوس کرتا رہا تھا، اس کے پاس اس نازک اور بے حد پیاری لڑکی کے لئے ایک بھی حرف تسلی نہیں تھا۔

"چاچو کہہ رہے تھے آپ کو پہلے مارکیٹ لے چلوں۔" جہان نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے بہت آہستگی سے اسے مخاطب کیا تھا، پرنیاں زور سے چونکی۔

"مارکیٹ کیوں؟"

"آپ کو شاپنگ نہیں کرنی؟" جہان نے اس کو سوالیہ نگاہوں کو دیکھ کر وضاحت کی تو پرنیاں نے بے اختیار سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

"نہیں بھائی مجھے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں، ایکچوئلی زینب مجھے کئی بار ساتھ لے کر گئی تھیں انہوں نے ہی اتنی شاپنگ کرا دی تھی میری وہی زائد از ضرورت ہے۔" وہ جواباً اتنے رسان سے بولی تھی کہ جہان کے کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہی، پھر جہان نے اس کا دھیان بٹانے کو ادھر

ادھر کی بات کی بھی تھی تو وہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ ہوں ہاں سے زیادہ جواب نہیں دے سکی، گاڑی شاہ ہاؤس کے بلند آہنی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور سرخ روش پہ چلتی گول ستونوں والے پورٹیکو کے نیچے جا رکی، زینب اور ماریہ جانے کب سے اس کی منتظر تھیں، دونوں نے بے تابی سے باری باری اسے گلے لگایا تھا۔

''آپ اندر چلیں میں چائے بنا کے لاتی ہوں۔'' ماریہ نے کہا تھا اور وہیں اس کا ساتھ چھوڑ دیا، وہ زینب کے ہمراہ اندرونی حصے کی جانب آئی تھی، ہال کمرے میں اوپری منزل کو جاتا گول چکر دار زینہ تھا جس سے تولیے سے سر کے بال خشک کرتا، وہ معاذ ہی تھا جو اپنے دھیان میں سیڑھیاں اترتا تیزی سے ان کے سامنے آیا تھا، بلیو جینز پہ بنیان پہنے شرٹ سے بے نیاز اس کا مضبوط آہنی وجود پوری طرح چھا جانے کی صلاحیت رکھتا تھا، وہ یکدم بوکھلائی، یہ تو وہ بات ہوئی تھی وہ جس سے سب سے زیادہ خائف تھی اسی سے ٹکراؤ ہوا وہ بھی اتنا ان منیرڈ اور اچانک طریقے سے یہ اس کی بوکھلاہٹ ہی تھی کہ تیزی سے گزر جانے کی کوشش میں وہ بری طرح توازن کھو بیٹھی تھی، معاذ جو کہ اسے دیکھ کر جانے کیوں سکتے میں آ گیا تھا ایکدم سنبھلا، اگلے لمحے پرنیاں کا خوشبودار نازک وجود معاذ حسن کے مضبوط توانا ورزشی بازوؤں میں سمایا ہوا تھا اور ستم یہ بھی کہ وہ محض جینز اور بنیان میں ملبوس تھا، کیا ہی بجلی کی رفتار ہو گی جس طرح وہ تڑپ کر اس کے حصار سے نکلی اور بجلی کی رفتار کے ساتھ اس کی گھن گرج بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی، سو وہ گرجی بھی اور برسی بھی، معاذ تو گھبراہٹ و بوکھلاہٹ میں وضاحت دینے کو منہ کھولتا ہی رہ گیا، آج سے پہلے تو کسی نے اسے اس قدر وضاحت سے مشرقی و مغربی روایات کے درمیان فرق نہیں سمجھایا تھا، نہ ہی اخلاقیات روایات شرم وحیا پہ یوں لیکچر دیا تھا۔

''ہائیں یعنی کہ میں......'' وہ سمجھ نہیں پایا ان سب باتوں کا یہاں کیا تذکرہ، مگر پرنیاں اس کسی وضاحت کا موقع دیئے بغیر دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں چڑھ گئی، معاذ نے چلبلا کر زینب کو دیکھا جو ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں لال بھبھوکا چہرا لئے حال سے بے حال کھڑی تھی، اس کے پیچھے سیڑھیوں کے آغاز پہ جہان تھا، حیران ششدر غیر یقین، معاذ کو کچھ اور بھی خجالت نے آن لیا۔

''کون ہے یہ محترمہ! پھنے خان کی جانشین۔'' وہ بری طرح سے جھنجلایا تھا۔

''میری فرینڈ ہیں لالے! شادی میں شریک ہونے کو آئی ہیں، پلیز آپ مائنڈ مت کیجئے گا ان کی بات کو۔'' زینب منمنائی تھی، اس نے بڑی دقت سے خود پہ سنجیدگی طاری کی تھی ورنہ حقیقتاً اس کے پیٹ میں بگولے اڑ رہے تھے، معاذ نے زور سے سر جھٹکا تھا اور بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا، زینب نے پلٹ کر جہان کو دیکھا اور جیسے ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا تھا۔

''جے آپ نے دیکھا پری کو؟ مجھے تو لگتا ہے لالے کی کم بختی شروع ہو گئی ہے۔'' وہ یونہی ہنستے ہوئے بولی تھی، جہان نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور پپا کے کمرے کی جانب بڑھ گیا، زینب کمرے میں آئی تو پرنیاں خاندان بھر کی لڑکیوں کے درمیان گھری بیٹھی تھی، زینب نے جاتے ہی تمام تازہ ترین صورتحال مزے لے لے کر حاضرین کے گوش گزار کی تھی، پرنیاں کے خجل اور مضطرب تاثرات سے سجے چہرے کو یکسر نظر انداز کیے۔

''مائی گاڈ! پری کیا کانفیڈنس تھا، میں تو عش عش کر اٹھی، لالے کو آگے سے بات نہیں آ رہی تھی رئیلی، یار یہ ہمیشہ لڑکیوں کے چھکے چھڑاتے رہے ہیں، تم نے انہی کے چودہ طبق روشن کر دیئے۔'' پرنیاں کی آنکھیں نم ہو کر چھلکنے کو بے قرار ہو گئیں، اسے یوں موضوع گفتگو بننا پسند نہیں آیا تھا، وہ تو ابھی پہلے جھٹکے سے نہیں سنبھلی تھی، وہ تو خود حیران تھی معاذ حسن کے تو وہ سامنے سے ہی حراساں تھی کجا یہ سب کچھ پھر اس کے بعد اس کے منہ سے کیا نکلا تھا، اسے خود خبر نہ ہو سکی تھی، شعوری نہیں البتہ لاشعوری طور پہ وہ اس سے شاکی تھی خفا تھی اور یہی خفگی سامنے اس طرح آ گئی تھی جس میں اس کا کوئی ذاتی اختیار نہیں تھا۔

''کدھر جا رہی ہو؟'' زینب کے معنی خیز لہجے میں بلا کی شرارت بھری ہوئی تھی۔

''مم...... میں مما سے مل لوں۔'' اسے کچھ تو کہنا تھا زینب زور سے ہنسی۔

''دھیان سے یار میرے لالہ کے حال پہ اب رحم کرنا، بیچارے کہیں پھر ٹکرا گئے تو......''

پرنیاں کا چہرا یکا یک سرخ ہو کر دہک گیا، وہ بے اختیار واپس اپنی جگہ پہ بیٹھی تھی، وہ سب اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے ہنسنے لگیں، پرنیاں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھے، اس سے قبل کہ کوئی کچھ کہتا مما کے ساتھ مما جان، پھپھو اور نور یہ اسی وقت وہاں چلی آئیں، تینوں بزرگ خواتین نے اسے محبت و شفقت سے گلے لگا کر پیار کیا تھا، مما کا انداز کچھ خصوص اہمیت ملا تھا، اندر ہی اندر وہ بھی معاذ کے رویے سے خائف تھی مگر پرنیاں کے بے تحاشا حسن کا لاشعوری طور پہ انہیں زعم بھی تھا اور اعتماد بھی کہ جیسے ان کا بیٹا اس حسین چہرے کے آگے ضرور ہی مات کھا جائے گا۔

''اب مکمل ہوئی ہے میری فیملی، میں تو کتنے دنوں سے آپ کے پپا سے کہہ رہی ہوں پرنیاں کو لے آئیں، آپ بالکل ریلیکس ہو بیٹے، یہ آپ کا اپنا گھر ہے، معاذ سے خائف ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے جس انداز میں لاڈلی بہو کو ڈھارس دی اس پہ ایک اجتماعی قہقہہ پڑا تھا اور جو ہا ہو کار مچی وہ الگ وہی واقعہ نئے سرے سے بڑے جوش و خروش سے دہرایا گیا۔

پرنیاں کی خفت محسوس کیے بنا اسے شاباشی کی تھپکیاں ملی تھیں، مما جہاں حیرن ہوئیں وہاں خوش فہم کہیں زیادہ...... اسی ہنسی مذاق میں شام ڈھل گئی تھی، مما اسے اپنے ہمراہ کمرے میں لے آئیں۔

''میں نے اپنی بیٹی کے لئے خود شاپنگ کی ہے، آپ اپنی چیزیں سنبھال لو پہلے، پھر اب تو مہمانوں کی آمد شروع ہو گی تو مجھے کہاں ہوش رہ جائے گا۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی مما! زینب نے بھی اتنا کچھ خرید کے میرے ساتھ کر دیا تا، وہ بھی لے کر آتی ہوں۔'' وہ گریز پا سے کہہ رہی تھی۔

''میری جان ضرورت کیوں نہیں ہے، ابھی تو ضرورت ہے، ہو تو آپ پیاری ہی مگر پہن اوڑھ کر تو شہزادی لگنے لگتی ہو اور میں چاہتی ہوں میری بیٹی اتنی پیاری لگے کہ معاذ کی ساری اکڑ نکل جائے اسے دیکھ کر۔''

ان کی وہی روایتی سوچ تھی، پرنیاں کا چہرا متغیر ہو گیا، اسے یہ بات ہرگز اچھی نہیں لگی تھی، وہ بہر حال اپنے حسن کی نمائش لگا کر معاذ کی توجہ حاصل کر کے اپنی نسوانیت کا وقار کھونا نہیں چاہتی تھی،

مگر وہ ماں تھیں وہ ان کے جذبات بھی سمجھتی تھیں جبھی ہونٹ بھینچ خاموش بیٹھی رہ گئی تھی۔

''یہ بندیا دیکھو کتنی حسین ہے، ایسا نہیں لگتا میری بیٹی کے لئے ہی بنی ہے۔'' مما نے گولڈ کے سیٹ کی گلابی سوٹ کے ہمرنگ موتیوں سے مزین نازک سی بندیا کیس سے نکال کر اس کی پیشانی سے لگا کر محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر وہ ان کا دل رکھنے کو بھی مسکرا نہیں سکی تھی، اس کی آنکھوں میں مچلتی نمی نے ضرور مما کو مضطرب کر دیا تھا۔

''میری بات بری لگی میری چندا؟ سوری بیٹا شاید مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، میں جانتی ہوں آپ عام لڑکیوں جیسی نہیں ہو، بہت انا پرست اور خود دار ہو مگر میری جان میری دلی خواہش ہے آپ بھی خوش رہو، آپ کا دامن بھی سچی خوشیوں سے بھر جائے۔'' اس کے ہاتھ پکڑ کر وہ ایکدم آبدیدہ ہو گئیں تو پرنیاں کچھ کہے بغیر ان کے گلے لگ گئی تھی۔

☆☆☆

بہت امید رکھنا اور پھر بے آس بھی ہونا
بشر کو مار دیتا ہے بہت حساس بھی ہونا
سنو اک کان سے اور دوسرے سے پھینک دو باہر
بہت تکلیف دہ ہے صاحب احساس بھی ہونا
یونہی تو ابر رحمت کی طلب کرتا نہیں کوئی
ضروری ہے مقدر میں ذرا سی پیاس بھی ہونا
بہت سے قلب رک جاتے ہیں خوشیوں کی خبر پا کے
ہمیں تو خوب جچتا ہے غموں کا راس بھی ہونا

اس کے احتجاج کو خاطر میں لائے بغیر زینب نے اسے اپنی نگرانی میں بیوٹیشن سے خود سے بھی پہلے تیار کرایا تھا، ٹی پنک کامدانی شرارے اور کام سے بوجھل ہاف سلیو چولی میں میچنگ کے طلائی زیورات سے سجی وہ آسمان سے اتری حور سے مشابہہ لگنے لگی، یہ سج دھج یہ نگاہوں کو چندھاتا ہوا روشنیاں بکھیرتا روپ جس نے بھی دیکھا بے ساختہ بلائیں لی تھیں۔

''ماشاءاللہ چشم بددور!'' مما نے اس کی نظر اتاری اور اس پہ آیۃ الکرسی پڑھ کر پھونک ماری۔

''مما اپنے بیٹے کی بھی خیریت خدا سے نیک مطلوب چاہ لیں، آج تو بے موت مریں گے۔'' زینب کھلکھلائی تھی، پرنیاں کا دھواں ہوتا چہرا دیکھ کر مما نے زینب کو بے دریغ گھورا تھا۔

''مما قسم سے مجھے ہرگز عادت نہیں ہے ایسے لباس پہننے کی۔'' وہ واقعی الجھن محسوس کر رہی تھی۔

''پڑ جائے گی عادت، بیٹے کچھ تقاضے نبھانے پڑتے ہیں۔'' وہ کچھ سننے پہ آمادہ نہیں تھیں، پرنیاں سرد آہ بھر کے رہ گئی۔

''یہاں کیوں گھس کے بیٹھ رہی ہو؟ جاؤ نا باہر گھومو پھرو۔'' اسے وہاں صوفے پہ ٹکتے دیکھ کر زینب نے دہائی دی تھی، پرنیاں نے ان سنی کر دی اس کا ہرگز ارادہ نہیں تھا باہر نکلنے کا، وہ سب زیادہ معاذ کے سامنے سے گریزاں تھی۔

''آپ کو مما بلا رہی ہیں۔'' ماریہ کچھ دیر بعد ہی پیغام کے ساتھ چلی آئی، جہاں پرنیاں گھبرائی وہاں زینب کھی کھی کرنے لگی۔

''مجھے لگ رہا ہے میں نہیں چل سکوں گی اس ڈریس میں، اگر گر گئی؟'' وہ بدحواس سی بولی تو زینب کو چٹکلا سوجھ گیا تھا۔

''ڈونٹ وری لالہ ہیں نا گھر پہ، سپر مین کی طرح اڑتے ہوئے آئیں گے جہاں بھی ہوئے آپ کو سنبھالنے کو۔'' پرنیاں کے چہرے پہ سائے سے لرز گئے کچھ کہے بغیر وہ پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔

''ماریہ مما کس سائیڈ پہ ہیں؟'' اس نے ہمراہ چلتی ماریہ سے سوال کیا تھا۔

''اس وقت تو نیچے تھیں ہال کمرے میں، آپ ڈھونڈ لیجئے گا نا۔'' ماریہ کسی کی پکار پہ اس سمت لپک گئی، پرنیاں کو یونہی حیران کھڑا چھوڑ کر، وہ ابھی کچھ طے نہیں کر پائی تھی کہ کیا کرے کہ اسی پل راہداری کا پہلا دروازہ کھلا اور وائیٹ کاٹن کے کڑکڑاتے سوٹ میں معاذ باہر نکل آیا، پرنیاں نے سرسری طور پہ نگاہ اٹھائی تھی اسے روبرو پاتے ہی فی الفور نہ صرف نگاہ کا زاویہ بدلا بلکہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ جانا چاہتی تھی کہ معاذ اس کا ارادہ بھانپتا ہوا سرعت سے لپک کر اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''آں آں...... دھیرج میم! یہ بے احتیاطی اچھی بات نہیں، پھر اگر میں سہارا ابھی دوں گا تو آپ کو یہ جسارت گستاخانہ لگے گی اور آپ......''

''پلیز اسٹاپ اٹ، راستہ دیجئے مجھے۔'' پرنیاں جو اس کی اس حرکت پہ اعصاب شل ہوتے محسوس کر رہی تھی چیخ کر رہ گئی۔

''شیور وائے ناٹ مگر پلیز اک بات کا جواب دے دیں پہلے۔'' وہ دیوار بنا کھڑا تھا، لہجہ پرفسوں اور گمبھیر تھا، پرنیاں کو بے طرح جھنجلاہٹ نے آن لیا، اس کی صبیح پیشانی پہ کئی شکنیں پڑ گئی تھیں، اسے معاذ کا یہ رویہ نہ تو سمجھ میں آیا تھا نہ ہی پسند، اس کی بے اعتنائی اور ستم رسیدگی کے زخم ابھی بھی تازہ تھے۔

''آپ جنت سے بھٹک کر یہاں کیسے آ گئیں، رئیلی میں نے تو آپ کو ہمیشہ خوابوں میں دیکھا تھا۔'' وہ سرگوشی سے مشابہہ آواز میں بولا تھا، پرنیاں کا چہرا ہی نہیں پورا وجود جل اٹھا، اس نے بے دردی سے ہونٹ کاٹے تھے، خفت اور سبکی سے اس کا فشار خون بڑھنے لگا، تو آنکھیں یکلخت چھلکنے کو تیار ہو گئیں، یہ وہ اس کے ساتھ کون سا نیا کھیل کھیلنے لگا تھا، اس نے سن رکھے تھے اس کی رنگین مزاجی کے قصے، توہین کا احساس اسے روہانسا کر گیا تھا، جبکہ معاذ اس کے پرفسوں حسن کے آگے مسحور سا کھڑا تھا، پرنیاں کترا کر تیزی سے نکلتی چلی گئی تھی، معاذ نے سر پہ ہاتھ پھیر کر کھسیاہٹ دور کی پھر گہرا سانس بھر کے خود بھی نیچے آ گیا، پرنیاں مما کے پاس کھڑی تھی، پھر جب جب بھی پرنیاں کی نگاہ اٹھی وہ اسے اپنی سمت ہی متوجہ نظر آیا تھا، آنکھوں میں شوخ سی چمک لئے اور شوق کا اک جہان آباد کیے، اس بات کو صرف اس نے ہی نہیں سب نے محسوس کیا تھا، یقیناً اور پرنیاں کو یہی بات کھل رہی تھی، تقریب کے اختتام تک وہ خود سے جنگ کرتی نڈھال ہو گئی تھی،

آج مایوں تھی لڑکیاں ایک دوسرے پہ ابٹن پھینک رہی تھیں، وہ اس ماحول سے جان چھڑا کر زینب کے کمرے میں آ گئی، اس کا قیام وہیں تھا، زیورات اور لباس سے نجات حاصل کر کے اس نے بوجھل دل سے وضو کیا تھا، واش روم سے باہر آئی تو حوریہ اسے ہی بلانے کو وہاں پہنچی ہوئی تھی۔

''ارے آپ نے چینج بھی کر لیا، ابھی تو تقریب ختم نہیں ہوئی۔'' وہ سخت حیرانی سے بولی تھی۔

''میں تھک گئی تھی حوریہ، پھر مجھے نیند بھی آ رہی تھی۔'' وہ جائے نماز بچھاتے نرمی سے کہہ گئی۔

''آپ نماز پڑھ لیں، میں آپ کو چائے پلواؤں گی، ممانی جان کہہ رہی ہیں آپ بھی باہر آ کر بیٹھیں۔'' پرنیاں نے بحث سے بچنے کی خاطر محض سر کو اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''پری کیوں نہیں آئی؟'' زینب نے حوریہ کو تنہا آتے دیکھ کر سخت اعتراض کیا تھا اور چپکے سے معاذ کو دیکھا جو بظاہر جہان سے بات کر رہا تھا مگر زینب کو صاف لگ رہا تھا، وہ پرنیاں کی غیر موجودگی سے بدمزا ہے۔

''وہ نماز پڑھ رہی ہیں، نماز پڑھ کر آئیں گی۔'' حوریہ جواب دے کر ڈھولک بجاتی لڑکیوں کے درمیان بیٹھ گئی۔

''تم تھک تو نہیں گئی ہو زینب؟'' بھابھی نے کچھ خیال آنے پہ زینب کو مخاطب کیا تھا، اس نے فی الفور سر کو نفی میں جنبش دی تو کانوں میں بڑے موتیے کے بڑے بڑے بالے ہلکورے کھانے لگے، لمبی ریشمی پلکوں کا مرتعش سایہ شنگرفی ہونٹ جہان کی نگاہ غیر ارادی طور پہ اٹھی تھی اور اضطراب سمیٹ لائی تھی۔

''چلو جے ہم سوتے ہیں چل کر۔'' معاذ سے جہان کی نگاہ کا اٹھنا دہشت سے بھرنا اور پھر تھک کر جھک جانا مخفی نہیں رہا تھا وہ اس کے اضطراب سے آگاہ تھا جبھی قطعیت سے کہتا ایک جھٹکے سے اٹھا۔

''نہیں لالے پلیز ابھی تو ہم نے آپ سے گانا سننا ہے، پلیز بیٹھیں نا ابھی۔'' زیاد نے باقاعدہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''جی بالکل اور ابھی تو پری پھر سے محفل کا حصہ بنیں گی۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟ یہ بات تم مجھے کیوں خصوصی طور پہ بتا رہی ہو، کیا سمجھتی ہو میں تمہاری دوست کے حسن کا اسیر ہو گیا ہوں۔'' زینب کا معنی خیز انداز معاذ کو سلگا کر آپے سے باہر کر کے رکھ گیا تھا، ماحول ایکدم ہی گمبھیرتا اور سنگینی سمیٹ لایا، جہاں زینب سٹپٹائی وہاں جہان بھی گڑبڑا گیا تھا۔

''دس از ٹو مچ معاذ کیا ہو گیا ہے یار؟'' جہان نے اس کا ہاتھ دبایا تھا، معاذ سرخ چہرے کے ساتھ دہکتی آنکھیں لئے دانستہ دوسری جانب دیکھتا گہرے سانس بھر کے خود پہ قابو پاتا رہا، کہیں کا اشتعال کہیں نکلا تھا، زینب تو بالکل حواس باختہ ہو گئی تھی، سب کے سمجھانے کے باوجود اس کا موڈ بحال نہیں ہوا تھا اور وہ اسی طرح وہاں سے چلا گیا تھا۔

''زینب تمہیں ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' بھابھی کے کہنے پہ وہ چونک اٹھی تھی۔

''نہیں مجھ پہ جس بات کا غصہ ہے نا وہ کھل کر وہی نکال لیں، ہے کوئی بات کرنے کی۔'' وہ سخت برہم ہوئی تھی، ماحول ایکدم خراب ہو گیا تھا، محفل برخاست کرنی پڑی تھی، زینب اپنے کمرے میں آئی تو پرنیاں صوفے پہ لیٹی سو رہی تھی، زینب نے دوپٹہ نوچ کر اتارا پھر پھولوں کے زیور توڑ کر دور اچھال دیئے، لمحہ بھر کو اس کی نگاہ پرنیاں کے نم رخساروں پر ٹھہری تھی، صاف لگتا تھا وہ سونے سے پہلے تک جی بھر کے روتی رہی ہے۔

''میں آپ کو کیا کہوں لالے! آپ کو یہ لڑکی خود ہی سیدھا کر لے گی۔'' اس کے جلتے بھڑتے دل پہ جیسے چھینٹے پڑ گئے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن وہ سو رہا تھا جب جہان نے آ کر اس کے اوپر سے چادر کھینچی تھی، اس کے ہمراہ زیاد بھی تھا۔

''اٹھ جائیں لالے! مما آپ کا ناشتے پہ ویٹ کر رہی ہیں۔''

''ناشتہ کوئی بہت اسپیشل ہے جو ویٹ کر رہی ہیں، اٹھوں گا تو کر لوں گا یار۔'' اس پہ کسلمندی طاری تھی، زیاد جھنجھلایا۔

''مجھے نہیں پتہ اسپیشل ہے یا نہیں، بس آپ یہ سستی چھوڑ دیں اور اپنا بیگ کھولیں یار دو سال بعد آئے ہیں ہمارے گفٹس تو نکالیں ذرا۔'' زیاد نے اصل بات اگل ہی دی تھی، معاذ نے سخت تاسف سے اسے دیکھا۔

آنکھیں کسی کے حسن تصور میں بند ہیں
دنیا سمجھ رہی ہے ابھی نیند میں ہوں میں

وہ پیچ پیچ کرتا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا، زیاد نے حیرت کی زیادتی سے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

''خیریت ہے نا؟ مجھے تو لگتا ہے وہیں کسی میم شیم کو دل دے آئے ہیں۔''

''میموں میں کون سے اضافی لال لگے ہوتے ہیں، اصل حسن تو پاکستان میں ہے میرے بھائی۔''

''حیا، وقار اور نسوانی انا کے بغیر حسن کتنا پھیکا ہے تم کیا جانو۔'' وہ جواباً لہک کر بولا تو زیاد جھوم جھوم گیا تھا۔

''ماشاء اللہ خوب ریسرچ کی ہوئی لگتی ہے، مجھے تو ہوا لگا دیں کون ہیں محترمہ؟'' معاذ نے کاندھے جھٹکے تھے اور اٹھ کر شرٹ جھٹک کر اطمینان سے پہننے لگا جہان نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

''بتائیں نا کون ہے وہ۔'' اس کا ضبط چھلکا تو ملتجی ہو گیا تھا، معاذ آہستگی سے مسکرا دیا۔

اس کا تعارف صرف اتنا ہے کہ وہ لفظوں کی طرح گہری، اپنے لہجے کی طرح بے نیاز اور اپنی باتوں کی طرح خوب صورت ہے، شیشے کی طرح صاف شفاف آئینے کی طرح سچی، ہواؤں کی طرح ٹھنڈی اور راحت بخش و سورج کی طرح چمکتی ہوئی روشن روشن، آنکھیں ایسے جیسے اندھیرے میں شمع جلتی ہے، ٹمٹماتی لو دیتی یا جیسے طاق میں رکھا ہوا دیا، جو وقفے وقفے سے لو دیتا ہے اور پھر ایسے

بھڑ کتا ہے جیسے دنیا کو روشن کر دے گا، میرا اور اس کا تعلق خواب کا سا ہے، میں نے اس پہلی بار خواب میں دیکھا، یار قسم سے وہ میرے بے حد نزدیک تھی، مجھے زندگی کی سمت بلاتی ہوئی، مگر پھر جب میں نے اسے حقیقت میں دیکھا تو وہ بالکل برعکس تھی، نہ وہ مہربانی نہ التفات نہ لگاؤ وہ انا پرور اور مغرور ہے مگر مجھے اچھی لگتی ہے، میں اس سے اگر بات کروں تو میرا مخاطب ہونا اسے اچھا نہیں لگتا شاید، خالص مشرقی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں نا زیاد غیر محرم سے سخت لہجے میں بات کرنے والی ان کی سمت جھکاؤ نہ رکھنے والی وہ ایسی ہے کہ اس کی عزت کرنے کو دل چاہتا ہے، میں اس کی بہت عزت کرتا ہوں۔" وہ خاموش ہوا تو جہان جیسے کسی ٹرانس سے باہر آیا تھا، وہ ششدر سا معاذ کو دیکھتا رہ گیا، معاذ نے اس کی کیفیت کو نوٹ کیا اور آہستگی سے کھسیاہٹ بھرے انداز میں ہنس دیا۔

"تمہیں یقین نہیں آ رہا نا؟"

"کیسے آ سکتا ہے، آپ تو پورے شاعر ہو گئے ہیں، ویسے ہیں کون وہ؟" جہان اب بھی بس اسے دیکھ رہا تھا اسی خاموشی سے جبکہ زیاد کو کھ بد لگ چکی تھی۔

"جے تم بتاؤ یار، یہ عشق اتنی تیزی سے انسان کو نکما کیوں کر دیتا ہے، ریئلی ساری رات نہیں سو سکا۔" وہ منہ بسور کر کہہ رہا تھا، زیاد کی کھی کھی پھر شروع ہو گئی۔

"جے تم نے کبھی منگولیا کے درختوں پہ اتری سورج کی اولین کرنوں اور ان سے چھن کر آتی روشنی کو دیکھا اور محسوس کیا ہے؟ وہ کتنی اجلی ہوتی ہے، منگولیا کے دودھیا سفید شگوفوں اور ان پر اترے ملائم اجالوں کو دیکھا ہے؟ وہ ایسی ہی لگتی ہے جیسی وہ کرنیں اجلی شفاف اور حسین، اس کا وجود چاند کے نور سے تراشا ہوا لگتا ہے۔" وہ جیسے پھر کہیں کھو گیا، زیاد کا تو منہ کھلا رہ گیا تھا۔

"لالے تو گئے کام سے، مجھے تو ان پہ بری طرح رحم آ رہا ہے، ان سے پوچھیں انہیں ایسا شاعرانہ عشق کس سے ہو گیا آخر؟" زیاد نے بلبلا کر کہا تھا، جہان کی ہنسی چھوٹ گئی، معاذ نے منہ لٹکا لیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ تم یہاں سے، مذاق اڑا رہے ہو میرا۔" وہ زیاد پہ چڑھ دوڑا تھا، وہ ہنستا ہوا بھاگ گیا۔

"آپ کی حرکتیں ہی ایسی ہیں۔" اس نے دروازے سے سر نکال کر ہانک لگائی تھی، معاذ نے شاکی نظروں سے جہان کو دیکھا۔

"تمہیں بھی یقین نہیں آ رہا؟"

"نہیں خیر مجھے کسی حد تک تم سے اس بات کی توقع تھی۔" جہان کے پر رسان اور پر وثوق انداز نے معاذ کو ہونق کر دیا۔

"کیا مطلب ہے یار غار تو تم نے مجھے بھی حیران کر دیا۔"

"چھوڑو اس بات کو، یہ بتاؤ کون ہے وہ لڑکی؟"

"وہ زینب ہے نا اسی کی نک چڑھی سہیلی پری، یار قسم سے اسم بامسمی ہے بالکل۔" وہ آہ بھر کے کہتا آخیر میں پھر پر جوش ہو گیا تھا، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، معاذ کو اس کی نگاہوں سے الجھن ہوئی تھی۔

"تم ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"تم سیریس ہو معاذ؟" جہان کی نگاہیں کھوجتی ہوئی تھیں۔

"تمہیں کوئی شک ہے کیا؟ میں نے کب اتنے فلرٹ کیے ہیں یار۔" معاذ کو جانے کیا برا لگا تھا۔

جہان نے دانستہ چپ سادھ لی، اگر پرنیاں بالخصوص اسے منع نہ کر چکی ہوتی تو اس پل وہ معاذ پہ اس اہم پوائنٹ کو اوپن کر کے اسے غلط فہمی سے نکال سکتا تھا مگر اب وہ پابند تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے ہو جے؟"

"تھنگ تمہیں چاچو بلا رہے تھے، ناشتہ کر لو تو ان کی بات سن لینا، اس موضوع کو بھی ابھی سے ڈسکس کرنا۔" جہان نے اپنی رائے محفوظ کر لی تھی، معاذ نے کاندھے جھٹکے اور واش روم میں گھس گیا، ناشتے کے بعد وہ پپا کے پاس چلا آیا تھا۔

"آپ نے بلایا تھا مجھے پپا!" وہ اس وقت اسٹڈی میں تھے اور کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف، گھر کے شور شرابے سے دور وہ اپنے گوشہ عافیت میں تھے۔

"جی! بیٹھیں۔" پپا نے کتاب بند کر کے رکھ دی تھی، معاذ کو ان کے موڈ کی گمبھیرتا کا احساس ہوا۔

"آپ کو پتہ ہے آپ کے نکاح کو ڈھائی سال ہو چکے ہیں۔"

"پتہ نہیں یہ واقعہ میرے لئے اتنا خوشگوار نہیں تھا کہ یادداشت میں محفوظ رکھتا۔" معاذ کا موڈ جس قدر بگڑا تھا اسی لحاظ سے الفاظ منتخب کیے تھے اس نے۔

"میں چاہتا ہوں زینب کی بارات کے دن بچی کی رخصت کرانے کی رسم بھی ادا کر دی جائے اگر آپ چاہیں تو۔" پپا کی سوالیہ نگاہیں اس پہ آن ٹھہری تھیں، معاذ کے چہرے پہ کرختگی چھا گئی۔

"میں اس معاملے میں کوئی رائے دینے سے قاصر ہوں میری طرف سے اسے آج ہی رخصت کرا لائیں، چاہے مزید دو سال بعد، میں آج بھی اپنی بات پہ قائم ہوں مجھے اپنی پسند کی شادی کرنی ہے؟" وہ بولا تو اس کا لہجہ مخصوص قسم کی بے مروتی اور نخوت لئے ہوئے تھا، پپا نے اس تقاضے پہ چونک کر اسے دیکھا تھا، وہ چہرا جس پہ قطعی کسی قسم کی گنجائش نہیں تھی، جہان جو وہاں اسی وقت آیا تھا ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا،

وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، یعنی وہ واقعی پرنیاں کو جاننے پہچاننے سے قاصر رہا تھا، البتہ پپا کا موڈ اس کی ضد ہٹ دھرمی اور تقاضے نے بری طرح سے بگاڑ ڈالا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ اپنی پسند کی شادی کرتے پھریں، وہ بچی اتنی بے مایا نہیں ہے کہ آپ کی بے رغبتی کے باوجود یہاں چلی آئے۔" ان کا لہجہ بھڑکا ہوا تھا، جہان سا کن رہ گیا، معاملہ کچھ اور گمبھیر ہو گیا تھا۔

(جاری ہے)

صدف اعجاز

مکمل ناول

انٹرویو شروع ہوئے تقریباً بیس منٹ گزر چکے تھے، وہ کانفرنس ہال کی جانب آیا جہاں پر انٹرویوز منعقد کیے گئے تھے، دروازے کے قریب بیٹھے پیون نے اسے انٹرویو شروع ہونے کی اطلاع دیتے ہوئے کانفرنس ہال کا دروازہ اس کے لئے وا کر دیا۔

انٹرویو شروع ہو چکے ہیں، وہ اس سے باخبر تھا ان فیکٹ رضوی صاحب سے فون پر اس کی آمد کا وقت پوچھا تو اس نے انہیں انٹرویو شروع کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔

انٹرویو جیسی فارمیلٹی میں وہ بالکل مداخلت نہ کرتا تھا مگر پاپا کی غیر حاضری پر ان کے ماتحتوں کے خیال میں اس کی موجودگی ضروری تھی سو ناچار وہ چلا آیا۔

مختلف فیلڈز کے لئے مختلف ویکنسی، پندرہ دن پہلے اخبار میں اناؤنس کی گئی تھی اور انٹرویو کا دن آج کا تاریخ پر تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا، انٹرویو لیتا پینل ایک سیکنڈ کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوا، اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں جاری رکھنے کے لئے کہا اور خود خاموشی سے جا کر رضوی صاحب کے ساتھ رکھی گئی کرسی پر بیٹھ گیا جو غالباً اسی کے لئے چھوڑی گئی تھی۔

''محترمہ اس سے پہلے آپ نے اس فیلڈ میں کوئی جاب نہیں کی؟''

''نہیں۔'' اپنے سامنے رکھی گئی فائل پر نظر دوڑاتے اس نے بلال صاحب کو امیدوار سے ایک اور سوال کرتے سنا۔

''بنا تجربے کے آپ اس جاب کی ذمہ داریوں کو کیسے سمجھ سکتی ہیں۔'' اس نے انٹرویوز کا

جواب جاننا چاہا، فائل سے نگاہ اٹھا کر اس نے مقابل بیٹھے امیدوار کو دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔

جبکہ دوسری جانب بلال صاحب کا جواب دینے کے لئے واہ ہوتے لب وہی ٹھہر گئے، دونوں کی نگاہیں ساکت تھیں، اک ہلکی سی پہچان گزشتہ دنوں کی، آنکھوں میں ابھری تھی، روشیل نے مقابل کی نگاہ میں حیرانگی کے ساتھ اک واضح الجھن بھی محسوس کی، انٹرویو لینے والے پینل نے اسے روشیل کو گھورتے پایا۔

بلال صاحب ابھی تک اس کے جواب کے منتظر تھے اسے متوجہ نہ ہوتے دیکھ کر وہ ہلکے سے ہنکارے۔

تمام لوگوں کی خود پر نگاہیں محسوس کرتی، خود کو سنبھالتی اس نے جواب دینے کے لئے لفظوں کو ترتیب دینا شروع کیا مگر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ پائی، اس پل وہ بری طرح سے روشیل کو دیکھ کر الجھ گئی تھی کہ اسے خیال ہی نہ رہا وہ اس وقت کہاں ہے۔

غالباً انٹرویو لینے والے سمجھ گئے تھے کہ اس کے پاس بلال صاحب کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا سو عقیل حقانی نے اپنا سوال کر ڈالا۔

''محترمہ! آپ یہ جاب کیوں کرنا چاہتی ہیں۔'' حقانی صاحب کا لہجہ خاصا سپاٹ تھا، انہیں روشیل کو اس کا یوں ساکت دیکھنا پھر گم صم ہونا پسند نہ آیا تھا، مانا روشیل احمد بہت ہینڈسم، اسمارٹ اور خوبصورت شخصیت کا حامل تھا مگر وہ یہاں مالکوں میں سے تھا، انٹرویو دینے آنے والے لوگ وہ بھی معمولی پوسٹوں کے لئے انہیں یہ حق ہرگز حاصل نہ تھا کہ وہ اسے یوں دیکھ کر یوں ری ایکٹ کریں۔

عقیل صاحب کے سوال کا جواب بھی وہ دے نہ پائی، انٹرویو پینل کی حیرانگی میں مزید اضافہ ہوا جبکہ روشیل کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اسے گھورتے ہوئے خاموشی سے اس کی کیفیت کا باخوبی اندازہ کر رہا تھا، اسے یہ ساری سچویشن مزہ دے رہی تھی، میرب وقار کی تو حواس باختگی لبوں پر پڑا قفل اور سٹپٹاہٹ۔

وہ اپنی ہمتوں کو مجتمع کرتی آہستگی سے بولی۔

''مجھے یہ جاب نہیں کرنی، آپ کا وقت ضائع کرنے پر معذرت، میں جاؤں۔'' اس نے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر شناسائی کی ایک ہلکی سی چمک ابھرتی آنکھوں کو دیکھا جو فرصت سے ایک بار پھر اس کو انہماک سے دیکھتے ہوئے محظوظ ہونے لگا، وہ سب ایک بار پھر حیران ہوئے تھے، انہیں لڑکی کی دماغی حالت پر بھی شک ہوا تھا، رضوی صاحب نے شکریہ کے ساتھ اسے جانے کا عندیہ دیا، وہ گود میں رکھے بیگ کو کندھے پر لٹکاتی باہر نکل گئی، روشیل کی مسکراتی نگاہوں نے اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھا تھا، اسے خود پر حیرت ہو رہی تھی، کتنی آسانی سے وہ اسے پہچان گیا تھا خیر پہچان تو وہ بھی گئی تھی، انٹرویو کا سلسلہ ایک بار پھر سے شروع ہو چکا تھا، سر جھٹکتا وہ سامنے بیٹھے نئے امیدوار کی جانب متوجہ ہوا مگر نجانے کیوں اس کا دل اب وہاں سے بھاگنے کو چاہنے لگا وہ ان سب سے ایکسوز کرتا اپنے کمرے میں چلا آیا۔

اک بے نام، عجیب سی کیفیت میں گھرا وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا سلائیڈ رہٹا کر اس نے نگاہ نیچے دوڑائی تو گیٹ کے قریب گارڈ سے بات کرتی وہ دکھائی دی، وہ گارڈ سے کچھ پوچھ رہی تھی۔

وہ اسی کے بارے میں دریافت کر رہی ہو گی۔

یہ میرا دل و دماغ کیا سوچنے لگے ہیں، اس نے خود کو سرزنش کرتے ایک طویل سانس بھرا پھر سلائیڈر بند کرتا سیٹ پر آ بیٹھا۔

☆☆☆

غائب دماغی سے قدم اٹھاتی وہ سڑک کے کنارے چل رہی تھی، آنکھوں کے پار مسکراتی مذاق اڑاتی نگاہیں اور کانوں کے قریب گارڈ کی آواز۔

''وہ فیکٹری مالک ہیں۔'' گونج رہی تھی۔

''تم ملتے بھی کیسے؟ ہم تو تمہیں کچی سڑکوں اور گلیوں میں ڈھونڈتے رہے تمہارے یہاں ان عمارتوں میں ہونے کا تو گمان بھی نہ گزرا تھا۔'' اسے رہ رہ کر وہ وقت یاد آنے لگا جب بابا نے اسے تلاش کرنے کی مہم کا آغاز کیا، جگہ جگہ ڈھونڈا مگر ناکام رہے۔

کتنا بوجھ تھا ان کے سینے پر، جانے سے پہلے اسے خاص تاکید کی تھی کہ اسے ڈھونڈ کر اس کی امانت لوٹا دوں۔

اور بابا کی وفات کے بعد، اس نے بھی اپنے تحت بڑی کوشش کی مگر ناکامی کے سوا اس کے ہاتھ بھی کچھ نہ آیا تھا۔

جب ڈھونڈنا چاہا تو ملا نہ اور اب جب تلاش بند کی تو سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کیا کوئی پانچ سالوں میں اتنی ترقی کر سکتا ہے۔''

''نہیں، تم ہمیشہ سے مجھے مشکوک لگتے تھے، تمہارے بارے میں میری رائے سو فیصد درست تھی۔''

''ہمیں تو اسی وقت اندازہ ہو جانا چاہیے تھا جب تم نے بابا کے علاج کے لئے اتنی بڑی رقم دی تھی، کتنے بے وقوف تھے جو ہم تمہارے بارے میں جان نہ سکیں۔'' اس لمحے وہ حد سے زیادہ حساس ہو رہی تھی مگر دل کو اک سکون تھا اضطراب کے ساتھ بھی، وہ بابا کا قرض اب ادا کر سکتی ہے۔

☆☆☆

''مس میرب وقار۔'' اس نے با آواز سی وی پر موجود اس کے نام کو پڑھا۔

''ہم یوں دوبارہ ملیں گے یہ تو کبھی سوچا نہ تھا اور تم مجھے یاد رہ جاؤ گی، ایسا تو خیال میں بھی نہ گزرا تھا، تم بالکل ویسی ہو جیسی پانچ سال پہلے تھی، کیا تم تب بھی اتنی خوبصورت تھی، جتنی آج مجھے لگی ہو، کیا تم واقعی ہی خوبصورت ہو۔'' اس کے اندر سے صدا اٹھی۔

''تمہیں دیکھ کر، سرسری ملاقات کر کے میں اور میرا دل اتنے خوش کیوں ہیں، پانچ برسوں میں تو کبھی تمہیں نہ سوچا نہ ملنا چاہا مگر یوں یک دم سامنے آنے پر میں کیوں تمہیں دیکھنے کا خواہش مند ہوں، تم کیوں اتنا یاد آ رہی ہو۔'' اسے یاد آیا کے درمیان تو ڈھنگ سے کبھی بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی، وہ جب بھی ملے یا آمنے سامنے آئے لڑائی اور طنز کے سوا کچھ نہیں ہوا تھا، ماضی کی کئی یادیں ذہن کے پردے پر ابھرنے لگیں۔

☆☆☆

''پا...... پا...... پا۔'' وین کا ہارن مسلسل بجے جا رہا تھا، تمام اہل محلہ اس آواز پر جاگ گیا تھا مگر جس افتاد کے لئے یہ بج رہا تھا وہ محترمہ دور دور تک آتی دکھائی نہ دے رہی تھی۔

مسلسل بجتے اس ہارن نے اسے آگ بگولہ کر دیا، کوفت سے اس نے سر اٹھا کر کھڑکی کے پار ایک نظر دوڑائی اور پھر بیزاریت سے تکیہ کانوں پر رکھ لیا، ہارن کی شدت میں بتدریج اضافہ ہوتا چلے جا رہا تھا۔

''اب نہیں چھوڑوں گا اس گھٹیا انسان کو۔'' اس نے کانوں پر دھرے تکیے کو زور سے دور پھینکا

اور اٹھ بیٹھا۔

''ال مینرڈ، اسٹوپڈ۔'' سلیپر پاؤں میں ڈالتا وہ ہارن بجانے والے کو مسلسل کوستا باہر نکل آیا، اس کے قدم تیزی سے بیرونی گیٹ کی جانب بڑھے ہی تھے کہ ''ٹھا ٹھک'' زور زور سے سیڑھیاں اترتی محترمہ دکھائی دی، ان کا اندازہ بالکل راوی چین ہی چین جیسا دکھائی دیا، ذرا سی بھی تو عجلت نہ تھی، وہ سیڑھیاں اتر کر اس کے چہرے پر بکھرے غضب ناک تاثرات دیکھے بنا گیٹ کی جانب بڑھی اور خدا خدا کر کے ہارن بجنا بند ہو گیا، یکدم خاموشی چھا گئی، اب چاروں اور شانتی ہی شانتی تھی، تھکے قدموں سے وہ واپس کمرے میں چلا آیا۔

''ساڑھے سات۔'' سائیڈ شیلف سے رسٹ واچ اٹھا کر ٹائم دیکھا تو چیخ اٹھا۔

ابھی صرف ساڑھے سات بجے تھے، یکدم وہ انتہائی کوفت کا شکار ہوا آنکھ تو کھل گئی تھی اور اب نیند اسے کہاں آنے والی تھی سو بالآخر اتنا طویل دن گزارنے کے لئے اس کے پاس کرنے کو بھی تو کچھ نہ تھا، عام حالات میں تو آدھا دن سو کر گزار لیتا مگر یہ مصیبت ہارن اسے اپنا دشمن محسوس ہوا تھا۔

اک طویل بے زاری سے بھرا سانس لیتا، دن گزارنے کی ترکیب سوچتا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

''ٹھک...... ٹھک...... ٹھک۔'' ابھی بامشکل وہ سویا ہی تھا کہ کھڑکی کے باہر آتی آوازیں اس کو اٹھانے میں کامیاب ہو گئیں۔

''تمہیں ٹیسٹ اچھی طرح سے یاد کرنا چاہیے تھا، سارا دن آوارہ گردی کرتے ہو، دو گھڑی بیٹھ کر ڈھنگ سے پڑھ بھی لیا کرو۔'' نان اسٹاپ سیڑھیاں چڑھتی وہ اونچی اونچی بولے چلے جا رہی تھی۔

''اُف یہ لڑکی، کتنا اونچا بولتی ہے۔'' اس نے قدرے کوفت سے سوچا۔

''اس نے تو صبح بجتے ہارن کو بھی مات دے دی ہے۔'' مبالغہ آرائی کی حد کو چھوتا گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے دائیں جانب کروٹ لی تھی، آواز اب قدرے دور اور دھیمی ہو گئی تھی۔

''یقیناً محترمہ اوپر پہنچ چکی تھیں۔'' اس نے اپنے اعصاب پر قدرے سکون محسوس کیا پھر ابھی پلکیں موندی ہی تھیں کہ ٹھک سے اک اور آواز آئی یہ آواز چھت پر کسی برتن کے گرنے کی تھی، شاید فرائی پین گرا تھا، نہیں کوئی دیگچی یا پھر محترمہ خود گری تھیں۔

''اب کیا ہوا؟'' اک بے بسی سے اس نے اپنی بند مٹھی بستر پر ماری۔

''یہ گھر کم ڈربہ خانہ زیادہ ہے۔'' سانس بھی کوئی لے تو آواز دور دور تک سنائی دیتی ہے۔

''جانے کب تک اور کتنی دیر مجھے اس گھر میں رہنا ہے۔''

''مما میں آپ کے شوہر کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' اس نے مما کے تصور سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنے پاپا کی شکایت کی۔

☆☆☆

وہ اپنے لئے چائے بنا رہا تھا جب ڈور بیل کم ٹرک نما ہارن بج اٹھا۔

''اُف۔'' اس مسلسل ڈسٹربنس نے اس کا موڈ آف کر رکھا تھا، کپ ہاتھ میں لئے وہ دروازے تک آیا، سامنے ہی مالک مکان کھڑے تھے۔

''ہیلو انکل!'' اس نے بحالت مجبوری اخلاق نبھایا۔

''وسلام۔'' جواباً بڑا خوش گوار جواب موصول ہوا۔

''آئی ایم سوری تمہیں خوامخواہ ڈسٹرب کیا، کب سے اوپر کی بیل بجا رہا ہوں شاید بچے گھر پر نہیں ہیں، میں یہاں اندر کی سیڑھیوں سے اوپر چلا جاتا ہوں۔'' وہ اس کی کیفیت سے انجان اپنی معصومیت بھری دھن میں بولے چلے جا رہے تھے۔

انہیں راستہ دیتا وہ سائیڈ پہ ہو گیا، انکل سیڑھیاں چڑھ گئے اور وہ باہر سوکھی سڑی گھاس پر مشتمل لان میں چلا آیا، یہ لان تقریباً آٹھ نو گز کا ہوگا، یہاں پر موجود صدیوں پرانی لوہے کی اکلوتی کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ کچھ اور تو نہیں مگر اس کرسی کے زمانہ قیام کا اندازہ لگانے لگا۔

☆☆☆

ابھی اسے یہاں آئے چار روز ہی ہوئے تھے اور وہ بے زار بدمزاج ہو چکا تھا وہ خود سمیت سب سے اتنا خفا ہو گیا تھا کہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی بھی کرنے کا خیال دل میں نہ لا سکا۔

''اوئے انکل...... انکل۔'' وہ لان میں پڑی آثار قدیمہ کے زمانے کی کرسی پر بیٹھا اپنی سوچوں میں گم تھا۔

جب اپنے گرد اک بازگشت سی سنائی دی، اس نے دائیں بائیں سر گھما کر دیکھا مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔

''شی...... شیٹ...... ادھر...... اوپر دیکھو انکل۔'' اس نے پلٹ کر گردن اوپر کر کے ٹیرس پر دیکھا، تیرہ چودہ سال کا لڑکا چہرے پر مسکراہٹ سجائے ریلنگ سے نیچے جھانک رہا تھا۔

''تم نے انکل کس کو کہا ہے؟'' اس نے دانت پیستے غصے سے اس کو دیکھا اب وہ اس بچے کو انکل ہرگز نہ تھا صرف چند برس ہی تو بڑا تھا۔

''آپ کو۔'' وہ انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتا بڑے اطمینان سے بولا تھا۔

''میں تمہیں انکل دکھائی دیتا ہوں۔'' وہ اس کا جواب سن کر تپ گیا تھا۔

''دکھائی کیا دینا، میرا مطلب، آپ انکل ہو۔''

''آ...... ا...... اچھا اور تم دودھ پیتے بچے۔'' اس نے دانت پیستے جواب دیا۔

''نہیں میں شاہ رخ ہوں، آپ مجھے شاہ رخ خان بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''سوری، مجھے تمہیں بلانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' نخوت سے سر جھٹک کر اس نے گردن واپس موڑ لی اور چائے پینے لگا۔

''اوہ انکل، خفا نہ ہو، ان باتوں میں مجھے یاد ہی نہیں رہا، بابا کہہ رہے ہیں آپ رات کو کھانا ہمارے ہاں اوپر نوش فرمائیں۔'' بچے نے لفظ انکل پر خاصا زور دیا تھا۔

''یہ کھانا فری آف کوسٹ یعنی بالکل مفت ملے گا۔''

''نو تھینکس۔'' اس نے قدرے رکھائی سے انکار کر دیا، جواباً وہ جھٹ پٹ وہاں سے غائب ہو گیا۔

''ایڈیٹ، اسٹوپڈ۔'' اپنے مصروف کلمات کا استعمال کرتا وہ ڈربہ نما کمرے میں چلا آیا۔

☆☆☆

سیل فون مسلسل بجے جا رہا تھا، وہ شاور لے کر باہر آیا تو اسکرین پر حازم کا نمبر چمکتا دکھائی دیا، بڑی بددلی سے اس نے اس سیلف فش انسان کی کال ریسو کی تھی۔

''تم زندہ ہو؟''

''اب تک تو، مگر جس دوزخ میں تم چھوڑ کر گئے ہو تمہارے خیال سے مجھے زندہ نہیں ہونا

چاہیے؟" اس کی بات اور اسے یہاں جھونکنے کے بعد اس کی غیر حاضری اسے آگ لگا گئی تھی، جلا بھنا تو وہ پہلے ہی سے تھا، یہ سب اس کے شایان شایان کہاں تھا وہ روشیل احمد ایک مشہور بزنس مین کا اکلوتا بیٹا، کون سی دنیا کی نعمت تھی جو اسے نہ ملی تھی، کون سی آسائش اسے حاصل نہ تھی اور آج وہ اپنے گھر سے دور اس دقیانوسی علاقے میں اپنی زندگی کے مشکل دن اپنی ضد کی وجہ سے گزار رہا تھا۔

"ارے بھیا! یہ تمہارا فیصلہ تھا۔" دوسری جانب زرہ بھر پرواہ نہ تھی۔

"مگر تم مجھے اپنا مشورہ تو دے سکتے تھے۔" روشیل کو تپ چڑھی۔

"کیا مشورہ دیتا، پیسے تمہارے پاس نہیں تھے، رہنے کے لئے جگہ اور ایریا تمہیں ایسا چاہئے تھے اور جہاں پاپا، مما تمہارے تمہیں تلاش نہ کر سکیں۔" عازم کو اس کے تپے انداز پر ہنسی آ گئی پھر اس کے روٹھے انداز پر سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ گھر نہیں مجھے......" اس نے دانت کچکچائے۔

"بس......بس......شکر کر بر وقت گھر مہیا ہو گیا ورنہ......" عازم تیزی سے بولا اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

"خیر چھوڑو، اب مشورہ دیتا ہوں، ایکسوز کر لو۔"

"آپ کے مشورے کا شکریہ۔" اسے عازم کا مشورہ ایک آنکھ نہ بھایا۔

"میرے بھائی! زندگی بڑی مشکل ہے اور تم ان کے عادی نہیں ہو۔" اس نے بڑی دوٹوک بات کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ گھر چھوڑ کر آیا تھا، مما سے نہیں پاپا سے لڑ کر گھر چھوڑنے کے بعد وہ کسی دوست، ہاسٹل اور پھر رشتے دار کے گھر نہیں رہنا چاہتا تھا، اسے ایسی جگہ چاہئے تھی جہاں پاپا اسے کم از کم با آسانی ڈھونڈ نہ سکیں، سو عازم کے ساتھ مسئلہ شیئر کرنے کے بعد وہ شہر کے کافی پرانے مگر نسبتاً خاموش علاقے میں یہ گھر تلاش کر سکا تھا۔

عازم صحیح تو کہہ رہا تھا وہ اس ماحول کا عادی کب تھا، کون سا کام اس نے آج تک خود کیا تھا اور اب یہاں رہتے ہوئے اسے اچھی طرح سے اندازہ ہو رہا تھا، ابھی تک تو وہ کھانا آڈر کر کے منگوا لیتا تھا، چائے کے لئے کیٹل، ٹی بیگز، خشک دودھ، چینی اور دوسری استعمال کی اشیاء عازم دے گیا تھا، لیکن اب کپڑوں کی دھلائی کا مسئلہ کھڑا ہونے والا تھا، مگر وہ ان تمام مسائل سے بھاگ کر گھر واپس نہیں جائے گا، وہ گھر سے ایک ماہ کا پلان بنا کر نکلا تھا، اس کے خیال میں پاپا ایک ماہ بعد ہار مان لیں گے اور وہ واپس اپنے محل میں "ایک ماہ" آج سے بڑا طویل عرصہ محسوس ہو رہا تھا، اس کی برداشت جواب دے رہی تھی مگر "ابھی نہیں" اس نے خود کو باوار کروایا اور یہاں رہنے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

☆☆☆

ابھی کتاب کھولی ہی تھی کہ دروازے کا ٹرک نما ہارن بجنا شروع ہو گیا، اس نے بڑے غصے سے کتاب دور پٹخ دی اور دروازہ کھولنے میں ڈور تک آیا۔

"انکل آپ؟" وقار صاحب کو دروازے پر موجود دیکھ کر وہ خود کو نارمل کرتا بڑے مہذب طریقے سے گویا ہوا۔

"تم کھانے پر نہیں آئے تو سوچا تمہیں خود بلا لوں، شاید بھول گئے۔" انہوں نے اپنی موجودگی کی وجہ بیان کی تو اسے شام میں دی جانے والی انویٹیشن یاد آئی۔

"انکچولی میں رات کو کھانا نہیں کھاتا۔" ناچار اسے پل جھوٹ کا ساتھ لینا پڑا۔

"تھوڑا سا کھا لو، رات دیر تک خالی پیٹ پڑھتے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے اصرار سے بلاتے بولے۔

"آ جاؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔" ان کے اتنے محبت بھرے انداز پر وہ مزید بحث نہ کر سکا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا ان کے ساتھ ہو لیا۔

"بابا بھی حد کرتے ہیں ہر ایرے غیرے پر اعتبار کر کے اسے گھر میں گھسا لیتے ہیں، کیا جانے کون کیسا ہو انہیں پرواہ ہی نہیں۔" اندر سے آتی آواز پر وہ بے ساختہ رک گیا، وقار صاحب نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر قدرے ندامتی انداز میں وضاحت کرنے لگے۔

"آ جاؤ بیٹا! تم برا مت ماننا، حالات کچھ ایسے ہیں کہ اب کسی پر اعتبار کرنا مشکل لگتا ہے، مگر میں دھوکا کھانے کے لئے ہی غالباً اعتبار کر لیتا ہوں۔" انہوں نے لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا کروں برخوردار اپنی عادت ہی ایسی ہے۔" وقار صاحب بولتے کچن میں چلے گئے، بنا ہوں ہاں کیے اک طائرانہ نگاہ چاروں طرف ڈالتا وہ بیٹھ گیا، اس کمرے کی حالت زار نیچے والے پورشن سے بھی ناقص اور بوسیدہ تھی، پھر مزید وہ اس کمرے کا معائنہ کرتا کہ اندر کچن سے آتی آواز اسے ہلا گئی۔

"بابا! اب آپ وہاں سے ہلنا مت گھر سارا کھلا پڑا ہے اور ہم روز روز مفت کا کھانا نہیں کھلائیں گے، کھانا کھانا ہے تو اس کے چارجز کرائے سے الگ دینے ہوں گے۔" وہ اک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اتنی انسلٹ۔" اس کی انا پر کاری ضرب پڑی تھی۔

"آواز ہلکی رکھو، مہمان ہے، سن لے گا۔"

"مہمان یا وبائے جان۔" وہاں خیال احساس کہاں تھا۔

"میرب!" انہوں نے اسے قدرے ٹوکنے والے انداز میں پکارا۔

"تمہاری امتحان کی تیاری کیسی جا رہی ہے؟" وہ ٹرے میں کھانا سجائے باہر آئے اور بڑے خوشگوار فرینک انداز میں گویا ہوئے۔

"بس ٹھیک ہی ہے۔" بڑی بد دلی سے وہ بولا تھا۔

"سی ایس ایس کے بعد کس ادارے میں جانے کا خیال ہے۔" انہوں نے پلیٹ اسے تھمائی تو وہ آہستگی سے پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔

"یہ تو رزلٹ پر منحصر کرتا ہے۔"

"میرب کی ماں کی وفات کے بعد سے کھانا میں بناتا تھا، بچے دونوں تب چھوٹے تھے، ابھی کچھ عرصے پہلے ہی میرب نے کھانا پکانا شروع کیا ہے، شاید کھانا تمہیں ذائقہ دار نہ لگے۔" بڑا وضاحتی فقرہ تھا شاید اس کے انداز میں محسوس کی جانے والی بے دلی پر انہوں نے وضاحت ضروری جانی تھی۔

"او نو انکل! اٹس گڈ۔" بڑی مشکل سے اس نے خود کو کنٹرول کیا تھا، پھر کھانے کے دوران انکل وقار ہی بولتے رہے جواباً وہ صرف سر ہلانے پر اکتفا کرتا رہا اسے خود پر حیرت تھی اس میں اتنا ضبط کہاں سے آ گیا نہ وہ اپنی مرضی کی بھرپور زندگی بسر کرتا آج...... "خیر کبھی کبھی ٹائم اور حالات سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔" کھانا کھاتے ہوئے اس نے خود کو تسلی دی۔

قہوہ پیو گے؟" برتن سمیٹتے ہوئے وہ اس سے پوچھنے لگے۔

"ن...... نہیں انکل!" مزید کچھ سننے کی تاب اس میں نہ تھی سو انکار میں عافیت جانی ویسے بھی وہ کافی پینے والا قہوہ کہاں پیتا مگر انکل کو کیا بتاتا۔

"مجھے اجازت دیجیے اور کھانے کا شکریہ۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں بیٹا، یہ تکلف نہیں۔" اس کے شکریہ کہنے پر وہ اسے ٹوک گئے اور وہ قدرے مسکوری سی شکل بنا کر نیچے چلا آیا۔

☆☆☆

دھڑ...... دھڑ...... دروازہ مسلسل بجتا جا رہا تھا، آنے والا اپنی پوری طاقت سے اسے کھولنے کے در پر تھا۔

"کتنے جاہل ہیں یہاں کے لوگ۔" جوتے پہنتا وہ دروازے تک آیا۔

"اب کیا آفت ٹوٹ پڑی۔" دروازہ کھولا تو سامنے موٹی موٹی آنکھیں لئے بھاری بھرکم جسم کی عورت پورے بتیس دانتوں کی نمائش کیے کھڑی تھی۔

"فرمائیں کیا تکلیف ہے؟" بڑی بدتمیزی سے وہ بولا تھا۔

"ہائے صاحب...... آ...... آپ یہاں رہتے ہو۔" آنے والے نے اس کا لہجہ نظر انداز کر دیا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ اکیلے رہتے ہو جی۔" اس نے آنکھیں ٹپکائیں۔

"واٹ نان سینس۔" وہ قدرے رکھائی سے چلایا تھا۔

"میرا نام رانو ہے، میں یہاں کی صفائی کرتی ہوں، ایک ہفتے کی چھٹی پر تھی، میرب بی بی نے نئے کرایہ داروں کی آمد کا بتایا تو ملنے کا بڑا اشتیاق ہوا اور مل کر تو بڑا اچھا لگا، آپ اتنے سوہنے ہو اور اچھی اچھی شکلیں دیکھ کر طبیعت پر اچھا افاقہ ہوتا ہے۔"

"کام کی بات کرو۔" اسے اس کے تعارف میں قطعاً دلچسپی نہ تھی۔

"آپ نے صفائی نہیں کروانی مجھ سے۔" بالآخر وہ مطلب کی بات پر آگئی تھی۔

"نہیں۔" اسے اس کی بلاوجہ کی مسکراہٹ سے الجھن ہو رہی تھی۔

"نہیں۔" جواباً وہ اسی کے انداز میں بولی پھر اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھتی کہنے لگی۔

"اچھا! ناراض نہ ہو نہیں کروانی تو نہ سہی پر پیسے تو دیں۔"

"پیسے، جب صفائی نہیں کروانی تو کس چیز کے پیسے۔" اسے سامنے والا ہرگز نارمل نہ لگا سو بڑے روڈ لہجے میں دریافت کیا گیا۔

"آپ کا صحن دھویا ہے۔" وہ دوپٹہ کا کونہ انگلیوں میں گھماتی مسکراتی بولی۔

"میرا صحن۔" اب کی بار وہ حیران ہوا۔

"جی یہ اپنا باہر والا ویڑہ، میں نے ہی تو لشکا لشکا کر صاف کیا ہے بالکل چمک گیا ہے آپ کی طرح۔"

"میں یہاں کرائے دار ہوں یہ صحن میرا نہیں۔" اس کی چکنی چپڑی باتیں بمعہ اس کے انداز اسے سخت زہر لگ رہی تھیں۔

"میرب باجی کہہ رہی تھی جو نیچے رہے گا صحن بھی اسی کا ہے۔" وہ اسے میرب نامہ سے آگاہ کر رہی تھی اور اس کا میٹر گھوم گیا سو بڑی رکھائی سے کہنے لگا۔

"تو پھر مجھ سے پوچھ کر اس کی صفائی کی تھی پیسے بھی اب ان سے ہی لو۔" یہ اوپر والوں کی بیٹی تو صرف پیسوں کی ہی بات کرتی تھی۔

"لالچی۔"

"لو جی وہ بڑی شے ہیں، ایک روپے بھی نہیں دیں گی۔" اسے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا دیکھ کر وہ بڑے رازدانہ انداز میں میرب کی عادات کا پرچار کر رہی تھی۔

"اچھا...... اچھا بس دے رہا ہوں۔" وہ اس مزید بحث سے اکتا گیا تھا سو عافیت پیسے دے کر جان چھڑانے میں جانی اور پیسے لینے اندر چلا گیا۔

"یہ لو۔" تقریباً دو منٹ بعد وہ واپس آیا اور اسے پیسے پکڑائے۔

"یہ کیا صاحب دو سو روپے تو دو۔" رانو بی نے بڑا منہ بنایا۔

"لیتے ہیں تو لو اور اب جاؤ یہاں سے اور سنو، آئندہ یہ پورچ میرا مطلب صحن دھونے یا صاف کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔" اس نے سو پکڑایا، حکم جاری کیا اور جان چھاڑنے کی سعی کی۔

"تو یوں گندہ ہی رہنے دوں۔" بڑی معصومیت سے گویا ہوئی تھی۔

"ہاں۔" وہ قدرے زور سے چلایا تھا۔

"مگر جی......" اس سے پہلے کے وہ مزید گویا افشانی کرتی وہ دروازہ بند کر گیا۔

☆☆☆

واش روم کے نل میں پانی نہیں آ رہا تھا اس کا موڈ بری طرح آف ہو گیا مین ڈور کھول کر وہ باہر آیا تو گیٹ کے قریب مسٹر شاہ رخ خان کو برف کا گولا کھاتے دیکھا۔

"سنو یہ واش روم میں پانی کیوں نہیں آ رہا؟" بامشکل خود کو کنٹرول رکھتا وہ اپنی آواز کو نارمل رکھتا پوچھ رہا تھا۔

بچے نے گولا زبان سے رگڑتے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

"یوں گھور کیوں رہے ہو؟ میں تم سے بات کر رہا ہوں۔" اسے گھورتا پا کر وہ سوالیہ نشان بنا۔

"انکل! آپ پاکستان کے کس شہر سے آئے ہیں؟" اس کے چہرے پر پھیلے غضب ناک تاثرات اگنور کرتا وہ گولا چوستا اپنی دھن میں پوچھ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس کے پوچھے گئے سوال پر وہ حیران تھا۔

"کہیں اسے میرے بارے میں معلوم تو نہیں ہو گیا۔" اس نے خود کلامی کی۔

"مطلب یہ کہ پاکستان کے اہم مسائل میں پانی کا فقدان اور لوگوں کی پانی تک ناممکن رسائی اہم ترین مسئلہ ہے۔"

اس کی باتیں وہ خاک سمجھتا جس نے اپنی چوبیس سال کی زندگی میں ایسے مسائل صرف سنے ہی ہو، ان سے ہم کنار ہونا تو دور کی بات۔

"اب میں اس مسئلے کا حل کیا نکالوں۔"

"اتنا سمپل ہے یہاں سے دو سو گز کے فاصلے پر نہر ہے وہاں جا کر نہا آئیں زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا۔" گولا چوستے عظیم مشورے سے نواز گیا۔

"واٹ؟" اس کی آواز کافی بلند تھی۔

"اگر مشورہ پسند نہیں آیا تو پانی آنے کا انتظار کیجیے۔" وہ بدستور گولا چوستا باہر نکل کر بھاگ گیا، دانت پیستا وہ اندر چلا آیا۔

☆☆☆

"یہ انتہائی درجے کی بدتمیزی ہے، وہ یہاں

"کرایہ دے کر رہ رہا ہے اور ایسا سلوک۔" غصے میں بڑبڑاتا وہ کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک مارچ کرتا تلملا رہا تھا، جتنے شریف وقار صاحب تھے اتنے گھٹیا یہ دونوں بہن بھائی۔

بات کچھ بھی نہ تھی، ہمیشہ کی طرح پانی بند تھا اسے وقار صاحب دکھائی دیئے، اس نے ان سے پانی کی عدم دستیابی کے بارے میں استفسار کیا، بڑی حیرت سے ان کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

"تم موٹر آن کر لیتے۔" بڑا معصوم انداز لئے وہ بولے تھے۔

"کون سی موٹر؟" اب حیرت کا جھٹکا اسے لگا تھا۔

"یہاں موٹر کے بغیر پانی نہیں آتا، میں تمہیں سوئچ دکھا دیتا ہوں جب پانی نہ آئے تو اسے آن کر لینا۔" وہ اسے اوپر کے پورشن کی جانب جاتی سیڑھیوں کے نیچے موجود سوئچ بورڈ دکھاتے بولے پھر انہوں نے بٹن آن کیا اور ایک شور چاروں اور گونج اٹھا۔

اسے یہ شور ناگوار ضرور گزرا لیکن کم از کم اس کے بدلے پانی کی فراہمی تو ممکن تھی، ان کا شکریہ ادا کرتا وہ واپس آکر واش روم میں نہانے گھس گیا، پھر ابھی وہ شاور ہی لے رہا تھا یکدم سے پانی بند ہو گیا، پانی اور موٹر کے بند ہونے پر اس نے کھڑکی کی جانب کسی ذی روح کی موجودگی محسوس کی وہ تیزی سے کھڑکی کی جانب آیا جو اوپر جاتی سیڑھیوں کے نیچے تھی، اگرچہ اسے کچھ دکھائی نہ دیا تو تمام لحاظ اک طرف کرتا وہ زور سے چلایا۔

"مسٹر شاہ رخ خان موٹر آن کرو، بند کیوں کی ہے۔"

"موٹر بجلی سے چلتی ہے اور بجلی کا بل آتا ہے اور یہ بل ہم ادا کرتے ہیں۔" شاہ رخ کی بجائے جواب مس صاحبہ کی جانب سے وصول ہوا تھا۔

"اور اس کا استعمال بھی صرف تم لوگ ہی کر سکتے ہو۔" وہ شدت ضبط سے دانت پیستا گویا ہوا۔

"آپ صحیح سمجھے ہیں۔" وہاں کمال اطمینان اور بے مروتی موجود تھی، اس کا جی چاہا ایک زور کا چھانپڑ اس کے منہ پر مارے مگر اس وقت وہ بڑا بے بس تھا، سو خود کو قابو میں رکھتا بڑے تحمل سے بولا۔

"اوکے، پر اس وقت تو اسے آن کرو۔"

"کیوں، پہلے اس کے استعمال کی ادائیگی پھر یہ چلے گی۔" وہ وہی سیڑھیوں کے قریب کھڑی تھی روشیل باتھ روم کی کھڑکی نما روشن دان سے اس کی تھوڑی بہت جھلک دیکھ سکتا تھا۔

"ہر وقت پیسے۔" وہ جھنجلا اٹھا۔

"نہا تو لوں پھر ہی دوں گا۔"

"موٹر بھی ادائیگی کے بعد آن ہو جائے گی۔"

"مس میں شاور لے رہا ہوں باہر آکر پیسے دے دوں گا۔" وہ اس کی ہٹ دھرمی پر بری طرح سے چڑ گیا تھا۔

"زیادہ فالتو بات نہیں۔" اس کا گستاخ انداز اسے مزید سلگا گیا تھا۔

"کیسے دوں پیسے؟ کیا یونہی۔" وہ قدرے رکا پھر گویا ہوا۔

"اوکے، آپ کمرے میں تشریف لے آئیں اور بیڈ سائیڈ پر پڑے والٹ میں سے نکال لیجئے پیسے۔" اسے یہی آپشن مناسب لگی سو لہجے کو متوازن رکھتا بولا۔

"میں کیوں اندر آؤں، آپ باہر تشریف

لائیں۔" اب کے وہ ٹپٹپائی پھر کندھے اچکاتی واضح الفاظ میں انکار کر گئی۔

"نہ آپ اندر آ سکتی ہیں اور نہ میں باہر آ سکتا ہوں۔" وہ بے بسی سے گھٹی گھٹی آواز میں غرایا۔

"اوکے دونوں میں سے جو دل کریں آپ بتا دیجئے، میں رضا مند ہوں۔" اب کے مزید بحث ختم کر کے اس نے ہتھیار ڈال دیئے، سر پر موجود شیمپو کو تولیے سے صاف کرنے لگا جب جھٹ سے پانی آنا شروع ہو گیا، صد شکر کرتا، اک طویل سانس بھر کر اس نے اس کو صلواتیں سنائی تھیں۔

☆☆☆

صبح سے یہ بادلوں نے اندھیرا مچا رکھا تھا، آسمان پر دھماکے تو یوں ہو رہے تھے جیسے کئی توپیں ایک ساتھ چل رہی ہوں، تیز تیز ہواؤں کا شور، آندھی نے ساری سڑک کا کچرا پورچ میں لا پھینکا تھا، شاپر، کاغذ، پتے اور رنگ برنگی دھجیاں شام ڈھلے بارش شروع ہو گئی ہر چیز ڈھل کر صاف اور نکھر گئی تھی۔

روشیل نے کھڑکی سے بارش کا زور و شور دیکھا، پھر کچن کا رخ کیا سردیوں کی اس بارش نے مزید سردی بڑھا دی تھی، نرم ٹھنڈے خوشگوار موسم کو وہ کافی پی کر انجوائے کرنا چاہتا تھا، اس نے کچن کی کھڑکی کھول دی، تیز پھوار سرسر کرتی اندر آنے لگی۔

دور سے نماز عشاء کی آواز تیز بارش میں کبھی دھیمی اور کبھی اونچی سنائی دیتی ماحول میں قدرے ارتعاش سا پیدا کر رہی تھی، کافی پھینٹ کر اس نے کیتلی میں دودھ گرم کیا اور کپ ڈال کر وہ کمرے میں چلا آیا، کافی پینے کے ساتھ ساتھ وہ کمرے میں ہی واک کرنے لگا۔

بارش قدرے تھمی تو شاہ رخ اور بابا مسجد میں عشاء کی نماز پڑھنے چلے گئے، اپنا کام ختم کر کے وہ لاؤنج میں بیٹھی بابا اور شاہ رخ کا انتظار کرنے لگی سردیوں کی گہری ہوتی رات، دور دور تک پھیلی خاموشی اسے اداس کر گئی تھی، بارش ایک بار پھر زور و شور سے شروع ہو چکی تھی، دور بڑے زور سے بجلی کڑکی اور ساتھ ہی لائیٹ چلی گئی، اندھیرے اور تنہائی سے ویسے ہی اس کی جان جاتی تھی، چمکتی بجلی گرجتے بادل اوپر سے چاروں اور اندھیرا وہ یکدم سے گھبرا گئی، سائیں سائیں کرتی سناٹے کو چیرتیں آوازیں ایک زور دار چیخ کے ساتھ وہ اٹھ کھڑی ہوئی، آنکھیں بند کیے وہ چیخنے لگی تھی۔

"مس کیا ہوا؟"

"آپ چلا کیوں رہی ہیں؟" اپنے قریب آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور اگلے پل ہی اسے اپنی آنکھیں کھولنے پر افسوس ہونے لگا، موبائل کی ٹارچ ہاتھ میں لئے روشیل سامنے کھڑا اسے حیرت سے چیختے دیکھ رہا تھا جو ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

"آپ چیخ کیوں رہی ہیں؟" روشیل کے پوچھنے پر اس نے اطراف میں دیکھا، باہر سنائی دیتا طوفان کا شور اور کمرے میں پھیلا اندھیرا بدستور موجود تھا۔

"میرا خیال ہے آپ ڈر گئی ہیں۔" روشیل کے مسکرانے پر اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا، وہ ابھی تک کانپ رہی تھی۔

"آپ اتنی ڈرپوک ہیں کہ اندھیرے اور بادل گرجنے سے ڈر گئیں۔" روشیل کا مذاق اڑاتا انداز اسے سخت برا لگا تھا، وہ بے ساختہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی تبھی بابا اور شاہ رخ اندر آتے دکھائی دیئے وہ بھاگ کر ان کے سینے سے جا لگی۔

"او، میرا بیٹا ڈر گیا ہے۔" بڑے نرم انداز میں اسے تھپکتے وہ بول رہے تھے، وہ اپنی بیٹی کے اندھیرے سے خوف زدہ ہونے سے واقف تھے۔

"یہ چلا رہی تھیں، میں ان کی آواز پر انہیں دیکھنے آیا تھا۔" اس نے انکل وقار کو ان کی غیر موجودگی میں اپنی یہاں آمد کی وضاحت دی۔

"بہت شکریہ بیٹے، ایکچوئیلی میرب اندھیرے اور بارش سے ڈرتی ہے۔" وہ ابھی بھی ہولے ہولے اسے تھپک رہے تھے۔

"اٹس اوکے، میں چلتا ہوں۔" اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے پھر دروازے سے باہر قدم رکھنے سے پہلے گردن گھما کر دیکھا اور نگاہیں وقار انکل کے کندھے کے اوپر سے جھانکتی ڈری سہمی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے ٹکرائیں، میرب نے شرمندگی سے نظریں جھکائی اور وہ مسکراہٹ دبا کر نیچے چلا آیا۔

☆☆☆

اسے یہاں آئے ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور پاپا نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، ویسے وہ کرتے بھی کیسے وہ کون سا ان کو اپنے رہنے کا ٹھکانہ بتا کر آیا تھا، اس کا سیل فون نمبر تو تھا وہ رابطہ کرنے چاہتے تو کر سکتے تھے۔

"روشیل بچے، وہ تیرے پاپا ہے تجھ جیسے ضدی۔" اس کے خود کو یاد دلایا۔

گھر سے نکلتے وقت اپنی کتابیں، کپڑوں کے ساتھ موبائل، کچھ ذاتی پیسے اور کریڈٹ کارڈ لے کر چلا تھا، اب اس کے پاس تقریباً پیسے ختم ہو چکے تھے اور رواں مہینے کا کرایہ دینے کے لئے اس نے انکل سے کچھ دنوں کی مہلت مانگی تھی۔

"کیا مما کو فون کروں۔" اس نے خود ہی سوچا اور پھر نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں، وہ ہمیشہ کی طرح رو پڑیں گی اور میرا اموشنل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں۔" اسے یکدم گھر چھوڑتے وقت کی مما کی باتیں مما یاد آ گئیں اور وہ تمام لمحے جب پاپا نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔

"تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔" انہوں نے بڑی گرج دار آواز میں ہنکارا ابھرا اور مقابل وہ اور مما صدمے سے چپ رہ گئے۔

"پاپا! میں جا بھی سکتا ہوں۔" اس نے بھی ڈرایا تھا۔

"تو جاؤ، ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔" وہ ٹس سے مس دکھائی نہ دیئے۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" مما کو پاپا کا فیصلہ قطعاً نہ بھایا تھا۔

"یہ ہماری اکلوتی اولاد نرینہ ہے۔" وہی کمزور بہانہ۔

"اکلوتی اولاد نرینہ، ہونہہ اور یہ اسی کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔" پاپا کمرے سے واک آؤٹ کر گئے تو مما اس کی طرف آئیں اس کے چہرے پر پھیلے فیصلہ کن تاثرات دیکھ کر وہ دھیرے سے بولیں۔

"پاپا کی بات کو سیریس مت لو۔"

"ہائے، آپ تو سوچوں میں گم پریوں کی کہانیوں والے شہزادے لگتے ہو۔" اس کی سوچوں میں رانو بی بی نے انٹری دی تو وہ ایک بار پھر سے جل اٹھا۔

"اب کیا تکلیف ہے؟" اسے سر پر یہ عذاب مسلط ہوتا دکھائی دیا۔

"تکلیف ہوتی تو ڈاکٹر کے پاس جاتی، ویسے آپ ڈاکٹر ہو۔" وہ یوں مسکراتی چڑاتی لہک لہک کر بولتی اسے اس پل زہر لگ رہی تھی۔

"صحن دھوؤں سو روپے ہی دے دینا۔"

"خبردار، اگر تم نے میرے صحن کو ہاتھ بھی لگایا تو میں تمہارا حشر بگاڑ دوں گا۔" وہ غرایا جبکہ رانو منہ پر ہاتھ رکھے ہنستی چلی گئی۔

"آپ تو جی غصے میں اور خوب صورت لگتے ہو۔" وہ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر یکدم جلال میں آ کر اس پر برس پڑا۔

"تم جاتی ہو یا......"

"آ...... اچھا جی پھر صحن نہ......" واپسی کے لئے قدم بڑھاتی وہ رکتی پوچھنے لگی کہ اس کی آنکھوں میں بڑھتا غصہ دیکھ کر نو دو گیارہ ہو گئی۔

"کیا اٹم ہے یہ، مما کیسے اس قوم سے ڈیل کرتیں ہوں گی، یہ تمام ایریا ہی نمونوں سے بھرا پڑا ہے، ایک سے بڑھ کر ایک نمونہ یہاں دستیاب ہے۔"

"ہونہہ۔" سر جھٹک کر اس نے دھیان بٹانے کے لئے کتاب کھول لی۔

☆☆☆

وہ اس ڈبیہ نما لان میں عازم کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا جب چھڑ...... چھڑ...... اوپر ٹیرس سے پانی کی بھری بالٹی اس پر اچھال دی گئی، پشت ٹیرس کی جانب ہو جانے کی وجہ سے وہ پانی گرانے والے کے عزائم نہ دیکھ سکا اور پورا کا پورا بھیگ گیا جبکہ عازم پانی گرنے پر تیزی سے پیچھے ہٹ گیا، اس پر صرف چھینٹے ہی پڑے، اس نے غصے سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا، مگر وہاں کوئی دکھائی نہ دیا البتہ آوازیں ضرور سنائی دیں، اس نے گردن موڑ کر عازم کو دیکھا وہ دھیمی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ کب سے شروع ہوا؟"

"او شٹ اپ۔" عازم کے چہرے پر پھیلی ذومعنی مسکراہٹ اسے مزید تپا گئی، ایک ہی منٹ میں وہ سیڑھیاں پھلانگتا ٹیرس پر پہنچ گیا وائپر لگاتی میرب کو اگنور کرتا وہ جھاڑو سے پانی نکالتی میڈم رانو کے قریب آیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے اپنے بھیگے سراپے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہو، آپ تو بھیگ گئے ہو۔" مقابل نے معصومیت کی انتہا کر دی تھی۔

"تمہیں دکھائی نہیں دیتا اندھی ہو، ایسے پانی پھینکتے ہیں۔" وہ خود کو تمیز کے دائرے میں مزید مقید نہ رکھ سکا۔

"وہ...... م...... میں...... میرب باجی نے......" وہ اس کے غصے سے خائف ہوتی ہکلاتی بولی۔

"جھوٹ مت بولو رانو، میں نے کب کیا ہے۔" میرب تیزی سے چلائی۔

"ایک بات یاد رکھو اگر دوبارہ ایسی چیپ تھرڈ کلاس حرکت کی نہ تو کرایہ دینا بند کر دوں گا۔" انگلی اٹھا کر ان ڈائریکٹ اسے وارننگ دیتا واپس پلٹ گیا۔

"اوہ تو نوبت یہاں تک آ پہنچی۔" عازم نے شرارتی نظروں سے اسے گھورا۔

"کیسی نوبت۔" عازم نے فقرے پر وہ چونکا تھا۔

"لڑکی تمہیں متوجہ کرنے کے لئے تو ایسے حربے استعمال کر رہی ہے۔"

"واٹ نان سینس، آج کل کے فلموں، ڈراموں اور رومانی ناولوں نے لڑکیوں کو بڑی شاندار ٹپس مہیا کرنا شروع کر دی ہیں، ویسے اس ٹائپ کی لڑکیاں خود کو ہلاکو خان کی جان نشین سمجھ کر پہلے پھڈے بازی کرتی ہیں پھر کسی امیر لڑکے کو پھنسا کر کے شادی۔"

"او...... ایک سیکنڈ، ایک سیکنڈ، یہ تم کیا

ہانکنے لگے اور اسے کیسے پتہ کہ میں امیر آدمی ہوں۔" وہ مزید کوئی کہانی اسکرپٹ کرتا روشیل اسے ٹوکتا ہوا اس سے قیاس کرنے لگا۔

"بھئی آپ کی چال ڈھال، رنگ روپ، آپ کے مزاج، ناز نخرے بھی انداز کہتے ہیں آپ ایک امیر بزنس مین کی اکلوتی اولاد نرینہ ہیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولتا اسے چھیڑنے لگا۔

"عازم اسٹاپ اٹ۔" اسے یہ مذاق ہرگز اچھا نہ لگا تھا۔

"میرے پاس اتنا فضول کا ٹائم نہیں کہ اپنے ہی لینڈ لارڈ کی بیٹی اور اس کی حرکتیں ڈسکس کرتا پھروں۔" دو ٹوک انداز میں بڑا وضاحتی جواب تھا، اس پل وہ اتنا روڈ ہو گیا کہ عازم نے چپ کر جانے میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

"روش! تم ہی ضد چھوڑ دو۔" تھک ہار کر مما کی ممتا نے ہی اس سے رابطہ کر ڈالا اور اب وہ اسے گھر واپسی کے لئے منا رہی تھیں۔

"نو مم۔" وہ بلا کا ضدی ثابت ہو رہا تھا۔

"تمہارے پاپا اتنی آسانی سے ہار نہیں مانے گے۔" وہ اسے اس کی ضد چھوڑنے پر مجبور کر رہی تھیں اور وہ پیچھے ہٹے گا نہیں وہ سوچ چکا تھا۔

"مم! مجھے بزنس مین نہیں بننا۔"

"میں جانتی ہوں اور تمہاری خواہش کا احترام بھی کرتی ہوں، تم ہمارے ایک ہی بیٹے ہو یہ سب کون لک آفٹر کریں گا تمہارے پاپا کی ہیلتھ بھی اب اتنی اچھی نہیں رہتی۔" مما نے ایک اموشنل وار کیا تھا۔

"یہ اکلوتا ہونا جرم بن گیا ہے۔" وہ مما کے جذباتی پن پر بڑی بے زاری سے بولا تھا۔

"ایسے نہیں کہتے۔" بے اختیار وہ تڑپ اٹھیں۔

"میں صبح ارباز کے ہاتھ پیسے بھجوا دوں گی، اپنا خیال رکھنا میری جان۔" بالآخر ان کی ممتا نے ہار مان لی تھی، اتنے دن گھر سے دور نجانے وہ کن حالات میں رہ رہا ہو گا، شہزادوں کی طرح اسے پالا تھا انہوں نے۔

"جب مما کی باتیں دل کو لگیں تو گھر واپس آ جانا۔" اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے فون بند کر دیا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو گھورا اور دل ہی دل میں پاپا کے تصور سے مخاطب ہوا۔

"سوری پاپا، اس بار مان جائیں پھر کبھی تنگ نہیں کروں گا۔"

☆☆☆

مما نے پیسے بھجوا دیئے تھے اور وہ انکل وقار کو ان کا کرایہ دینے اوپر آیا، ہلکے سے دروازے کو ناک کر کے وہ آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔

"کون؟" اندر سے ابھرتی آواز اسے بد مزہ کر گئی۔

"روشیل!" ناچار بڑے آرام سے جواب دیا۔

"پرنس آف ڈریم لینڈ۔" جواباً اس نے میرب کو کہتے سنا تھا۔

"محترمہ مجھے وقار انکل سے ملنا ہے۔" وہ اس کے منہ ہرگز نہیں لگنا چاہتا تھا۔

"انکل یہاں تو کوئی انکل نہیں رہتے، وہ غالباً نیچے رہتے ہیں۔" یہ دونوں بہن بھائی اسے اعلیٰ درجے کے بدتمیز لگنے لگے تھے۔

نجانے خود کو کیا سمجھتے تھے، بلاوجہ کے چیپ مذاق اوٹ پٹانگ حرکتیں اسے بالکل اچھی نہ لگتی تھی وہ جتنا بھی فارمل رہتا وہ اتنا ہی سر پر سوار نظر

آتے جھٹ سے دروازہ کھول دیا گیا، سامنے ہی محترمہ لڑنے مرنے کے انداز میں رخ روشن لئے کھڑی تھیں۔

"اب پھر آپ ایک نئے بہانے کے ساتھ آئے ہوں گے، آپ کے پاس پیسے نہیں، دو ماہ تک کرایہ ادا کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔"

"بات تو سن لیجئے۔" اسے نان اسٹاپ کنٹری کرتے دیکھ کر وہ آہستہ سے بولا۔

"سنائیں۔" بڑا لگاوٹ بھرا انداز تھا۔

"سنانا نہیں، کرائے کے پیسے وقار صاحب کو دینے ہیں۔" اپنی ہی بات کی درشتگی کی اور سپاٹ لہجے میں بولا۔

"پورے ہیں۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے روشیل کو دیکھا۔

"اگر پڑھی لکھی ہیں تو گن لیجئے۔" اب کی بار وہ طنز کے نشتر چلانے سے خود کو روک نہ پایا، آرام سے بات کرو تو بھی محترمہ کا دماغ ٹھکانے نہیں۔

"اگر...... اگر سے کیا مطلب ہے، میں اس ملک کی پڑھی لکھی معزز شہری ہوں۔" آنکھیں پھیلائے وہ تپ کر بڑبڑائی اور پھر جو صلواتیں شروع ہوئیں تو وہ پلٹ کر سیڑھیاں اتر گیا، آگ لگانا مقصود تھا جو لگ چکی تھی اب جلنا محترمہ کا نصیب تھا۔

☆☆☆

وہ اپنی اس گھر میں لگی بندھی ڈل روٹین سے بری طرح عاجز آ گیا تھا، سو خود کو فریش کرنے کے لئے عازم کے ساتھ وہ کلب تک کھانا کھانے چلا گیا، گیارہ بجے کے قریب ان کی واپسی ہوئی، وہ گاڑی سے نکل کر عازم کی سائیڈ پر آیا۔

"سو اتنے سارے دنوں میں کیا سیکھا۔" روشیل نے کھڑکی سے جھانکا تو عازم پوچھنے لگا۔

"اُف، ایک اذیت ناک تکلیف۔" وہ تکلیف سے بڑبڑایا۔

"جنت سے دوزخ تک کا سفر۔" ایک طویل، ٹھنڈا گہرا سانس بھرتا وہ گویا ہوا تھا۔

"کسی نے خوب کہا ہے ہوم سوئیٹ ہوم۔" آنکھیں موندے اس نے اپنے گھر کا پرسکون ماحول محسوس کیا تھا، تبھی گیٹ کھول کر میرب باہر آئی اور بنا انہیں دیکھے مین سڑک کی جانب ہو لی۔

"یہ اس وقت کہاں جا رہی ہے؟"

"مجھے کیا معلوم، تمہیں ان کا پی اے لگتا ہوں۔" اس نے لاعلمی سے کندھے اچکائے تھے پھر قدرے غصے سے عازم کو گھورا۔

"پوچھ تو سہی۔" عازم نے اسے پوچھنے کے لئے اکسایا۔

"سوری مجھے کوئی شوق نہیں اپنی عزت کروانے کا۔" اس نے ٹکا سا انکار کر دیا۔

"اوکے میں پوچھتا ہوں۔" رات کے اس پہر اسے یوں اکیلا جاتا دیکھ کر عازم کی ہمدردانہ رگ پھڑک اٹھی تھی۔

"ایکسکیوزمی مس......" عازم نے اس کے پیچھے جا کے قدرے بلند آواز میں اسے پکارا۔

"آپ اس وقت اتنی رات کو کہاں جا رہی ہیں۔" ہمت کر کے وہ بڑے شرافت آمیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"آپ سے مطلب؟" مگر لحاظ وہاں کہاں تھا وہ کاٹ کھانے والے انداز میں بولی تو روشیل بمشکل مسکراہٹ ضبط کرتا دل میں عازم سے کہنے لگا۔

"شاباش عازم تیار رہ جوتے کھانے کے لئے۔"

"نہیں میرا مطلب...... آپ کو کوئی ہیلپ......" اس نے ہمت نہ ہاری اور اسے متوجہ کرنے کی وجہ بیان کی گئی۔

"میرے بابا شام سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں، وہی جا رہی ہوں اب آپ مطمئن ہو تو جاؤں۔" تھوڑی تمیز اور شرافت کا مظاہرہ ہوا پھر یکدم اپنے پرانے انداز میں واپس آئی وہ عازم سے کہہ رہی تھی، عازم اور روشیل دونوں چونکے تھے۔

"انکل اور ہاسپٹل میں۔" میرب کی بات سن کر وہ بے ساختہ ان دونوں کے قریب چلا آیا۔

"خیریت کیا ہوا انہیں؟"

میرب نے باری باری نگاہ دونوں پر ڈالی پھر آہستگی سے صرف اتنا ہی بولی تھی۔

"ہارٹ اٹیک۔"

"مس...... آپ برا نہ مانے تو ہم آپ کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔" عازم بولا تو روشیل نے عازم کی ہمت کو سلام کیا۔

"ہم انکل کو بھی مل لے گے۔" اس کی خاموشی پر وہ مزید آگے بڑھا۔

"آپ کا جب جی چاہیے، جائیں میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور مڑ گئی۔

"پلیز سسٹر رات کافی ہو گئی ہے، ہم ویسے کافی شریف شہری ہیں، آپ ہم پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔" عازم ہمت ہارنے والوں میں سے نہ تھا جبکہ روشیل خاموش کھڑا اصرار اور انکار کا مذاکرہ دیکھ سن رہا تھا۔

"آئیں۔" اسے سوچ و بچار میں الجھے دیکھ کر وہ بڑے مہذب انداز میں کار کی جانب مڑا تو ناچار میرب نے قدم اس کے پیچھے بڑھا دیئے، روشیل نے کامیاب مذاکرات پر عازم کو دل ہی دل میں داد دی۔

وہ دونوں دھیرے دھیرے آپس میں بات چیت کر رہے تھے تبھی روشیل کی نگاہ بیک ویو مرر میں اٹھیں۔

"یہ ہم سے ڈر رہی ہیں۔" آنکھیں بند کیے وہ منہ میں کچھ پڑھ رہی تھی، عازم کے ہاسپٹل کا نام پوچھنے پر وہ چونکی پھر آنکھیں کھول کر اس نے عازم کو ایڈریس بتایا، بے ساختہ میرب کی نگاہ مرر میں خود پر مرکوز روشیل کی جانب اٹھیں تو اس نے جلدی سے نگاہ چرائی اور باہر بھاگتی اکا دکا گاڑیوں کو دیکھنے لگا۔

☆☆☆

انکل کی حالت کافی سیریس تھی، رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بج رہے تھے روشیل نے اک نگاہ ہاتھ میں بندھی گھڑی پر ڈالی اور پھر آئی سی یو کوریڈور کارنر میں موجود بینچ پر بیٹھے شاہ رخ اور میرب کو دیکھا، اسے اس وقت انہیں اکیلے چھوڑ کر جانا مناسب نہ لگا، گردن موڑ کر اس نے ساتھ کھڑے عازم سے کہا۔

"تم گھر جاؤ، رات کافی ہو گئی ہے۔"

"اور تم......؟"

"میں ان کے پاس رکتا ہوں۔"

"پیسے وغیرہ تو نہیں چاہیے۔"

"نہیں میرے پاس ہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"ان کے کوئی رشتے دار وغیرہ نہیں۔"

"اس وقت ان کی حالت ایسی نہیں، صبح تک انتظار کرنا ہو گا۔"

"او کے ٹیک کیئر۔" عازم اسے بائے بائے کہتا وہاں سے چل دیا اور وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا کوریڈور کے کارنر میں موجود ایک خالی بینچ پر آ بیٹھا، نگاہ اٹھا کر چاروں اور دیکھا تو ہسپتال کی حالت زار اپنے سرکاری ہونے کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی، رات کے اس پہر بھی مریضوں سے زیادہ مکھیوں اور مچھروں کا راج نظر آیا، یہ بھی حقیقی زندگی کی اک شکل پر آسائش زندگی میں اس کے پاس ان جگہوں کو دیکھنے کا وقت ہی کب تھا اس ملک کے زیادہ تر بدقسمت لوگ ایسے ہی ہسپتالوں میں اپنی ڈوبتی زندگیوں کو بچانے کے لئے آتے تھے، بے ساختہ اسے اپنے اور ان کے لائف اسٹائل کا فرق واضح نظر آیا۔

"سوری پاپا! میں نے آپ کا دل دکھایا۔"

تبھی نرس آئی سی یو سے باہر آ کر وقار صاحب کے رشتے داروں کو متوجہ کرنے کے لئے زور زور سے ان کا نام پکارنے لگی، بے اختیار اٹھتا وہ میرب اور شاہ رخ کے برابر آ کھڑا ہوا۔

"یہ میڈیسن لا دیں۔" اس نے ان کے سامنے دوائی والی پرچی بڑھائی تو ہاتھ بڑھا کر میرب سے پہلے روشیل نے تھام لی اور بنا کچھ بولے وہ میڈیسن لینے چل دیا۔

☆☆☆

انکل کی طبیعت صبح سنبھلی تو وہ گھر آ گیا، تھکن سے نڈھال وہ بستر پر لیٹتے ہی نیند کی وادی میں گم ہو گیا، تقریباً ساڑھے بارہ بجے اس کی آنکھ کھلی تو پہلا خیال اسے وقار انکل کا ہی آیا، وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا اور ہاسپٹل جانے کے لئے تیار ہونے لگا۔

راستے سے سینڈوچ اور جوس کے دو پیکٹ لے کر وہ ہاسپٹل پہنچا تھا آئی سی یو کی دیوار کے ساتھ شاہ رخ اور میرب کو کھڑے پایا، وہ ان کے نزدیک چلا آیا، دونوں نے سر اٹھا کر آنے والے کو دیکھا پھر میرب نے نگاہ بائیں جانب موڑ لی جبکہ شاہ رخ کی خود پر مرکوز نگاہیں دیکھ کر وہ انکل کی طبیعت کے بارے میں قیاس کرنے لگے۔

وہ دونوں اسے بڑے اداس اور خاموش محسوس ہو رہے تھے، اس پل وہ جس سچویشن سے گزر رہے تھے اسے اندازہ تھا، اگرچہ وہ ان کا غم نہ تو کم کر سکتا تھا اور نہ ہی ختم کر سکتا تھا مگر شیئر کرنے کی سعی سی اس نے ضرور کی تھی انسانیت کے ناطے جبکہ ان کے درمیان صرف کچھ دنوں کی شناسائی ہی تو تھی۔

"آپ دونوں کچھ کھا لیجئے، انکل کی کیئر کے لئے آپ میں انرجی ہونا ضروری ہے۔" وہ پیکٹ شاہ رخ کو تھماتا انکل کو دیکھنے چلا گیا۔

مشینوں کے زیر اثر انکل گہری غنودگی میں تھے، کافی دیر وہ وہی کھڑا رہا پھر بیڈ سائیڈ پر موجود رپورٹس اٹھا کر پڑھنے لگا۔

"بائی پاس۔" ڈاکٹرز نے بائی پاس تجویز کیا تھا وہ بھی بنا تاخیر کے، فائل واپس رکھ کر وہ باہر آیا تو ان دونوں سے کہنے لگا۔

"آج رات آپ دونوں گھر چلے جائیں میں انکل کے پاس ٹھہر جاؤں گا۔"

"نہیں روشیل بھائی ہم ٹھیک ہیں اور تھکے تو بالکل بھی نہیں۔" وہ خود کو فریش ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا تو روشیل خاموش ہو گیا، اسے اتنا اصرار کرنا بھی اچھا نہ لگ رہا تھا، ان سے جان پہچان تو دن ہی کتنے ہوئے تھے۔

وہ ہاسپٹل کے کوریڈور میں داخل ہوا تو میرب اسے ڈاکٹر کے پاس کھڑے دکھائی دی، نگاہیں دوڑا کر اس نے شاہ رخ کو ڈھونڈنا چاہا، مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آیا۔

"بی بی زیادہ انتظار ان کے لئے مناسب نہیں تقریباً آدھا خرچا ہاسپٹل دے رہا ہے آدھا آپ ادا کر دیجئے، اس سے زیادہ ہسپتال کا بجٹ نہیں ہوتا۔" اپنی بات مکمل کر کے ڈاکٹر صاحب چل دیئے، ناچار سست قدموں سے وہ وہاں سے

ہنے لگی تھی، بے اختیار وہ پکار اٹھا۔
"مس!"
"کتنے پیسے چاہئیں؟" اس کے متوجہ ہوتے ہی وہ بڑے مہذب انداز میں پوچھنے لگا، میرب نے تھکن سے بوجھل آنکھیں اٹھا کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا وہ کن حالات سے گزر رہی ہے اسے بتانا ہرگز منظور نہ تھا۔
"سنیں میں آل ریڈی کافی اپ سیٹ ہوں مجھے مزید پریشان مت کیجئے۔" کس کا غصہ کس پر نکل رہا تھا، پریشان وہ اپنے بے بس ہونے اور حالات پر تھی اور نشانہ وہ بے چارہ بن گیا۔
"واٹ! میں آپ کو کیوں پریشان کروں گا۔" اب کے اسے اس کی دماغی حالت ہرگز صحیح نہ لگی، میرب کو اس کی آواز میں غصہ، خفگی اور نجانے کیا کیا محسوس ہوا تھا مگر عادت سے مجبور وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھی۔
"ہم آپ کے خلوص کی قدر اور باقاعدگی سے ہاسپٹل آمد پر دل سے مشکور ہیں آپ......"
"اس کی ضرورت نہیں یہ جو آپ اتنی بڑی بڑی لفاظی جملے بول رہی ہیں ان کے معانی بھی معلوم نہیں آپ کو۔"
"اونہہ قدر کرتی ہیں آپ خلوص کی۔" نخوت سے وہ اسے گھورتا مڑ کر چلا گیا، میرب کی نگاہوں نے نا چاہتے ہوئے بھی دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆

"یہ اتنی رقم تمہیں کیوں چاہیے۔" اس نے مما سے پیسوں کا تقاضا کیا تھا، اتنی رقم مما کے لئے دینا ناممکن نہ تھا مگر ایک دم یوں مانگنا انہیں حیران کر رہا تھا۔
"مجھے ضرورت ہے۔" وہ آہستگی سے بولا۔
"روش، تم ٹھیک تو ہو، میری جان، مما کو نہیں بتاؤ گے۔" اب وہ اس کی آواز میں افسردگی محسوس کرتیں پریشان ہونے لگیں۔
"مم! میں ٹھیک ہوں، میرے دوست کو چاہیے۔" ان کی بے قراری پر وہ تیزی سے وضاحت دینے لگا۔
"تمہارے فرینڈ کو......" وہ پھر چونکی تھیں، اس کے سارے فرینڈز اس کی طرح ویل آف اور امیر والدین کی اولاد ہیں، جبھی ان کے ہاتھ سے احمد سے فون تھام لیا۔
"اپنی ضد چھوڑ دو ور گھر آ جاؤ، جتنے پیسے چاہو گے دوں گا۔" وہ بظاہر بڑے نرم لہجے میں بول رہے تھے، جواباً اس نے خاموشی میں ہی عافیت جانی کئی ثانیے دونوں جانب خاموشی چھائی رہی غالباً دونوں نے ایک دوسرے کی کتنے دنوں بعد موجودگی محسوس کی تھی پھر اس نے پاپا کو کہتے سنا۔
"جتنی رقم چاہیے ارباز کو کہہ کر بھجوا دو۔" وہ ان کا بیٹا تھا اگر اس پل وہ اپنی ضد میں اس کی فرمائش پوری نہ کرتے تو کون کرتا بھلے سے وہ ناراض ہو۔
"جی۔" حیرت میں ڈوبی مما کی آواز ابھری اور حیرانگی تو اسے بھی ہوئی تھی، مما نے پیسے صبح بھجوانے کے لئے کہا، دھیرے سے خدا حافظ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔
اگلے ہی دن اس نے بائی پاس کے لئے درکار تمام رقم ہاسپٹل میں جمع کروا دی اور رسید شاہ رخ کو تھمائی تو وہ حیرت زدہ اسے دیکھے گئے۔
"ابھی نہیں، انکل خیریت سے ٹھیک ہو کر گھر آ جائیں پھر اس معاملہ پر بات کریں گے۔" اس کے وا ہوتے لب دیکھتا وہ تیزی سے کہا، شاہ رخ کا کندھا تھپتھپاتا وہ ہلکے سے مسکرایا تھا اور دور کھڑی میرب کو اس کے مشکوک کردار ہونے پر

کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد انکل خیریت سے گھر واپس آ چکے تھے، شیشے میں خود پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتا وہ اوپر انکل سے ملنے چلا آیا، اس نے دھیرے سے دروازہ لاک کیا، ایک منٹ رک کر کسی نے آنے کا انتظار کیا، وہاں سے کوئی رسپانس نہ ملا تو ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا، سامنے ہی محترمہ کھڑی دکھائی دی۔
"ہیلو۔" جواباً وہاں سے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا گیا اور اس کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔
"انکل!" اس نے سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا اور اب کی بار جواب ہاتھ کے اشارے سے دیا گیا، وہ اندر کمرے میں چلا آیا، اسے دیکھ کر وقار صاحب خوشی سے کھل اٹھے۔
"تم نے ہماری بہت مدد کی ہے۔" بڑا ممنونیت بھرا لہجہ تھا اور اسے ان کا مشکور و ممنون انداز اچھا نہ لگا تھا سو بے اختیار انہیں ٹوک گیا۔
"ارے نہیں انکل! آپ ایسا مت کہیے۔"
"کچھ دن آرام کر لوں پھر تمہارا قرض تمہیں ضرور لوٹا دوں گا۔"
"آپ اس کے لئے پریشان مت ہوں۔" اس نے یہ پیسے واپسی کے لئے تو نہ دیئے تھے بس انسانیت کے ناطے وہ ان کی مدد کر رہا تھا، وہ اللہ کا شکر گزار تھا کہ اس نے اسے اس قابل بنایا کہ وہ کسی کے کام آ سکا تھا۔

☆☆☆

ابھی وہ دروازے پر دستک دینے ہی والی تھی کہ دروازہ کھل گیا اس کا ہاتھ ہوا میں لہرا گیا تھا اس نے جلدی سے ہاتھ نیچے کر لیا تھا۔
"جی فرمایئے۔" روشیل اسے حیران نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"وہ بھائی جی......" اس کے منہ سے بے ساختہ بھائی نکل گیا تھا، جبکہ وہ کہنا کچھ اور چاہ رہی تھی۔
"میں آپ کا بھائی نہیں ہوں اب فرمائیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔
"دوسرے معنوں میں بکو جو بکنا ہے۔"
"وہ میرا مطلب تھا۔" وہ بے حد گھبرا گئی۔
"بات تو ابھی آپ نے کی نہیں اور مطلب پہلے سمجھانے بیٹھ گئیں۔" انکل کی بیماری کے بعد اس کی شاہ رخ سے کافی دوستی ہو گئی تھی مگر میرب سے تعلقات اسی روش پر قائم تھے۔
"میں آپ سے یہ کہنے آئی تھی کہ......"
"اب کس چیز کے پیسے ادا کروں۔" وہ پھر اس کی بات کاٹ گیا تھا۔
"کم بخت بات تو پہلے پوری سن لو۔" وہ دل میں اس سے مخاطب ہوئی۔
"ہماری اتنی بڑی مدد کا شکریہ اور مگر اتنی بڑی رقم آپ کے پاس کہاں سے آئی؟" وہ جلدی سے کہہ گئی مبادا وہ پھر کچھ بول اٹھے، کئی دنوں کا دماغ میں ادھم مچاتا سوال بھی ساتھ کر ڈالا۔
"وہ آئی سی دیکھئے محترمہ......" اس نے سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکیڑے۔
"میرے پاس دیکھنے دکھانے کا ٹائم نہیں۔" اب کے وہ اس کی بات کاٹ گئی تھی اور جلدی سے اپنے پرانے انداز میں بولی۔
"او کے یہ شکریہ وغیرہ رہنے دیجئے اور رہا جواب دوسرے سوال کا تو اپنے کام سے کام رکھیں۔" اس نے ٹھاہ سے دروازہ بند کر دیا، میرب نے گھور کر بند دروازے کو دیکھا۔
"مشکوک آدمی۔" وہ جھٹ سے بڑبڑائی، دروازے کے دوسری جانب روشیل نے میرب

کے الفاظ باخوبی سنے اور بے اختیار مسکرا اٹھا۔

بالآخر وہ اسے زچ کر گیا تھا۔

☆☆☆

رات بھر ہونے والی بارش نے اس علاقے میں آفت سی مچا دی تھی، سڑکوں پر گھٹنوں تک کھڑا پانی اور جہاں پانی نہ تھا وہاں کیچڑ، عازم سے اس نے گاڑی گلی کے کونے پر ہی روکنے کے لئے کہا تھا، گلی کی حالت کافی خراب تھی اور اسے مجبوراً یہاں اترنا پڑا، اسے ہائے ہائے کرتا وہ خود کو کیچڑ سے ہونے والی پھسلن سے بچاتا دھیرے دھیرے چلنے لگا، جب نگاہ دوسری جانب میرب پر پڑی وہ اپنے ہی دھیان میں چلی جا رہی تھی۔

آج کل وین آنا بند ہو گئی تھی شاید وہ اسکول خود ہی چلی جاتی تھی، محترمہ استاد کے عہدے پر فائز تھیں، روشیل نے ایک دو بار سرسری انداز میں دیکھا، اچھی خاصی کاپیوں کی تعداد ہاتھ میں تھامے اردگرد سے بے نیاز چل رہی تھی۔

گیٹ کے قریب آ کر وہ دونوں رکے، میرب نے چونک کر اپنے دائیں طرف دیکھا، وہ اس سے بے نیاز گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔

میرب آگے بڑھ کر گیٹ کے بالکل نزدیک آ کھڑی ہوئی پھر گیٹ اور پلیئر کے درمیان موجود جگہ سے بازو اندر ڈال کر لاک کھولنے کی کوشش کرنے لگی وہ خاموشی سے کھڑا اس کی حرکات سکنات ملاحظہ کرتا رہا تھا، وہ گیٹ کھولنے کی مسلسل کوشش کر رہی تھی۔

''شاید یہ ہمیشہ گیٹ ایسے ہی کھولتی ہیں۔'' اس نے سوچا۔

''او...... چھ۔'' جبھی اک ہلکی سی چیختی آواز کے ساتھ اس نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اس کے ہاتھ کے ساتھ دوسری جانب کیا ہوا ہوگا یقیناً وہ بے خبر تھا مگر اس کے چہرے پر پھیلی کوفت اور بے زاری اسے مزہ دے گئی، وہ ہنوز کھڑا مسکراتا رہا، میرب نے ہاتھ سے گرتی پڑتی کاپیوں کو مضبوطی سے تھاما۔

''میں کوشش کروں۔'' بڑے مہذب انداز میں وہ پوچھ رہا تھا۔

دھیرے سے بنا دیکھے وہ سائیڈ پر ہٹ گئی، جیب سے چابی نکال کر روشیل نے لاک کھول دیا، لیڈیز فرسٹ کے فارمولے کے تحت وہ خود سائیڈ پر ہوا پھر اسے پہلے اندر جانے کا اشارہ کیا گیا، اندر داخل ہو کر میرب نے گردن گھما کر گیٹ کی اندرونی سائیڈ لاک کے قریب نظر ڈالی تو کچھ ہی فاصلے پر موجود چیز دیکھ کر اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

''یہی اس کے ہاتھ سے ٹکرائی ہو گی۔'' روشیل نے اس کی نگاہوں کا تاقب کیا پھر اس سے ٹکرانے والی چیز پر نگاہ پڑتے ہی بے ساختہ مسکرا اٹھا اور خود کو کہنے سے روک نہ پایا۔

''آپ چھپکلی سے بھی ڈرتی ہیں۔'' بڑی معصومیت سے وہ پوچھ رہا تھا، میرب نے اس کا چہرا دیکھا اور اس کے لفظوں پر غور کرنے لگی۔

''یہ بھی کیا مراد ہے۔'' اس نے سوچا اور پھر جھٹ سے اس اندھیری رات کا منظر یاد آ گیا۔

''آپ سے مطلب؟'' اس نے گھورا جواباً نفی میں سر ہلاتا وہ بامشکل اپنی مسکراہٹ کو روک پایا تھا۔

☆☆☆

''اور پیسے تو نہیں چاہیے۔'' مما اس سے فون پر مزید رقم تو درکار نہیں کے بارے میں قیاس کر رہی تھیں۔

''نو مم۔''

''یہ میں نہیں تمہارے پاپا پوچھ رہے تھے۔''

مما نے اسے چونکایا تو وہ مسکرا اٹھا، پاپا کا یہ انداز اسے بے حد بھا گیا۔

''ان سے کہہ دیجئے گھر آ کر بتاؤں گا۔'' یکدم وہ ہر چیز سے بے زار ہو گیا اور اس نے واپس جانے کا فیصلہ کر ڈالا۔

''کیا...... کیا کہا تم نے۔'' ادھر مما کی خوشی قابل دید تھی۔

''میں گھر واپس آ رہا ہوں مم، آپ دونوں میری جنت ہیں۔'' فون بند کر کے اس نے ان دونوں کے تصور سے اظہار محبت کیا۔

پاپا نے اسے بے جا ضد سے نہیں بلکہ پیار سے اپنی بات منوالی تھی، وہ مما کو اپنی واپسی سے آگاہ کر چکا تھا سو اپنے اندر پھیلے اطمینان کو محسوس کرتا سو گیا، بس آج کی رات وہ اپنے گھر اپنے بیڈ روم میں ہو گا اس کا موبائل مسلسل بجے جا رہا تھا اس نے ریسو کرنے سے پہلے وقت دیکھا دو بج رہے تھے، اسکرین پر چمکتا نمبر پاپا کا تھا، اس نے جلدی سے فون ریسو کیا۔

''روشلو۔'' وہ رو رہے تھے وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔

''رامین از نو مور۔'' بنا کسی تمہید کے وہ بولے تھے

''پاپا!'' اس کے لب پھڑپھڑائے، وہ کیا بول رہے تھے اسے کچھ سمجھ نہ آیا، رامین اس کی بہن مر چکی تھی۔

''میں گاڑی بھیج رہا ہوں۔'' وہ اب تک اندر سے اپنے آپ کو سنبھال چکے تھے۔

''رامین کا لندن میں ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے اسے بتانے لگے اور اس کے حواس گم ہوتے جا رہے تھے، کتنے پل سکتے کی حالت میں وہ یونہی بیٹھا رہا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی، باہر بجتا گاڑی کا ہارن اسے ہوش و حواس میں واپس لے آیا، وہ تیزی سے بستر سے اٹھا والٹ میں موجود تمام پیسے سائیڈ شلیف پر رکھتا کانپتے ہاتھوں سے شکریہ کے چند حروف انکل کے نام لکھتا، وہاں سے چلا آیا، رامین کی موت سے مما، پاپا کو نڈھال کر دیا تھا، وسیع عریض پھیلا بزنس، رامین کے بچے اور جانے کیا کیا ذمہ داریاں اس پر آن پڑی خود کو سنبھالتا وہ اتنا بزی ہو گیا کہ اسے وہ تین ماہ اور وہاں کے مکین یاد ہی نہ رہے اور مصروفیت میں وہ سب کچھ بھولتا چلا گیا۔

☆☆☆

''نہیں بھولا تو کچھ بھی نہیں۔'' اک نظر صرف ایک نظر میں وہ اسے پہچان گیا تھا، وہ شناسا سا چہرا، اس سے یوں کبھی ملاقات ہو گی وہ اجنبی سپاٹ وجود، اک بے نام سی الجھن تھی، اک بے نام سا احساس تھا، نا سمجھ میں آنے والا جذبہ، اس کی زندگی میں آ کر ٹھہر گیا تھا، اسے خود پر حیرت ہوئی۔

وہ اسے یاد تھی ہو بہو اس کا برف سا سپاٹ چہرا، انداز و اطوار گہری ڈری، سہمی، آنسوؤں سے بھری گھورتی آنکھیں اور وہ سب ملاقاتیں جو ان کے درمیان ہوئی تھیں، وہ ہرگز خوشگوار نہ تھیں، مگر اسے یاد تھیں۔

''اگر وہ کہیں وہ اس کے ذہن میں محو خیال بھی تھی تو اب کیوں وہ مسلسل اس کے بارے میں سوچے چلا جا رہا ہے۔'' موبائل پر اس کا نمبر ڈائل کرتا ہاتھ بے اختیار رک گیا۔

میرب وقار اس کی یادداشت میں اس حد تک محفوظ تھی کہ پانچ برسوں میں اسے کبھی خیال نہ گزرا تھا، اس پل وہ عجیب کیفیت کا شکار ہو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ گیٹ کے قریب آ کر رکی، چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی گیٹ وا کر دیا، بچے لان میں تھے اسے باہر ہی ان کے کھیلنے کودنے کی آوازیں باخوبی سنائی دے گئی تھیں، اندر قدم رکھتے ہی نگاہ پورچ میں کھڑی سفید کار پر پڑی، اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا، آزر صاحب کی گھر پر موجودگی اسے بدمزہ کر گئی، اس نے دائیں جانب کھیل میں مگن بچوں کو دیکھا اور پھر نظر ہٹانا بھول گئی۔

''یہ کیوں بار بار ٹکرا جاتا ہے۔''

''جب اسے ڈھونڈا تب تو ملا نہیں اور اب یونہی ہر جگہ نظر آنے لگا ہے۔''

''ہر جگہ۔'' یہ اس کی سوچ نے سراسر مبالغہ آرائی کی انتہا کر دی تھی، پانچ سالوں بعد وہ اس سے دوسری بار ٹکرایا تھا، انٹرویو والے دن اور اب یہاں آزر صاحب کے گھر جہاں وہ پچھلے چار ماہ سے ٹیوشن پڑھا رہی تھی۔

''ہیلو مس!'' ارحم اسے دیکھ کر دور سے چلایا اور پھر اس کی جانب چلا آیا، ارحم اور وہ بھی اسے دیکھ چکے تھے اور اب اس کی طرف ہی آتے دکھائی دیئے۔

''مس یہ ہمارے ماموں ہیں۔'' ارحم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی مس سے متعارف کروایا۔

''ہیلو۔'' بڑی سرسری سی نگاہ ڈالتی وہ دھیرے سے بولی تھی۔

''اب پڑھائی کرنے چلیں۔'' وہ بچوں کو دیکھتی انہی سے مخاطب تھی، روشیل کو اس کے لہجے اور انداز میں گہری اجنبیت سی محسوس ہوئی تھی، ویسے اس میں حیرت کیا تھی وہ اجنبی تو تھے ہمیشہ سے ایک دوسرے کے لئے۔

''او کے بچوں اب میں بھی چلوں گا آپ کے نانا، نانو میرا ویٹ کر رہے ہوں گے۔'' وہ بھی اسے اگنور کرتا دونوں کے گالوں کو چومتا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تو وہ بچوں سمیت اندر چلی آئی۔

☆☆☆

پچھلے دس منٹ سے وہ بچوں کا ویٹ کر رہی تھی، اس نے اک نگاہ ہاتھ میں بندھی گھڑی پر ڈالی، جبھی دروازہ کھول کر آزر صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔

''سوری آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔'' وہ بڑی خوش اخلاقی برتتے مسکرائے تھے۔

''بچے۔'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا، میرب کو ان کے ضرورت سے زیادہ التفات شو کرنے پر بے حد الجھن اور خوف محسوس ہوتا تھا ان کی گھر میں غیر موجودگی ہی اسے سکون بخشتی تھی سو جھجک سے اس نے پوچھا۔

''بچے...... ہا...... ہا۔'' انہوں نے برجستہ قہقہہ لگایا۔

''وہ آج نہیں پڑھیں گے، اینجو لی وہ ان کی نانو کے گھر گئے ہوئے ہیں۔'' وہ اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئے۔

''پھر میں چلتی ہوں۔'' وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہ...... نہ...... نا رکیں، چائے پی جائیں۔'' اس روکتے وہ اس کے قریب آ گئے ملازم چائے کی ٹرالی سمیت حاضر ہوا۔

''مم...... میں چائے نہیں پیتی۔'' اسے اس طرح کے تکلفات وہ بھی مالکوں کی طرف سے ہرگز نہ بھاتے تھے۔

''تو تم سینڈوچ وغیرہ ہی لے لو۔'' لحاظ کی تمام حدیں پھلانگتے وہ آپ سے تم تک پہنچ گئے تھے، وہ اب اس کے مزید قریب آ گئے تھے۔

''بیٹھ جاؤ میرب۔'' اسے یونہی تذبذب کی

کیفیت میں کھڑے دیکھ کر وہ قدرے نرمی سے بولے پھر پلیٹ میں پزا کا سلائس رکھ کر اس کی جانب دوبارہ آئے۔

''میں خود ہی لے لوں گی۔'' انہیں اپنے اتنے نزدیک دیکھ کر وہ گھبرا گئی، پلیٹ پکڑتی وہ ہلکے سے پیچھے ہٹی تھی۔

''نو تکلف۔'' اس کی جھجک بھرے انداز پر وہ مسکرائے تھے۔

''کس مصیبت میں وہ پھنس گئی ہے۔'' پلیٹ تھامے وہ یونہی بیٹھی رہی آزر نے چائے بناتے ہوئے اسے ہنوز بیٹھے دیکھا تھا، دبے قدموں چلتے اس کے برابر آ کر صوفے پر بیٹھ گے، اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور ان کے چہرے کے تاثرات پر وہ دہل کر رہ گی پھر بنا کسی لحاظ و مروت کے پلیٹ ٹیبل پر پٹختی اٹھ کھڑی ہوئی، اب چونکنے کی باری آزر کی تھی، اگلے پل وہ مسکرا کر اس کی راہ میں حائل ہو گئے۔

''اتنے عرصے سے یہاں آ رہی ہو اتنا تو اعتبار کرو۔''

''آگے سے ہٹیے۔'' وہ غصے سے چلائی تھی۔

''اگر نہ ہٹوں تو۔'' انہوں نے بوجھل لہجے میں کہتے ہوئے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

''آپ......'' ایک جھٹکے سے انہیں دھکا دے کر پیچھے ہٹی۔

''اتنا غصہ نہیں میری......''

''شٹ اپ۔'' اس نے دروازے کی سمت بڑھنا چاہا لیکن اس سے پہلے وہ اس کا بازو تھام چکے تھے۔

اک کرنٹ سا اس کے جسم میں دوڑ گیا، ایسا لمحہ اس کی زندگی میں شاید پہلی بار آیا تھا، اپنی بے بسی پر اسے رونا آیا مگر اس کے سامنے آنسو بہا کر وہ خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی سو خود کو بمشکل سنبھالتی آنسوؤں کو اندر دھکیلتی ہاتھ چھڑوانے کی سعی کرنے لگی۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا۔''

''اگر نہ چھوڑوں۔'' وہ اس پر جھکا تھا۔

''آزر بھائی!'' اس خوفناک منظر کو روشیل کی آواز نے توڑا تھا، آزر کا تیزی سے اس کی طرف بڑھتا وجود ٹھٹک کر رک گیا، وہ تیزی سے ان کا ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹی، ایک پل ضائع کیے بغیر اپنا بیگ اور کتابیں اٹھاتی وہ دروازے کی طرف بھاگی کمرے میں بالکل خاموشی تھی، وہ روشیل کے سائیڈ سے گزر گئی، روشیل نے اک تاسف بھری نگاہ آزر پر ڈالی اور میرب کے پیچھے باہر بھاگا، تیز تیز قدم اٹھاتی تقریباً بھاگتی ہوئی وہ اس جگہ سے دور چلی گئی، اپنی بے بسی پر آنسوؤں کی بھاڑ پلکوں کو بھگوتی چہرے پر پھیلے جا رہی تھی سر پر کالے گرجتے بادل اس کے ساتھ ہی برسنے کو تیار کھڑے تھے وہ جتنی تیز رفتار کرتی ہوا کا بڑھتا دباؤ اتنی ہی تیزی سے پیچھے دھکیلتا جا رہا تھا، ٹپ...... ٹپ...... بارش کی بوندیں گرنے لگی، اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، کالے بادلوں سے ڈھکا وہ روتا دکھائی دیا اور وہ خود کو اب کی بار بنا آواز کیے رونے سے روک نہ پائی، جبھی گاڑی کا ہارن اسے اپنے قریب سنائی دیا، وہ سہم کر پیچھے ہٹی گاڑی رکی اس نے بھیگی آنکھوں سے آنے والے کو دیکھا تھا۔

''آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔'' گاڑی سے باہر نکلتے روشیل نے اسے یوں بچوں کی طرح روتے دیکھ کر کہا۔

''نن...... نہیں...... شکریہ میں چلی جاؤں گی، بارش ابھی رک جائے گی۔'' اس سہمے وہ بے حد خوف زدہ تھی، بھروسہ اعتبار جیسے لفظوں سے

انجان وہ بس گھر کی دیواروں میں محفوظ پناہ کی خواہش مند تھی۔

"دیکھیے موسم اور آپ، دونوں کی حالت خراب ہیں۔" اس نے اس کے یوں سر عام رونے پر شاید طنز کیا تھا۔

میرب نے اس کے چہرے پر اک اچٹتی سی نظر ڈالی گویا فیصلہ کرنے میں دشواری کو حل کرنے کی کوشش کی ہو، وہاں متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ساتھ آنکھوں کا شفاف پن اب تک واضح تھا۔

اس کا اثباتی انداز دیکھ کر روشیل پلٹا اور اس کی تقلید میں چلتی ہوئی وہ بھی گاڑی میں آ بیٹھی روشیل کی نظریں میرب کی طرف اٹھی تھیں، اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا جبکہ آنکھیں آنسوؤں سے لبا لب بھری تھیں، لرزتے کانپتے ہاتھوں کی پشت سے ماتھے اور رخسار پر موجود آنسو اور بارش کا پانی پونچھتی جاتی۔

روشیل نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے اسٹیئرنگ سے ایک ہاتھ اٹھا کر ڈیش بورڈ پر پڑے ٹشو باکس سے دو تین ٹشو کھینچ کر اس کی طرف بڑھائے، اس نے بے دھیانی میں دائیں ہاتھ کی مٹھی میں دبا تو لیا، مگر گھبراہٹ میں آنسو اب بھی بائیں ہاتھ کی پشت سے صاف کیے جا رہی تھی۔

"مس! یہ ٹشو استعمال کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔" مبتسم لہجے میں کہا گیا۔

روشیل کا بات کا انداز ویسا ہی تھا جیسے وہ پانچ سال پہلے کرتا تھا۔

"ہا......" جانے وہ کیا بول رہی تھی اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے وہ خاموش ہو گیا، چند لمحے چھائی خاموشی کے بعد وہ آہستگی سے پوچھنے لگا۔

"انکل کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔" وہ بامشکل ہی اس کی آواز سن پایا تھا۔

"اور شاہ رخ۔" ان سوالات کی آڑ میں اس کا خوف کم کرنا چاہا تھا۔

"بس یہاں روک دیجیے، میں چلی جاؤں گی۔" مین روڈ پر آتے ہی اس نے اسے گاڑی روکنے کے لئے کہا یہاں نسبتاً کافی رش تھا۔

"یہاں؟"

"بارش کافی تیز ہے میں آپ کو گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اس کی نظریں بالکل غیر ارادی انداز میں اس کی طرف اٹھی تھی، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس کے دیکھنے پر میرب نے نظریں جھکا لی تھیں۔

"اب ہم وہاں نہیں رہتے۔" اسے گاڑی انہی پرانے راستوں پر ڈالتے دیکھ کر وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"اوہ......تو جہاں رہتی ہیں وہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" وہ نظریں ونڈ اسکرین پر جمائے بولا تھا، پھر گھر کا راستہ بتانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"بس یہاں ایک چھوٹے سے گھر کے سفید گیٹ کے قریب پہنچ کر گاڑی رکوائی۔" اس کے نشان دہی کرنے پر روشیل نے گاڑی روک دی بارش اب تک ہو رہی تھی۔

"اس تیز بارش میں آپ نے میری مدد کی آپ کا شکریہ۔" نگاہیں نیچی کیے اس نے اظہار تشکر کر ڈالا، پھر وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی تو وہ بھی اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر اتر گیا۔

"میں...... میں انکل سے مل سکتا ہوں۔" اس نے بابا سے ملنے کی اجازت چاہی تو وہ چونک گئی۔

"بابا نہیں ہیں۔" اس کے جواب پر روشیل ٹھٹکا۔

"اور شاہ رخ؟"

"وہ بھی نہیں ہے۔" جواباً وہ الجھا تھا، مزید وہ کچھ پوچھتا ناچار اسے بولے گے جھوٹ کی خود ہی تردید کرنی پڑی۔

"بابا کی تین سال پہلے وفات ہو گئی تھی اور شاہ رخ آرمی ٹریننگ پر ہے۔"

"آئی ایم سوری۔" اسے انکل کی وفات کا سن کر بے حد دکھ ہوا تھا، آنسوؤں سے تر بغور اس نے اس کے چہرے کو دیکھا، والٹ سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالتا ہوا بولا۔

"یہ میرا کارڈ رکھ لیجیے اس میں میرے نمبرز ہیں اگر کبھی......"

"شکریہ۔" اس نے کارڈ تھام لیا اور پلٹ گئی، روشیل کی نظروں نے اس کا تاقب کیا تھا، جب وہ اوجھل ہوئی تو گاڑی میں آ بیٹھا، ابھی تھوڑی دور ہی آیا تھا جب آسمان پر گرجتے برستے بادل اور کڑکڑاتی چمکتی بجلی اسے ماضی کی ایک ایسی ہی رات یاد دلا گئی وہ چونک اٹھا۔

"اس کا مطلب وہ گھر میں اکیلی ہو گی۔" اک خیال کوندا اور اس نے گاڑی بے اختیار واپس موڑ لی۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے لاک کھولا پھر دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا آہستگی سے قدم بڑھاتی وہ اندر داخل ہو کر گھپ اندھیر میں سوئچ بورڈ کے قریب آئی اور لائیٹ آن کی، یکدم کمرہ روشن ہو گیا، ہاتھ میں پکڑی کتابیں کچن کاؤنٹر پر رکھی تو نظر ان کے اوپر رکھے کارڈ پر پڑ گئی۔

"دھوکے باز لوگ۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

اس نے کارڈ اٹھا کر پرے پھینک دیا، گیلے دوپٹے کو لاؤنج میں رکھے صوفے پر پھیلاتی وہ خود بھی وہی بیٹھ گئی، آج سارے دن میں پے در پے ہونے والے واقعات نے اس کے اعصاب بری طرح شل کر دیئے تھے، سوچتی اور آنکھیں بھیگے چلی جاتیں، رونے کا سلسلہ اب دوبارہ سے شروع ہو گیا تھا مزید اس سے شغف فرماتی کہ دروازہ پر ہونے والی دستک اسے سہما گئی۔

"اس وقت......کون ہو گا؟" صوفے سے دوپٹہ اٹھا کر اوڑھنے سے پہلے اسی سے منہ صاف کیا اور دروازے تک آئی۔

"کون؟"

"روشیل!" ہینڈل گھما کر اس نے دروازہ کھول دیا، سامنے ہی وہ کھڑا تھا، اس کی نگاہوں میں ابھرتی حیرت اگنور کرتا وہ مسکرایا۔

"میں نے سوچا آپ ڈر رہی ہونگی۔" وہی پانچ سال پرانی والی یاد ایسی ہی ایک طوفانی رات تھی، مگر تب اور اب میں بہت فرق تھا۔

کئی لمحے بنا تاثر کے وہ اس کے چہرے کو دیکھتی گئی پھر نگاہ اس کے پیچھے پھیلے منظر پر ٹھہری، وہ یونہی اس کے متوجہ ہونے کے انتظار میں کھڑا بارش میں بھیگ رہا تھا۔

آہستگی سے سائیڈ پر ہوتے میرب نے اسے اندر آنے کی خاموش اجازت دی اور وہ صد شکر کرتا قدم بڑھا کر اندر آ گیا، وہ اچھا خاصا بھیگ چکا تھا، خود پر نظر ڈالتا وہ خود کلامی سے انداز میں گویا ہوا۔

"کافی تیز بارش ہے، گاڑی سے دروازہ تک تو بھیگا، ہی تھا اور باقی آپ کے سوچنے کے عمل نے مجھے مزید بھیگنے میں مدد دی۔" وہ گیلے بالوں کو ہاتھوں سے جھاڑتا کوٹ اتارنے لگا، روشل کی نظریں اس کے سنجیدہ چہرے کی طرف اٹھیں، آہستگی سے چلتی وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ لیں۔"

''تھینکس۔'' اس نے تولیہ تھامتے ہوئے اک نگاہ میرب کے چہرے کو دوبارہ دیکھا۔

وہ کچن کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی، روشیل نے تولیے سے پہلے چہرا اور پھر بال خشک کیے جبھی اسے میرب کی آواز سنائی دی۔

''میں اب بارش سے نہیں ڈرتی۔'' کیتلی میں پانی ڈالتی وہ آہستہ سے بڑبڑائی تھی، کمرے کے وسط میں کھڑے روشیل نے پلٹ کر اس کے افسردہ وجود کو دیکھا وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ رہی تھی۔

''شاہ رخ کی ٹریننگ......'' وہ بس اتنا ہی پوچھ سکا۔

''دو سال کی ہے اور اسے گئے تین ماہ ہوئے ہیں۔'' اس نے اسے کہتے سنا وہ ہنوز اپنے کام میں مصروف تھی اس کی طرف تو سرسری انداز میں بھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

''آپ نے گھر کیوں بدل لیا۔'' دونوں بازو سینے پر باندھ کر اس کے چوٹی میں بکھرے بالوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''گھر بابا نے اپنی زندگی میں ہی سیل کر دیا تھا، غالباً اسی دن جس رات آپ غائب ہو گئے۔'' اس نے چائے کے کپ نکال کر کاؤنٹر پر رکھے اور پانی کے پکنے کا انتظار کرنے لگی۔

''اور میرے مشکوک ہونے کی تصدیق بھی اسی دن ہو گئی تھی۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے میرب کو دیکھا تھا۔

''انہیں آپ کی امانت لٹانی تھی۔'' میرب نے اس کی بات کا جواب ضروری نہ جانا۔

''آپ کو ڈھونڈا مگر ان کی تلاش کے راستے وہاں نہ تھے جہاں آپ تھے ان کے تو گماں میں بھی نہ تھا کہ آپ......'' لمحہ بھر کو رکی کپوں میں چائے کا پانی الٹا کر وہ دوبارہ سے گویا ہوئی۔

''ویسے آپ سچ بھی بتا دیتے تو ہم آپ کا کیا بگاڑ لیتے یا آپ کے خیال سے کرایہ زیادہ وصول کرتے۔''

''بات تو سنیے۔'' بے اختیار روشیل نے اس کے نان اسٹاپ بولنے پر روکنا چاہا تھا۔

''آپ کی امانت اب میرے پاس ہے۔'' اسے اس کی وضاحت میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

''کون سی امانت؟''

''آپ کے پیسے جو بابا کے آپریشن کے لئے آپ نے دیئے تھے۔'' کپوں میں دودھ ڈالتی وہ مڑی، کپ اسے تھما کر وہ واپس پلٹی ہی تھی جب وہ بولا تھا۔

''اتنی پرانی بات، مجھے تو یاد بھی نہیں۔'' اس کی بات پر اسے غصہ تو آیا مگر پی گئی تھی۔

''پیسے بینک میں ہیں آپ کو چیک دوں گی۔'' عادت کے برخلاف بڑے تحمل سے اس سے یہ گفتگو کا سلسلہ برقرار رکھے ہوئے تھی۔

''آپ آزر بھائی کے گھر کب سے ٹیوشن پڑھا رہی ہیں۔'' اس نے یکدم بات بدل دی سیدھا سیدھا مطلب تھا کہ وہ اس معاملے پر بات نہیں کرنا چاہتا۔

''بابا کی دیکھ بھال کے لئے مجھے اپنی جاب چھوڑنی پڑی اور ان کی وفات کے بعد مجھے دوبارہ کوئی جاب نہ ملی، اکیڈمی اور ٹیوشنز کرنے لگی، اکیڈمی کے توسط سے ہی آزد صاحب کے گھر گئی تھی ان کے بچے آپ کے......'' بڑی تفصیل سے وہ اسے بتا رہی تھی اگرچہ وہ جان گئی تھی کہ وہ اس کی باتوں کو اگنور کر رہا ہے۔

''میرے بھانجے ہیں۔'' گھونٹ بھرنے سے پہلے اس نے میرب کو دیکھا جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''جس رات میں یہاں سے بن بتائے گیا تھا اسی رات میری بہن رامین روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال کر گئی تھی، رات کے اس وقت آپ لوگوں کو جگانا مناسب نہ لگا، واپسی کب ہوتی؟ ہوتی بھی یا نا؟ مجھے ہرگز علم نہ تھا سو شکریہ کے چند حروف لکھنے کے علاوہ میں تفصیل نہ لکھ سکا۔'' وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا اور کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی میرب کو دیکھتا بول رہا تھا۔

''ممی، پاپا، بزنس، رامین کے بچے یہ سب میری ذمہ داری تھے اور ان میں اتنا گم ہوا کہ وہ چند ماہ یاد ہی نہ رہے۔'' چائے ختم ہو گئی تھی وہ اٹھ کر کاؤنٹر میں بنے سنک پہ کپ دھونے چلا آیا، اس کی نگاہ سنک کے قریب بے دردی سے پھینکے گئے کارڈ پر پڑی۔

''جب آپ سامنے آئیں تو زندگی کے وہ بیتے پل بھی سامنے آ کھڑے ہوئے۔'' میرب کی نگاہوں نے روشیل کی نظروں کا تعاقب کیا تھا، وہ سٹپٹا سی گئی تھی۔

''وہ...... وہ...... یہاں بکس پر پڑا تھا۔'' اس نے کارڈ اٹھا کر کتابوں کے اوپر رکھ دیا، بنا جواب دیئے وہ نل کھولنے لگا اور جونہی وہ کپ دھونے لگا کہ میرب آگے بڑھ کر تیزی سے بولی۔

''میں دھولوں گی۔''

''مجھے دھونے میں کوئی......''

''نہیں۔'' اس نے کپ اس کے ہاتھ سے تھام لیا۔

روشیل نے ذرا چونک کر اس کی طرف دیکھا، صرف لہجہ ہی نہیں حلیہ بھی بدلا ہوا تھا، بلیک سوٹ میں آنسوؤں سے دھلا چہرہ کچھ الگ ہی تاثر دے رہا تھا، پانچ سال پہلے والی میرب سے قطعی مختلف، بڑا فارمل، سلجھا، ٹھہرا ہوا انداز ایک مختصر سا پل خاموشی کے ساتھ آگے سرکا، گہری نظروں کے ارتکاز کو محسوس کرتی وہ کپ دھونے میں مگن تھی، ذرا فاصلے پر کھڑا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، بائیں آنکھ کے گوشے میں اٹکا پانی کا چمکتا قطرہ روشیل کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکا، اس نے کپ دھو کر سائیڈ ریک پر لگایا۔

''میرا خیال ہے بارش رک گئی ہے۔'' کمرے میں پھیلی خاموشی کو میرب کی آواز نے ہی توڑا تھا، وہ چونکا تھا۔

''ہوں۔'' سراسیمگی سی کیفیت سے نکلتا سر جھٹک کر دھیرے سے وہ بڑبڑایا وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا، عجیب سے احساس نے اس کی دل کی دھڑکن یکدم تیز کر دی، بارش رکنے پر باہر سناٹا پھیل گیا تھا اور کمرے میں سناٹا باہر سے کئی گناہ زیادہ اسے محسوس ہوا تھا، مگر اگلے پل اسے کم از کم یہ اعتراف خود سے کرنا پڑا کہ کچھ بھی ہے بائیں آنکھ کے کونے میں چمکتا پانی کا وہ قطرہ ڈسٹربنگ ضرور تھا، بے اختیار وہ پیچھے ہٹ گیا۔

''میرب!'' اس کے لبوں نے پہلی بار ''مس'' سے ہٹ کر اس کا نام لیا تھا، اپنے نام پکارنے پر ساس پین کو دھوتی اس کا ہاتھ ایک پل کے لئے رکا تھا، مگر خود کو نارمل ظاہر کرتی وہ مڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''مجھ سے شادی کریں گی۔'' وہ سنجیدہ نظروں سے میرب کو دیکھنے لگا، کئی ثانیے بعد سامنے ساکت کھڑے وجود میں حرارت سی ہوئی، میرب کا چہرہ ضرورت سے زیادہ اسے سنجیدہ محسوس ہوا، وہ آگے بڑھی اور مین ڈور کھول دیا، پھر ہولے سے بولی۔

''رات کافی ہو گئی ہے میں گھر میں اکیلی ہوں اور آپ کی موجودگی میرے لئے پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔'' اس کا لہجہ اور چہرا ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا، اس نے کیوں اس پر

اعتبار کر کے اسے اندر آنے دیا، روشیل نے گہرا سانس لیا تھا، صوفے پر رکھے کوٹ کو اٹھا کر وہ دروازہ تک آیا۔

''سوچیئے گا ضرور۔'' قدم باہر رکھنے سے پہلے اس نے اک نگاہ اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا، بے ساختہ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں تھیں، وہ باہر نکلا اور اس کے نکلتے ہی اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا، سر جھٹکتی اپنے تنے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتی وہ بیڈ روم میں آ کر بستر پر گر گئی۔

''اُف۔'' اس نے گھبرا کر اپنے دل پر ہاتھ رکھا جو بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔

''مجھ سے شادی کریں گی۔'' کانوں کے قریب آواز ابھری تو کئی بے نام آنسو گالوں سے پھسل کر بستر میں جذب ہو گئے، روشیل کی خود پر جمی نظریں یاد کر کے اس نے بے ساختہ ابھی ہارٹ بیٹ تیز ہوتی محسوس کی تھی۔

☆☆☆

غیر مانوس سی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا، اس کا سیل فون بج رہا تھا، اسکرین پر انجانا نمبر چمک رہا تھا، وہ کچھ دیر ایسے ہی لیٹی رہی پھر ناچار اٹھالیا۔

''ویسے میں فون پر بات کر کے بھی آپ کی تنہائی کم کر سکتا ہوں۔'' وہ شوخی سے بول رہا تھا اور یہ شوخی اس کی آواز میں بھی رقم تھی۔

''آپ۔'' وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی، لہجہ بھی حیرت زدہ تھا۔

''کیا آپ کسی اور کو **Expect** کر رہی تھیں۔''

''آپ کے پاس میرا نمبر کہاں سے آیا۔'' اس کا سوال اگنور کرتی وہ حیرانگی لئے پوچھنے لگی۔

''نمبر لینا کون سا مشکل ہے مس۔'' لفظ مس پر خاصا زور دیا گیا، پل بھر کو رک کر اس نے اس کے بولنے کا انتظار کیا مگر وہاں بد[illegible] خاموشی تھی۔

''آپ کچھ دنوں پہلے میرے آفس [illegible] انٹرویو دینے آئی تھیں اور میں نے آپ [illegible] وی سے آپ کا نمبر لے لیا۔'' اس کے حیرت [illegible] لہجے کا مزہ لیتا وہ نمبر حاصل کرنے کی تفصیل بتانے لگا۔

''آج ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ [illegible] انکشاف ہوا ہے کہ مجھے بارش اور وہ بھی طو[illegible] بارش بہت اچھی لگنے لگی ہے۔'' بڑا انوکھا سا انداز لئے ہوئے فون پر ابھرتی آواز اسے عجیب [illegible] احساس سے دوچار کر گئی تھی۔

''آپ اپنے ہوش و حواس میں ہیں نا۔'' زیادہ دیر خود کو تمیز کے دائرے میں رکھ نہ سکی تھی۔

''میں نے بقائمی ہوش و حواس آپ کو شاد[ی] کی آفر کی ہے۔'' وہ اس کے پرانے انداز [میں] بولنے پر محظوظ ہوتا مسکرایا تھا۔

''اونہہ۔'' ہلکے سے بڑبڑاتی وہ فون [بند] کرنے لگی جبکہ دوسری طرف وہ اس کا ارا[دہ] بھانپتے ہوئے تیزی سے بولا۔

''پلیز فون بند مت کیجئے گا۔''

''مجھے سونا ہے۔'' بڑا روکھا انداز لئے [وہ] گویا ہوئی۔

''میرا آپ کو ڈسٹرب کرنے کا ہرگز کو[ئی] ارادہ نہیں صرف یہ پوچھنا تھا مما کو کب لے [کر] آؤں۔'' وہ اس کے تمام انداز اطوار اور انکار [کو] خاطر میں لائے بنا پوچھ رہا تھا، بنا کچھ بھی [کہے] اس نے فون بند کر دیا۔

''مما کو کب لاؤں۔'' سر جھٹک کر اس نے روشیل کی نقل اتاری اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

☆☆☆

رات دیر تک جاگنے پر صبح آنکھ بھی لیٹ کھلی، ہاتھوں سے بالوں کو ٹھیک کرتی وہ کچن میں آئی، چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر وہ ناشتہ کیا کروں سوچتی فریج تک آئی تھی جبھی مین ڈور پر بیل بج اٹھی۔

''اب کون ہے؟'' وہ سوچتی ہوئی دروازہ کی جانب بڑھ گئی، اس نے دروازہ کھول دیا، سامنے ہی پچاس سال کے لگ بھگ بڑی خوش شکل اور اسٹائلش سی خاتون کو کھڑے پایا۔

''آ...... آپ۔'' وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

''یہ میری مما ہیں۔'' جو چہرہ ان کے پیچھے نمودار ہوا اسے دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی۔

''السلام علیکم!'' روشیل کے تعارف کروانے پر اس اخلاقاً سلام جھاڑا۔

''وعلیکم السلام!'' بڑی محبت سے آنے والی خاتون نے جواب دیا تھا۔

''آئیں۔'' وہ مرے مرے انداز میں پیچھے ہٹی اور انہیں اندر آنے کا راستہ دیا، وہ اندر لاؤنج میں آ گئے۔

''تشریف رکھیں۔'' میرب کے اشارہ کرنے پر وہ خاتون بیٹھنے سے پہلے بولیں۔

''تم بھی بیٹھو میرب، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے سر اٹھا کر روشیل کو دیکھا جو یونہی کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، وہ خائف ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

''شاہ رخ چھٹی پر کب آئے گا۔'' بڑا محبت آمیز فرینک انداز تھا۔

''کچھ پتہ نہیں۔'' نفی میں گردن ہلاتے وہ دھیرے سے بولی تھی۔

''تم بہت انوسینٹ ہو اور روشیل کی پسند اتنی معصوم۔'' انہوں نے سر اٹھا کر روشیل کی پشت کو دیکھا، وہ کچن کاؤنٹر کی طرف جا رہا تھا۔

''میرب! تمہارے گھر میں کوئی اور نہیں جس سے یہ بات کروں، اسی لئے تم سے ہی ڈائریکٹ یہ بات کر رہی ہوں۔'' میرب نے پریشانی سے انہیں دیکھا۔

''میں تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔''

''مجھے۔'' اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''ہوں۔'' زیر لب بولتیں انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاتھ دو، میں تمہیں انگوٹھی پہنا دوں۔'' ہاتھ مسلتی سر جھکائے میرب سے وہ بولیں اور پھر خود ہی اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی ڈال دی، چولہا بند کر کے وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا مما اور میرب کے درمیان ہونے والی کارروائی دیکھنے لگے۔

''روشیل نے اتنی جلدی مچائی ورنہ میں نئی بنواتی، خیر شادی پر یہ شوق پورا کروں گی۔'' وہ یوں بول رہی تھیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

''آنٹی!'' اس نے جھکی نظروں کے ساتھ انہیں بے ساختہ پکارا تھا۔

''تم مما ہی کہو۔''

''میرب! روشیل نے مجھے تمہارے بارے میں سب بتا دیا ہے، شاہ رخ آئے تو ڈیٹ فائنل کرتے ہیں۔'' میرب کا جھکا ہوا سر جھکا ہی رہ گیا، اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ ان سے انکار کر سکے۔

''میرب!'' اسے مسلسل سر جھکائے کھڑے دیکھ کر انہیں اسے پکارنا پڑا تو میرب نے دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو صاف کر کے سر اٹھایا، وہ محبتوں کا اک جہان آنکھوں میں سموئے اسے

دیکھ رہی تھیں، صرف ایک پل کے لئے اس کی نظریں ان کی نظروں سے ملی تھیں اور پھر دوبارہ جھک گئی تھیں اس نے انہیں کہتے سنا تھا۔

"صبح صبح تمہیں پریشان کیا مگر روشیل سے زیادہ مجھے تمہیں ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔" وہ خاموش ہوئیں تو اسے چولہے پر رکھے پانی کا خیال آیا۔

"چائے۔" میرب کے پوچھنے پر وہ سر نفی میں ہلا کر بولیں۔

"نہیں شکریہ بیٹا! روشیل کے بابا کو ان کی بہو دکھانی ہے اب تم جس دن بلاؤں گی اسی دن چائے پئیں گے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تبھی روشیل بھی چل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا میرب کی نظر غیر ارادی طور پر اس کی طرف اٹھی۔

"سدا خوش رہو، مجھے روشیل کی پسند بہت اچھی لگی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر اس کا گال چھوا تو وہ نظریں جھکا کر پھیکی ہنسی ہنس پڑی، مسز احمد نے اس کا ماتھا چوم لیا، وہ دروازے کی جانب بڑھیں تو روشیل نے بڑی مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا اور نجانے کیا تھا ان آنکھوں میں کہ وہ گم صم وجود سٹپٹا سا گیا۔

☆☆☆

روشیل اور اس کی مما جا چکے تھے اور قریباً آدھے گھنٹے سے وہ ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو سکتے کی سی حالت میں گھورے چلے جا رہی تھی، اچانک فون بیل کی آواز اسے چونکا گئی وہ بھاگ کر کمرے میں آئی فون اٹھایا دوسری جانب توقع کے عین مطابق وہی تھا۔

"آپ اپنی مما کو لے کر کیوں آئے؟" دانت پیستی ہوئی غصے سے چلائی۔

"کیا مطلب اور کس کو لے کر آتا۔" اس کی بات پہ وہ حیران ہوا۔

"یہ...... انگوٹھی، یہ سب کیا ہے؟ آپ کیسے......" غصے اور سراسیمہ کیفیت میں گھری بے ربط سا بولے چلی گئی اور یہ ساری صورت حال روشیل کو مزہ دے گئی۔

"رات تم سے پوچھا مما کو کب لاؤں، تم خاموشی رہی اور تمہارا جواب جب دل کرے لے آؤں تصور کرتا، میں مما کو لے کر آ گیا۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔

"اور میں کیسا ہوں بھئی ہم تو ایسے ہی ہیں۔"

"انگوٹھی والا فاؤل مما کر گئیں یہ مجھ کو، تم کو پہنانی تھی۔"

"آپ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"ہم ایک دوسرے کو جانتے ہی کتنا ہے پانچ سال پہلے کی چند مختصر ملاقاتیں وہ بھی ہرگز خوشگوار نہ تھیں۔"

"اور مزید کچھ بھی بولنے سے پہلے میری بات سنو، شادی جلد ہو گی بارشوں کا موسم شروع ہو گیا ہے اور اگلی بارش میں تمہیں میرے ساتھ اس گھر میں ہونا چاہیے، تمہارے خیال میں کون سی ڈیٹ ہونی چاہیے۔"

"جب سب کچھ طے کر لیا ہے تو مجھ سے اور میرے بھائی سے یہ پوچھنے کا تکلف کیوں۔" وہ نئے سرے سے چڑ کر اپنے ازلی منہ پھٹ انداز میں بولی۔

"مس! آپ کا انداز مجھے پانچ سال پہلے کی ملاقاتیں یاد دلا گیا ہے۔" وہ بھرپور انداز میں مسکرایا تھا، ریسو کے پار اس کے غضب ناک تاثرات کا بخوبی اندازہ کر کے۔

"مس!" اس نے زیر لب دہرایا اور وہ اس کی بات سمجھتا شوخی سے مسکراتا بولا۔

"او کے، مس نہیں بولتا تمہاری خواہش پر میرب ہی کہوں گا۔"

"یہ میں نے کب کہا۔" اس کی بات پر وہ بلبلا اٹھی۔

"میرب! خاموش ہو جاؤ پلیز اور بتاؤ کیا تم یہ رشتہ نہیں کرنا چاہتی۔" اب کی بار وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"کیا جانتے ہیں آپ میرے بارے میں اور کیا جانتی ہوں میں آپ کے بارے میں۔"

"خیر تمہارے بارے میں تو میں سب کچھ اچھی طرح سے جانتا ہوں۔" وہ پھر شوخی سے مسکراتا اسے چھیڑنے لگا۔

"اور میرے بارے میں جان لو کہ گزری رات میں کالے کپڑوں میں ملبوس لڑکی مجھے اچھی لگنے لگی ہے مگر پانچ سال پہلے والی میرب وقار لڑتی جھگڑتی بہت زیادہ اچھی لگتی ہے۔" وہ بڑے جذب سے ایک ایک لفظ پہ خاص زور دیتا بول رہا تھا۔

"آ...... پ...... آپ۔" مارے حیرانگی کے الفاظ منہ سے نہیں نکل رہے تھے۔

"سن تو لو، پہلے ہی آپ آپ شروع کر دیا۔" وہ اس کی کیفیت پر ہنستا ہوا بولا۔

"اب یہی جاننا چاہو گی پہلے والی لڑکی زیادہ کیوں اچھی لگتی ہے تو بڑی سادہ سی وجہ ہے اور یہ کہ وہ میرب میرے دل و دماغ کے کونوں میں بس گئی تھی جیسے تم نے آ کر پہلے باہر نکالا اور پھر محبت کا احساس دلا کر مجھے میری زندگی میں اپنی موجودگی کی خبر دی۔"

"لگتا ہے اس کے سارے طور طریقے بھول گئے ہیں۔" اس نے بڑے طنزیہ انداز میں پوچھا تھا۔

"یاد ہیں، یاد ہیں مس میرب وقار بڑی اچھی طرح سے تمہیں یہی تو بتانے والا ہوں، میں نہ تو تم سے صفائی والے کو آدھے پیسے دلواؤں گا، نہ ہی تمہارے واش روم میں ہونے پر پانی کی موٹر بند کر کے پیسے چارج کرنے کا مطالبہ کروں گا اور سنو کھانا دینے پر تمہیں ایرا غیرا بھی نہیں کہوں گا، جب تیار ہو کر کہیں جاؤ گی تو پانی کی بالٹی بھی تمہارے اوپر نہیں پھینکوں گا۔" وہ جن باتوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا، وہ اس کے لئے باعث ندامت تھی، اسی لئے اس کا سر جھک گیا تھا۔

"وہ سب۔" اس نے دھیمے سے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"او کم آن میرب، تمہیں صفائی دینے کی ضرورت نہیں یہ سب تو تمہیں یہ بتانا تھا کہ تم مجھے بھولی نہیں تھی اور یاد تو تمہیں میں بھی تھا، بس فرق یہ تھا تم مجھے پانچ سال ڈھونڈتی رہی اور میں......"

"خوش فہمی ہے، میں نے آپ کو پیسے لٹانے کے لئے تلاش کیا تھا۔" جھٹ سے بولتی وہ خود پر لگنے والے الزام پر تلملا اٹھی۔

"او یاد آیا وہ سب پیسے شاہ رخ کے ہیں، جب وہ برسر روزگار ہو جائے گا تو اس کی شادی کی شاپنگ کرنا او کے آل رائیٹ اب ذرا آگے بڑھتے ہیں۔"

"میرب، شاہ رخ میرا بھائی ہے اور ہماری ذمہ داری سو اس کی طرف سے پریشان مت ہونا، چلو فٹافٹ بتا دو برات کب لے کر آؤں؟"

"اتنی آسانی سے مان جاؤں۔" اب کے میرب نے شوخی سے کہا۔

"کیا مطلب، اس بات کو ماننے کے لئے بھی کوئی شرط......" جواباً بے ساختہ وہ چلایا۔

"اب کیا کریں ہم تو ایسے ہی ہیں۔" کندھے اچکاتی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی، فون کے دوسری جانب اس کی ہنسی پر وہ چونکا اور خود بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆

سندس جبیں

''کیا بکواس کر رہی ہو تم؟'' وہ بے ساختہ اٹھ کھڑے ہوئے، شدت غضب سے ان کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

''بھائی...... میں......'' رمشہ سہم سی گئی۔

''اتنی بڑی بات تم نے منہ سے نکالی بھی کیسے؟'' وہ جلال میں آ کر دھاڑے تھے۔

''آپ نے کہا تھا کہ معمولی سا بھی شبہ ہے تو میں بتا دوں اور مجھے دو چار بار ایسا محسوس ہوا۔''

وہ انہیں ان کی بات یاد دلاتے ہوئے جلدی جلدی بتانے لگی، وقار ٹھنڈے پڑ گئے، کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

''اس کا مطلب ہے اس کی جو بھی بات ہوئی ہے یا تو علینہ سے ہوئی ہے اور یا وہ جانتی ہے۔'' وہ بڑبڑائے، رمشہ کو کچھ سمجھ نہ آیا۔

''کہاں ہے وہ؟'' انہوں نے سر اٹھا کر رمشہ سے سوال کیا، رمشہ نے حیرانگی سے انہیں

ناولٹ

دیکھا، رات کا ایک بج رہا تھا، چونکہ یہ شور و ہنگامہ دوسرے پورشن پر ہوا تھا اور علینہ کا کمرہ فرسٹ پورشن پر تھا اس لئے وہ غافل تھی اور سو رہی تھی۔

''ظاہر ہے، وہ سو رہی ہے۔'' رمشہ نے کہا۔

''اسے یہاں میرے پاس بھیجو اور کسی کو پتا نہ چلے کہ میں گھر آیا ہوں۔''

''کیوں؟'' رمشہ نے فوراً کہا۔

''مجھے تم سے اس احمقانہ سوال کی توقع نہیں تھی، ظاہر ہے سب میرے سر ہو جائیں گے کہ شاہ بخت کی طبیعت کیسی ہے تفصیلات چاہیں گے اور میں اس وقت بالکل اس کنڈیشن میں نہیں ہوں کہ کچھ بتا سکوں، اب جاؤ۔'' انہوں نے اچھا خاصا اسے لتاڑ کر رکھ دیا رمشہ خاموشی سے کھسک گی۔

علینہ کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے

اس کے لبوں پر پراسرار مسکراہٹ تھی اسے پتا تھا کہ وقار کو انتہا کا غصہ آیا ہوا تھا اور اول تو وقار کو غصہ آتا نہیں تھا اور اگر آتا بھی تھا تو بے حد اور پورے ''مغل ہاؤس'' میں کون تھا جو ان کے جلال کے آگے ٹھہر پاتا، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر بخت کی اس حالت کی ذمہ دار کسی بھی لحاظ سے علینہ تھی تو وقار کے ہاتھوں آج اس کی خیریت مشکوک تھی، اس نے جانتے بوجھتے اپنا شک وقار کے سامنے ظاہر کیا تھا، نجانے وہ علینہ سے کیوں متنفر ہو رہی تھی۔

علینہ کے کمرے کے آگے رک کر اس نے گہرا سانس لے کر ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھول دیا، پنک کلر کے ریڈ اسٹرابیریز والے نائٹ سوٹ میں وہ کروٹ کے بل بیڈ پہ دراز تھی۔

رمشہ نے آہستگی سے آگے بڑھ کر اس کا شانہ ہلایا، علینہ کی آنکھ فوراً کھل گئی۔

''کیا ہوا رمشہ آپی!'' اس نے مندی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''اٹھو...... تمہیں وقار بھائی بلا رہے ہیں۔''

رمشہ نے اسے پھر ہلایا، علینہ بے ساختہ اضطراری انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کی نظر سیدھی سیب کی شکل کے وال کلاک پر گئی۔

''سوا ایک۔'' اس نے رمشہ کا چہرہ دیکھا انداز میں حیرت نمایاں تھی۔

''کیا بات ہے؟ اس وقت؟'' وہ آنکھیں مسل کر جیسے خود کو یقین دلا رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتا، وہ لان میں ہیں، جلدی جاؤ۔'' رمشہ کہہ کر چلتی بنی، علینہ نے بے ساختہ پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے اور چپل پہن کر واش روم کی سمت بڑھ گئی، منہ پر پانی کے چند چھپاکے مارے، کچھ حواس قائم ہوئے باہر آ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اسکارف اٹھایا اور گلے میں ڈال کر تیزی سے باہر کی سمت بڑھ گئی، اس کے ذہن میں مختلف سوال اٹھ رہے تھے۔

''آخر کیا بات ہو سکتی ہے؟''

''کہیں شاہ بخت نے تو کچھ......؟ لیکن میں نے موصوف کو کیا کہا تھا۔'' وہ خود سے الجھی۔

''رمشہ آپی نے بھی کچھ نہیں بتایا، پتا نہیں کیا بات ہے؟'' وہ الجھتی ہوئی لان میں رکھی چیئرز کے قریب پہنچ گئی تھی، جن میں سے ایک پر وقار بھائی بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

''جی بھائی۔'' وہ ان کے سامنے آ کر بولی، وقار نے اپنی سرخ اور بوجھل آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''بیٹھو۔'' وقار نے کرسی کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران سی کرسی پر ٹک گئی، اس کے لئے وقار کے تیور ناقابل فہم تھے، وقار چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہے، وہ کنفیوز ہوئی تھی۔

''آج کیا بات ہوئی تھی تمہاری، بخت سے۔'' انہوں نے ذرا رک کر اپنی بات پوری کی، علینہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

وقار کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ آ گئی اس کے تاثرات بتاتے تھے کہ لازماً کچھ تو ہوا تھا۔

''کون سی بات؟'' علینہ نے پوچھا۔

''جو تمہاری آج دس سے گیارہ بجے کے درمیان شاہ بخت سے ہوئی ہے۔'' وقار نے سرد لہجے میں کہا، علینہ کی پیشانی جل اٹھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔'' اس نے بدقت کہا۔

''شٹ اپ......'' وقار نے شدید برہم ہو کر مکہ میز پر مارا۔

''مجھے وہ بات بتاؤ جس نے بخت کو اتنا ڈپریس اور فرسٹریڈ کیا ہے جس کی وجہ سے وہ اس وقت I.C.U میں پڑا ہے، جانتی ہو کتنی سریس کنڈیشن ہے اس کی......؟'' ان کی آنکھیں جیسے جل رہی تھیں، چہرہ تنا ہوا اور تاثرات شدید برہم، علینہ کا رنگ اڑ گیا تھا۔

''I.C.U ...... کک...... کیا مطلب؟'' اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا۔

''علینہ...... علینہ...... مجھے بتاؤ کیا بات تھی، ایسی کون سی بات تھی جس نے اسے اس حال میں پہنچا دیا، خدا کے واسطے! بتاؤ مجھے۔'' وقار نے اذیت کے عالم میں اپنے بال نوچ ڈالے تھے، خوف اور دہشت سے علینہ کا سارا وجود کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگا۔

''یقین کریں بھائی وہ ایسی بات تو نہیں تھی۔'' علینہ نے اپنے ہاتھوں کی لرزش چھپاتے ہوئے کہا، وقار نے ایک نظر اس کے اڑے رنگ اور لرزتے وجود پر ڈالی، ان کا طیش یکدم بڑھا تھا۔

''وہ جیسی بھی بات تھی، تم بتاؤ مجھے۔'' وہ دھاڑے تھے، آنسو بہت بے اختیار ہو کر علینہ کے گالوں پر بہہ نکلے تھے، وقار نے آج تک اس سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔

''وہ میرے...... کمرے میں آئے تھے، وہ مجھے گھڑی دینا چاہتے تھے، جو وہ وہاں سے...... دوبئی سے...... لائے تھے...... میں نے کہا کہ...... مجھے اس کی ضرورت نہیں...... میرے پاس ہے۔'' س نے سسکتے ہوئے بمشکل آخرکار بات بتا دی۔

وقار کو شدت سے اپنے بے وقوف بنائے جانے کا احساس ہوا، بھلا یہ کون سی ایسی بات تھی جس پر وہ اتنی ٹینشن لے لیتا، انہوں نے بے یقین نظروں سے علینہ کو دیکھا۔

''صرف یہی بات تھی۔'' انہوں نے جیسے علینہ سے تصدیق کرنا چاہی۔

''جی...... صرف یہی بات تھی۔'' وہ ہاتھ کی پشت سے اپنے گال صاف کر رہی تھی۔

''صرف...... یہ بات تھی تو آخر اس کو ہوا کیا؟'' وہ پھر سے غصے میں آ گئے۔

''میرا یقین کریں بھائی، میں جھوٹ نہیں بول رہی۔'' وہ گھبرا کے وضاحت دینے لگی، وقار خاموش ہو کر چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''بھائی! انہیں ہوا کیا ہے؟'' علینہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''میگرین کا اٹیک، شوٹ بی پی، ڈاکٹرز کہتے ہیں اس کے کسی بات کی ٹینشن لی ہے۔'' انہوں نے خاموش ہو کر ایک بار پھر بغور علینہ کا چہرہ کھوجا، جیسے کچھ اخذ کرنا چاہتے ہوں، مگر اس کے تاثرات ہنوز وہی تھے، وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

''ٹھیک ہے، تم جاؤ۔'' وہ خاموشی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے، علینہ نے انہیں دیکھا اور بھاگنے والے انداز میں اٹھی اور اپنے کمرے میں آ گئی، دروازہ بند کر کے وہ وہیں زمین پر گر گئی، اس کا سانس غیر متوازن تھا اور وجود ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔

''میرے اللہ! میں نے یہ کب چاہا تھا؟ میں نے ایسا نہیں سوچا تھا۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ خود کو سنبھال کر اٹھی اور واش روم کی طرف بڑھ گئی، جب وہ واپس آئی تو کپڑے تبدیل ہو چکے تھے، دوپٹہ نماز کے سٹائل میں چہرے کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔

اس نے جائے نماز بچھا کر دو رکعت نماز حاجت کی نیت کی اور سر اس بارگاہ میں جھکا دیا جو

کائنات کا مالک ہے، نماز ادا کرتے ہی وہ سجدے میں گر کر پھر سے رونے لگی۔

''اللہ جی! آپ انہیں بالکل اچھا کر دیں، میں ان سے معافی مانگ لوں گی، میں ان کی گھڑی قبول کرلوں گی، آپ انہیں بالکل ٹھیک کر دیں، انہیں کچھ نہ ہو۔''

☆☆☆

اسید اس کے لئے اگلی شام گفٹ لایا تھا تب وہ لان میں بیٹھی اپنی کسی دوست کے ساتھ محو گفتگو تھی، وہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہے، جب اسے ماما نے آکر بتایا کہ اس کی دوست جاچکی ہے تب اس نے ریڈ ریپر میں لپٹا بکس اٹھایا اور ماما کو چائے کا کہہ کر لان میں چلا آیا۔

''ہائے اسید!'' وہ اسے دیکھتے ہی چہکی تھی۔

وہ بھی مسکرا کر اس کے سامنے تک گیا، آہستگی سے ہاتھ آگے بڑھایا اور بکس ٹیبل پر رکھ دیا، اس کے ساتھ سفید اور گلابی پھولوں والا وشنگ کارڈ بھی تھا، حبا بھرپور انداز میں چونکی اگلے ہی لمحے وہ حیرت اور خوشی سے بے توازن سی ہوگئی۔

''یہ...... میرے لئے؟'' اس نے گلنار ہوتے ہوئے تصدیق چاہی، اسید اس کی ایکسائٹمنٹ دیکھ کر ہنس دیا۔

''ہاں، تمہارے لئے۔'' حبا نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر دونوں چیزیں اٹھالیں، بکس گود میں رکھا اور کارڈ کھول لیا۔

Dear Hiba, ''
on-your success i wish
u that may God give
u a life full of happiness
''-jou and respect Usaid

وہ خوشی سے کھلی جارہی تھی، پھر اس نے بے تابی سے ڈبہ کھولا، سرخ رنگ کے چھوٹے سے کیس میں گولڈ کی ننھی منھی بالیاں جگمگا رہی تھیں۔

''اوہ...... اسید...... شکریہ...... بہت پیاری ہیں یہ۔'' وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی، پھر اس نے بالیاں ہاتھ میں لیں اور پہننے لگی اسید ایک بار پھر ہنس دیا تھا اس کی عجلت پر۔

بالیاں پہننے کے بعد اس نے اسید کی طرف دیکھا، اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر اسید نے تعریفی انداز میں سر ہلایا اور مسکرا دیا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' وہ بے ساختہ اپنی چیئر سے اٹھی اور آگے بڑھ کر بیٹھے ہوئے اسید سے لپٹ گئی۔

''آئی لو یو سو مچ اسید...... تھینک یو۔'' اسید کے مسکراتے لب یکلخت بھینچ گئے تھے اسے شدت سے تیمور کی وارننگ یاد آئی، اس نے آہستگی سے حبا کو خود سے الگ کیا اور اس کا سر سہلایا۔

''آئی لو یو ٹو سویٹو۔'' اس نے حبا کا گال تھپتھپایا، حبا کل کر ہنس دی، پھر فخر سے مسکرائی۔

''مجھے پتا ہے۔'' اب وہ اس کے سامنے ٹیبل پر بیٹھ چکی تھی، گلابی رنگ کے کڑھائی والے شلوار قمیض کے ساتھ لمبے سے دوپٹے کے ہمراہ وہ اپنے شانوں تک آتے بالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں جکڑے بے حد خوش نظر آرہی تھی، اسی وقت مرینہ چائے لے کر آگئیں، حبا انہیں اسید کا دیا گیا گفٹ دکھانے لگی۔

''میں اچھی لگ رہی ہوں ناں ماما؟'' وہ لاڈ سے ان کے گلے میں جھول گئی، مرینہ نے بے ساختہ اس کی پیشانی کو چوما۔

''میری بیٹی ہے ہی بہت پیاری۔''

''بالکل ماما ہماری حبا ہے ہی بہت پیاری

مجھے تم پر فخر ہے حبا۔'' اسید نے تفخر سے کہا تھا، حبا کے مسکراتے چہرے اور آنکھوں میں ڈھیروں ستارے اتر آئے، چائے بے حد خوشگوار ماحول میں پی گئی تھی، وہ تینوں ہنستے مسکراتے ایک کمپلیٹ ہپی فیملی کا تاثر تھے، بہت نارمل انداز میں باتیں کرتے ہوئے اسید اس کو فرسٹ ائیر سے ریلیٹڈ ٹیکنیکس اور کالج لائف پر سیر حاصل لیکچر دیتا رہا، وہ خاموشی اور تابعداری سے سر ہلاتی رہی، اسید کے ذہن میں تیمور کی باتیں بڑی وضاحت وسراحت سے محفوظ تھیں وہ جانتا تھا کہ حبا کی اس سے اتنی اٹیچمنٹ تیمور کو قطعی پسند نہ تھی اور اسے آئندہ یہ دھیان رکھنا تھا کہ وہ دھیرے دھیرے اسے خود سے اتنے غیر محسوس انداز میں الگ کر دے کہ وہ محسوس نہ کر سکے، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ ناممکن تھا، حبا کی صبح وشام اسید کے نام سے ہوتی تھی جب تک وہ پورے دن کے متعلق ایک ایک لفظ اسید کو نہ بتا دیتی اس کو چین نہیں آتا تھا وہ تو اسید کو اپنی طرف متوجہ کیئے بغیر بات نہیں کرتی تھی، تو پھر اس کی ہٹتی اور کم ہوتی توجہ کیسے برداشت کرسکتی تھی؟

فی الوقت اسید سخت الجھا ہوا اور پریشان تھا، اگرچہ اس کا مستقبل میں لاہور سیٹل ہونے کا ارادہ تھا، اس نے صرف تیمور سے بچنے کے لئے یہ فرار حاصل کرنا چاہا تھا، عنقریب اس کے ماسٹرز پارٹ ون کے ایگزامز تھے جن کے بعد اس کا لاہور چلے جانا تھا، ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا وہ صرف دو تین چھٹیوں کی تلاش میں رہتا اور لاہور بھاگنے کی کرتا، لاہور...... اس کا پیارا شہر، جو اسے کچھ عرصہ پہلے اتنا خاص، اتنا عزیز کبھی نہیں لگا تھا، مگر اب وہ وہاں جانے کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتا، وہاں اسید تھا اس کا مسیحا، اس کا دوست اس کا رہنما اور نفسیاتی تسکین کا سب سے بڑا سامان اور اسید

کئی سال پہلے کی طرح ایک بار پھر اس سے اپنا اور حبا کا تعلق ڈسکس کرنا چاہتا تھا۔

وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ وہ اپنے اور حبا کے اتنے پیارے رشتے پر تہمت کا ایک چھینٹا بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا اور تیمور احمد یہی تو کرنا چاہتے تھے یا شاید کر رہے تھے، اب یہ معاملہ اسید کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا اور اس سے پہلے کہ تیمور کے غصے اور جنون کی لپیٹ میں وہ دونوں آجاتے وہ اس مسئلے کو ہینڈل کر لینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

عائشہ کا فون آیا تو نا چاہتے ہوئے بھی وہ رونے لگی، انہوں نے یہی سمجھا کہ شاید وہ ان کے لئے اداس ہوگئی ہے، گھر والوں کو مس کر رہی ہے جبھی ایسا ہوا ہے مگر جب ان کے تسلی دینے پر وہ بری طرح بگڑ اٹھی تو وہ چونک گئیں تھیں۔

''ستارا! کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟ مہروز سے تو جھگڑا نہیں کرلیا؟'' وہ تشویش سے پوچھ رہی تھیں اور جواباً وہ کچھ نہ کہہ سکی بس چپ چاپ بے بسی سے روتی رہی۔

''اک بات کہوں آپی؟'' وہ بھاری لہجے میں کہنے لگی۔

''ہوں کہو۔''

''والدین اپنی بیٹی کو سب کچھ دے سکتے ہیں، جائیداد، دولت، ڈھیروں ڈھیر جہیز، مگر قسمت، قسمت تو نہیں دے سکتے نا۔'' وہ عجیب یاسیت بھرے لہجے میں کہنے لگی، عائشہ نے ایک طویل سانس لی۔

''ہاں سچ کہتی ہو تم، قسمت نہیں دے سکتے، مگر ستارا! وہ کوشش تو کرتے ہیں نا کہ وہ اپنی بیٹی کے لئے بہت اچا گھر اور اچھا سا انسان ڈھونڈیں، کیا ایسا نہیں ہے؟'' عائشہ نے سوال

کیا۔

"ہوں...... کوشش...... مگر آپی اتنی دور بیٹھے ہوئے انسان کے متعلق کیا جان سکتے ہیں، کیسے جان سکتے ہیں؟ اور کون تصدیق کرتا ہے ان کی چھان بین کی؟ کوئی بھی نہیں بلکہ اس کے بجائے بچارے والدین کو صرف ان معلومات پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جو انہیں لڑکے کے گھر والے مہیا کرتے ہیں، کوئی یہ نہیں سوچتا کہ لڑکی کو کل کو کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تو وہ کس کا منہ دیکھے گی؟ بس اس پر خوش ہوتے رہتے ہیں، فخر کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی "باہر" چلی جائے گی۔" وہ رندھی آواز میں کہہ رہی تھی، عائشہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا وہ جیسے سوچنے پر مجبور ہو گئیں کہ یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے کہ مصداق یہ تمہید کیا کسی دل دہلا دینے والی حقیقت کا پیش خیمہ تھی؟

"ارے نہیں پگلی! قسمت بھی تو کوئی چیز ہے نا کہ نہیں؟ اور والدین اپنی طرف سے تو یقیناً اچھا ہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" عائشہ کا انداز تسلی بھرا تھا۔

"اور قسمت ہمیشہ ساتھ دے، ضروری تو نہیں۔" ستارا نے طنزیہ کہا، عائشہ ایک بار پھر چونک گئیں تھیں، یقیناً کچھ نہ کچھ تو تھا جو کھٹک رہا تھا۔

"ستارا! دیکھو کیا بات ہے؟ مجھے تو بتاؤ، شاید میں کچھ حل نکال سکوں، اس طرح پریشان ہونے کا کیا فائدہ؟ چلو شاباش، بتاؤ مجھے۔" انہوں نے پیار سے پچکارا تھا، ستارا نے چور نظروں سے دروازے کی سمت دیکھا، مہروز گھر پہ ہی تھا مگر دوسرے کمرے میں بند۔

"میں بہت پریشان ہوں آپی! بہت زیادہ، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا میں آپ کو کیسے بتاؤں؟" وہ بے بسی سے کہتی رو پڑی۔

"ایسی کون سی بات ہے؟" وہ ٹھٹک گئیں۔

"مہروز اچھا انسان نہیں ہے آپی، وہ بالکل اچھا نہیں ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ وہ...... کیا چاہتا ہے مجھ سے، مجھے شرم آ رہی ہے، میں آپ کو کیا بتاؤں کہ وہ...... وہ شراب پیتا ہے اور...... اس کے دوسری عورتوں کے ساتھ...... میں کیا کروں آپی۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہتی رونے لگی، عائشہ پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا، کتنی دیر ان سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ستارا! میرے خدا مجھے یقین نہیں ہو رہا۔" وہ بے یقینی سے گویا تھیں، وہ بنا کچھ کہے سسکیاں لیتی رہی۔

"یہی سچ ہے آپی! یہی تو سچ ہے، آپ نہیں جانتیں میری کیا حالت ہو چکی ہے، مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی، ہر وقت بس یہی خیال رہتا ہے کہ کوئی ایسا موقع ہو کچھ ایسا ہو کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں، کہیں بہت دور کسی تاریک کھائی میں گر کر جان دے دوں اور تب شاید میرا من سکون پا جائے۔" وہ از حد دلگیر اور دلسوز لہجے میں شکوہ کناں تھی۔

عائشہ کی آنکھوں سے کتنے ہی خاموش آنسو بہہ گئے، ان کے پاس تو ستارا کو دینے کے لیے جھوٹی تسلی بھی نہیں تھی، مگر ستارا کے آنسو جیسے ان کی برداشت کا امتحان تھے۔

"بس کرو ستارا میری پیاری بہن، بس کرو نہ روؤ، انشا اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، اللہ سے دعا مانگو، میں اماں جان سے بات کروں......؟" وہ کہنے لگیں۔

"نہیں آپی! بالکل نہیں، ایسا مت کیجیے گا، ہماری اماں تو برداشت ہی نہیں کر پائیں گی۔" ستارا نے فی الفور ٹوکا تھا۔

"کیا تمہاری ساس کو پتا ہے؟" عائشہ کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ نہیں اور اگر ہو بھی تو کیا کر سکتی ہیں؟" ستارا کے لہجے میں یاسیت تھی۔

"تم اسے روکنے کی کوشش کرو ناں، بیویاں تو شوہروں سے سب منوا لیتی ہیں، تم اپنی محبت سے اس کی عادتیں بدل دو ناں۔" عائشہ نے جوش سے کہا، ستارا کے لبوں پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں آپی! میں اسے بدل لوں گی، بس آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں کہ آپ کسی سے کچھ نہیں کہیں گی پلیز آپی، میں آپ سب کو پریشان نہیں کرنا چاہتی، یہ تو بس آپ کو بھی اس لئے بتا دیا ہے کہ میرے اندر اتنا غبار اکٹھا ہو چکا تھا کہ اگر میں کسی سے شیئر نہ کرتی تو شاید اندر ہی اندر گھل گھل کر ختم ہو جاتی۔" وہ پھر رو دی تھی، عائشہ اسے دیر تک تسلیاں اور دلاسے دیتی رہی تھیں مگر اپنے لہجے کی لڑکھڑاہٹ اور کھوکھلے پن کا انہیں خود بھی اندازہ تھا جبھی کچھ دیر بعد فون بند کر دیا تھا۔

ستارا کال بند ہونے کے بعد بھی کتنی ہی دیر تک گم صم بیٹھی رہی، اس نے عائشہ کو غیر ارادی طور پر سب بتا تو دیا تھا مگر یہ تا حال راز تھا کہ مہروز کی ستارا سے "ڈیمانڈ" کیا تھی۔

کل سے نوفل بھی بنکاک گیا ہوا تھا اور اس نے ستارا کو یہی بتایا تھا کہ وہ اپنے ورکشاپ کے مالک کے ساتھ جا رہا ہے، بہت ممکن تھا کہ وہ آج فون نہ کرتا، ستارا کتنی دیر سپاٹ انداز میں بیٹھی سامنے دیوار کو گھورتی رہی پھر اٹھی اور کچن میں چلی گئی، وہ چائے بنانا چاہتی تھی اور اس کے سر میں ٹینشن اور پریشر کی وجہ سے سخت درد ہو رہا تھا، مہروز کا رویہ ہنوز پراسرار پردوں کی لپیٹ میں تھا اور ستارا کے سامنے ایک بڑا سا سوالیہ نشان منہ کھولے کھڑا تھا۔

کیا کرے گی وہ......؟

مہروز کے ساتھ سمجھوتہ......؟

یا پھر......؟

اور اس "یا پھر......" کے بعد ایک تاریک خلا تھا۔

☆☆☆

وقار ایک بار پھر ڈاکٹر سلطان کے کمرے میں موجود تھے، دن کے چار بج رہے تھے، سہ پہر ڈھل رہی تھی، ہاسپٹل کا مخصوص ماحول، وحشت ناک خاموشی اور دوائیوں کی بو، بے جان تاثر لیئے ہوئے نرسیں اور ڈاکٹر، اور ان کے پیچھے بھاگتے مریضوں کے لواحقین، بڑا روایتی سا منظر تھا عباس نے تھک کر کوریڈور سے ٹیک لگا لی، سامنے ہی بینچ پر چچی جان تسبیح کرنے میں مشغول تھیں، ان کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

شاہ بخت کو ہنوز ٹرینکولائزر کے زیر اثر رکھا گیا تھا، تقریباً "مغل ہاؤس" کے سبھی مکین اسے دیکھنے ہاسپٹل کا چکر لگا چکے تھے اس وقت ہاسپٹل میں صرف یہی تین نفوس تھے۔

وقار نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ڈاکٹر سلطان کا چہرہ جانچا، وہاں کے تاثرات ہنوز بے تاثر تھے وہ کچھ اندازہ لگانے میں ناکام رہے، ڈاکٹر سلطان نے سامنے پڑی سرخ کور والی فائل کھولی اور پوائنٹر سے ایک سطر انڈر لائن کی اور فائل وقار کی طرف کھسکا دی، وقار نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور فائل کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

"تم بہت غلط کر رہی ہو عینا۔" وقار نے بلند آواز میں سطر کو پڑھا، پھر الجھی ہوئی نظروں سے

انہیں دیکھا۔
"یہ وہ واحد فقرہ ہے جو ہوش کی سرحدوں پر آتے ہوئے شاہ بخت کے لبوں سے ادا ہوا ہے۔" انہوں نے فائل اپنی طرف کھسکاتے ہوئے وقار کو بتایا۔
"آپ کو یاد ہے مسٹر وقار، آپ نے کہا تھا لڑکی کا کوئی معاملہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر سلطان کا لہجہ جتاتا ہوا تھا، وقار تو پہلے ہی الجھے ہوئے تھے اب مزید حیران رہ گئے۔
"کیا آپ کے علم میں ہے کہ یہ 'عینا' کون ہے؟"
"نہیں...... مجھے علم......" وقار جو انکار کرنے جا رہے تھے یکدم چونک کر خاموش رہ گئے ان کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔
"علینہ میری چچا زاد ہے۔" وقار نے دھیمے لہجے میں کہا۔
ڈاکٹر سلطان بڑے بھرپور طریقے سے چونکے، "تو گویا بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔" انہوں نے وقار کا بدلا اور پریشان چہرہ دیکھ کر سوچا۔
"میرے خیال سے اب آپ مجھے تفصیل بتا سکتے ہیں، لیکن ایک منٹ لیٹ می سم تھنگ ویری کلیئر، پتا نہیں آپ لوگ ڈاکٹرز کو اتنا بے وقوف کیوں سمجھتے ہیں، سب سچ کیوں نہیں بتاتے، عام لوگوں کی بات تو میں نہیں کرتا لیکن آپ تو پڑھے لکھے ہیں، کیوں آپ نے مجھ سے چھپانا چاہا؟" ڈاکٹر سلطان کا لہجہ خفا تھا۔
"سچ تو یہ ہے سر! کہ مجھے رات کو ہی پتا چلا کہ اس کی 'علینہ' کے ساتھ کوئی بات ہوئی ہے لیکن، میں پریشان تھا اور ہوں کیونکہ وہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کوئی ایسی اسپیشل بات جو اس کی کنڈیشن سے ریلیٹ کر سکے، میں تو خود بہت ٹینس ہوں رات سے۔" وقار نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔
"وہ کیا بات تھی؟"
"وہ علینہ کو کوئی تحفہ دینا چاہ رہا تھا جو اس نے نہیں لیا۔"
"ہو سکتا ہے علینہ نے آپ کو غلط بیانی کی ہو، درحقیقت بات کچھ اور ہو......؟"
"جی نہیں، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن پھر بھی اگر آپ تسلی کرنا چاہتے ہیں تو میں اسے یہاں بلوا لیتا ہوں، آپ اس سے اچھی طرح پوچھ لیجئے گا۔" وقار نے کہا۔
"ہوں ڈیٹس بیٹر آئیڈیا، ٹھیک ہے آپ انہیں بلوائیے۔" ڈاکٹر سلطان نے کہا۔
وہ سر ہلا کر شاہ بخت کی موجودہ کنڈیشن پر بات کرنے لگے، جو کہ رات کی نسبت اب بہتر تھی، کچھ دیر بعد وہ باہر آئے اور عباس سے کچھ دیر بات کرتے رہے، عباس سر ہلاتا رہا پھر پاکٹ میں سے بائیک کی چابی کی موجودگی کا یقین کرتا تیز قدموں سے باہر نکل گیا، وقار چچی جان کے پاس آ گئے۔
"حوصلہ کریں چچی جان! اب وہ ٹھیک ہے۔" وقار نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔
"کیسے حوصلہ کروں وقار! ایک یہاں پڑا ہے اور دوسرا وہاں اتنی دور کہ اسے دیکھ بھی نہیں سکتی۔" نا چاہتے ہوئے بھی ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، وقار نے ان کے شانے کے گرد بازو پھیلایا۔
"ہم بھی تو آپ ہی کے بیٹے ہیں۔"
"تمہیں دیکھ کر ہی تو تسلی ہوتی ہے دل کو میرے بچے۔" انہوں نے وقار کی پیشانی کو چوما، وقار کے اندر ایک ٹھنڈک سی اتر آئی۔
"میں آپ کو کیا بتاؤں چچی جان مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے یہ سوچ کر پہلے نواز اور اب ایاز، آپ نے سبین کو دیکھا ہے کیسی پیلی پڑ گئی ہے، سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے جب ایاز راضی نہیں تھا تو پھر کیوں نبیلہ چچی نے زبردستی کی؟" وقار کے لہجے میں دکھ تھا، چچی جان نے ایک سرد آہ بھری۔
"ٹھیک کہتے ہو بیٹا، نبیلہ آپا کو میں نے بھی سمجھانا چاہا تھا مگر وہ نہیں مانی۔" وقتی طور پر موضوع گفتگو بدل گیا تھا۔
"یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایاز کی طبیعت میں ضد اور ہٹ دھرمی کوٹ کوٹ کر بھری ہے، اس سے بہتر یہ ہوتا کہ وہ کچھ عرصہ انتظار کر لیتیں، آخر عباس بھی تو تھا، وہ پریکٹیکل لائف میں آتا تو ہم اسے عباس کے لئے مانگ لیتے، کون سا سبین کی عمر نکلی جا رہی تھی، عباس اور ایاز کی عادتوں میں بہت فرق ہے، عباس ذرا مختلف طبیعت کا ہے، اب ایاز کو دیکھ لیں، دو ماہ میں کتنے فون آئے ہیں اس کے، گنتی کے تین چار، جب بھی کریں ہم کریں، مجھے نہیں لگتا وہ سبین کو فون کرتا ہے۔" وقار کے انداز میں کیا نہیں تھا، تلخی، خدشے، غصہ سب کچھ، چچی جان چونک سی گئیں۔
"آج کے بعد ایسی بات منہ سے نہ نکالنا وقار! کیوں مانگتے ہم اسے عباس کے لئے، وہ جس کی قسمت میں تھی اس کے نام پر اس گھر میں آ گئی، اب باقی باتیں بے کار ہیں۔" وہ سر جھٹک کر کہنے لگیں۔
وقار تائیدی انداز میں سر ہلا کر چپ ہو گئے، مگر ایک پھانس دونوں کے دلوں میں گڑھ کر رہ گئی تھی، گھر میں اب کون بچا تھا، جو یہ نہ جانتا ہو کہ سبین کیسی اجاڑ اور ویران زندگی بسر کر رہی تھی، سنگھار کے نام پر ایک چھلا تک نہ تھا اس کے ہاتھوں میں، کہنے کو وہ دو ماہ کی بیاہتا تھی مگر ایسا سادہ حلیہ کہ لگتا سالوں گزر گئے ہوں، نبیلہ چچی بھی چپ رہتیں، سنگھار کرنے کو کہتیں بھی تو کس کے نام پر، جو شوہر تھا وہ تو اتنی دور بیٹھا تھا۔
اسی وقت عباس کی صورت کوریڈور میں نظر آئی، اس کے پیچھے علینہ بھی تھی، سفید شلوار سوٹ اور سیاہ دوپٹہ سینے پہ پھیلائے اس کے شانوں تک آتے بال کیچر میں جکڑے ہوئے تھے، چہرے سے ہی ہراساں اور پریشان نظر آ رہی تھی، وقار کے قریب آ کر اس نے سلام کیا، وقار نے جواباً سر ہلاتے ہوئے اسے ساتھ آنے کا اشارہ کیا، ڈاکٹر سلطان کے کمرے میں پہنچ کر وقار نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"سر! یہ علینہ ہے۔" وقار نے کہا، ان کی نگاہوں میں حیرت در آئی، انہوں نے بغور اس کا جائزہ لیا، اس کے نقوش میں اتنی معصومیت تھی اور وہ اتنی پریشان لگ رہی تھی کہ انہیں اس پر ترس آیا تھا۔
"بیٹھیں آپ۔" انہوں نے علینہ کو اشارہ کیا اور ساتھ ہی وقار کو جانے کا اشارہ کیا، وقار خاموشی سے باہر نکل گئے، علینہ نے اضطرابی انداز میں انہیں جاتے دیکھا۔
"علینہ! آپ میری بیٹی جیسی ہیں، گھبرایئے مت میں صرف آپ سے چند سوال پوچھوں گا۔" انہوں نے بہت سلجھے انداز میں علینہ کو ریلیکس کرنا چاہا، علینہ نے بے تابی سے ہونٹ کچلے۔
"کیسی باتیں......؟"
"اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ بس کچھ عام سی باتیں ہیں آپ کی فیملی کے متعلق۔" انہوں نے کہا۔
دراصل شاہ بخت کا کیس شروع سے ہی ان کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گیا تھا، ایک نا معلوم سی کشش تھی جو انہیں شاہ بخت کی طرف کھینچتی تھی، انہیں اس کی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی شاید کچھ لوگ ہی

اس قدر مقناطیسی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں کہ ان سے ملنے والا ہر شخص ان کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے، وہ چند ماہ پہلے ہی ان کے پاس لایا گیا تھا، تب اسے میگرین (آدھے سر کا درد) کا پہلا اٹیک ہوا تھا۔

اور اب دوسری مرتبہ، وہ اس کے گھر والوں کی پریشانی، خوف اور ہراساں چہرے دیکھ کر کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے تھے، وہ ہمیشہ جسمانی علاج سے زیادہ ذہنی علاج پر زور دیتے تھے ان کا کہنا تھا کہ معمولی سے سر درد کی صورت میں بجائے میڈیسن لینے کی وجہ کام کی مسلسل ٹینشن، آرام کی کمی یا کوئی ذہنی دباؤ ہو اور وجہ ختم ہونے کی صورت میں درد خود بخود ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆

اس وقت بھی وہ علینہ کو دیکھتے ہی جان گئے تھے کہ شاہ بخت آخر کیوں اس کے لئے اتنا دیوانہ ہوا جا رہا تھا، وہ تھی ہی ایسی، چمکدار آنکھیں، لرزتے ہوئے سرخ لب جنہیں وہ بار بار بھینچ رہی تھی، چھوٹی سی چائنیز ٹائپ ناک جو ضبط کرتے کرتے سرخ ہو چلی تھی اور موی ہاتھ جنہیں وہ بار بار چٹخا رہی تھی اور جن کی کپکپاہٹ واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔

انہوں نے پانی گلاس میں ڈالا اور گلاس اس کے نزدیک رکھ دیا، علینہ نے ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھا اور گلاس اٹھا کر ایک سانس میں خالی کر دیا گلاس واپس رکھتے ہوئے دائیں ہاتھ کی پشت سے لبوں کو صاف کیا، اب اس کی حالت بتدریج سنبھلتی ہوئی نظر آ رہی تھی، خاموشی کا ایک مختصر وقفہ درمیان میں آیا اور ختم ہو گیا۔

"علینہ......!"

"جی...... جی سر!"

"آپ کی اپنے گھر میں سب سے زیادہ اٹیچ منٹ کس کے ساتھ ہے؟" انہوں نے سامنے رکھے رائٹنگ پیڈ پر کچھ لکھتے ہوئے عام سے لہجے میں سوال کیا۔

"کسی کے ساتھ نہیں۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔"

"آپ کا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے، آپ کی کزنز، بھابھیاں، بہنیں کسی کے ساتھ بھی نہیں؟"

"نہیں۔" وہ سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے ٹیبل کی سطح پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"اگر آپ کو کوئی بہت پرسنل بات کسی سے شیئر کرنا ہو تب کیا کرتی ہیں؟"

"میں دو رکعت نماز ادا کرتی ہوں اور سب کچھ اللہ تعالیٰ سے کہہ دیتی ہوں۔"

"گھر میں آپ کو کس نام سے بلایا جاتا ہے؟"

"علینہ ہی کہا جاتا ہے۔"

"کوئی نک نیم؟"

"جی نہیں۔"

"آپ کے گھر میں "شاہ بخت" سب سے زیادہ کس کے قریب ہے؟" علینہ اس بار قدرے چونک کر انہیں دیکھا، پھر بولی۔

"وقار بھائی کے۔"

"اور یونیورسٹی وغیرہ میں، کوئی خاص دوست؟"

"رمشہ آپی!"

"بس......؟"

"عباس بھائی۔"

"زیادہ قریب کس کے ہے؟ رمشہ یا عباس؟"

"میں نہیں جانتی۔" علینہ نے لاتعلقی سے شانے جھٹکے، اس کے چہرے سے یکلخت چھلکتی سرد مہری ڈاکٹر سلطان سے چھپی نہیں تھی۔

"آپ گھر میں سب سے چھوٹی ہیں تو تعلقات کیسے ہیں باقی سب سے؟"

"اچھے، بہت اچھے یا بس نارمل؟"

"نارمل۔"

"کیوں؟ اچھے کیوں نہیں ہیں؟"

"کیونکہ میں گھر میں سب سے چھوٹی ہوں، کسی بھی محفل یا ٹریٹ میں میری موجودگی قطعی غیر ضروری ہے۔" علینہ کے لہجے میں تلخی تھی۔

"اسٹڈیز میں کیسی ہیں آپ؟"

"بس نارمل۔"

"کبھی دل نہیں چاہا پوزیشن لینے کو؟"

"نہیں، کیا کرنا ہے لے کر، جب پاس ہونے اور فرسٹ آنے پر ایک ہی ری ایکشن ہے تو۔" وہ عام سے انداز میں بولی۔

"شاہ بخت سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟" وہ چونکے بغیر ٹیبل کی سطح کو دیکھتی رہی، یوں جیسے اسے ان سے اس سوال کی توقع تھی۔

"بہت برے۔"

"کیوں؟"

"آپ مجھ سے کیا جاننا چاہتے ہیں؟" علینہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس رات کی سچوئیشن کا پس منظر؟" انہوں نے جارحانہ انداز اختیار کیا، علینہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"پس منظر...... کیا ہے پس منظر؟"

"وہ سچائی جو صرف آپ جانتی ہیں علینہ احمر۔"

"سچ۔" علینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"سچ تو یہ ہے کہ وہ مجھے ٹریپ کرنا چاہتا ہے، وہ بارہا ایسی حرکتیں کر چکا ہے اور معاف کیجئے گا ڈاکٹر! میں کم عمر اور بے وقوف ضرور ہوں لیکن بہرحال ایک لڑکی ہوں، جس کی حسیں اس معاملے میں بہت شارپ ہوتی ہیں، آپ جانتے ہیں وہ رمشہ آپی میں انوالو ہے، ہر وقت وہ دونوں ساتھ میں ہوتے ہیں، ایسے میں وہ صرف میرے ساتھ اس لئے ایسا کر رہا ہے کیونکہ وہ مجھ سے بدلا لینا چاہتا ہے۔"

"کیسا بدلہ؟" وہ بری طرح چونکے۔

"کیونکہ میں اسے اگنور کرتی ہوں اور یہی بات اس کی انا کا مسئلہ بن چکی ہے، وہ ہر صورت مجھے اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے، ورنہ آپ ہی بتایئے وہ صرف میرے لئے وہ گھڑی کیوں لایا؟ جبکہ ہمہ وقت وہ رمشہ آپی کے ساتھ ہوتا ہے، آخر وہ ان کے لئے کچھ کیوں نہیں لایا، میں کیوں لیتی اس کا تحفہ؟ میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ اٹھا کر اس کے منہ پر مار دوں۔" علینہ کا لہجہ انتہائی بدتمیزی اور غم وغصہ لئے ہوئے تھا، اس کا سب سے بڑا ثبوت شاہ بخت کو "تم" بلانا تھا، وہ بڑے دھڑلے سے اسے "تم" کہہ رہی تھی۔

"وہ آپ کو 'عینا' کہتا ہے؟" ان کا اگلا سوال نہایت چونکانے والا تھا۔

"یہ اس کا خود ساختہ نام ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔

"آپ کے گھر والے آپ کے ساتھ اس قسم کا رویہ رکھتے ہیں اور آپ کو لگتا ہے کہ اس کا ذمہ دار "شاہ بخت" ہے؟"

"جس طرح میں گھر کی سب سے آخری بیٹی ہوں، اسی طرح وہ گھر کا بیٹا ہے، فرق تو واضح ہے۔" وہ "بیٹا" ہے اور میں "بیٹی"۔"

"لیکن اس کے باوجود سب شاہ بخت کو اہمیت دیتے ہیں کیوں؟"

"اس کیوں کا جواب آپ کو وقار بھائی ہی

دے سکتے ہیں۔'' علینہ کا لہجہ از حد تلخ تھا۔
ڈاکٹر سلطان نے ایک گہرا سانس لے کر سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔
''شاہ بخت کا کردار ایسا ہے آپ کے نزدیک؟'' بڑا کاٹ دار سوال تھا۔
''ٹھیک ہے۔''
''کیا اس نے کبھی آپ سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی؟ آخر آپ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔'' علینہ کا رنگ سرخ پڑا تھا اسے یکلخت لگا جیسے اس کے گالوں سے تپش پھوٹ پڑی ہو، اس کی نظر بے اختیار جھک گئی۔
''جی نہیں۔''
''کیا آپ شاہ بخت کو اس لئے اگنور کرتی ہیں کیونکہ وہ رمشہ میں انوالو ہے؟'' علینہ ساکت سی انہیں دیکھتی رہی، اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، ڈاکٹر سلطان جو اس کے چہرے کے ایک ایک تاثر کو بغور جانچ رہے تھے ان کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی۔
''مغل ہاؤس میں شاہ بخت کو ملنے والی ایکسٹرا توجہ اور محبت آپ کو کھٹکتی ہے کیونکہ آپ کو اگنور کیا جاتا ہے، ان کی کامیابیوں کو سراہا جاتا ہے کیونکہ وہ اس گھر کے بیٹے ہیں اور آپ کو کوئی انکریج نہیں کرتا، آپ کو یہ بات بھی بری لگتی ہے کہ وہ رمشہ کے ساتھ انوالو ہے اسی لئے آپ اسے قطعاً برداشت نہیں کر سکتیں، آپ نے انہیں ہمیشہ ڈس ہارٹ کیا، ان کی تحقیر کی، انہیں احساس دلایا کہ آپ کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں اور وہ کچھ بھی کرتے رہیں آپ متاثر نہیں ہو سکتیں، آپ اپنے اندر کے احساسات کو بری طرح کچل ڈالنا چاہتی ہیں کیونکہ شکست آپ کو قبول نہیں۔'' ڈاکٹر سلطان نے سامنے رکھے رائٹنگ پیڈ پر لکھے ہوئے نکات کی نیوز بیسن مانند پڑھا تھا۔
''حقیقت یہ ہے علینہ احمر مغل کہ آپ شاہ بخت مغل سے محبت کرتی ہیں، اتنی زیادہ، اتنی بے حساب کہ خود ہی اپنے راستے کی دیوار بن بیٹھی ہیں۔'' ڈاکٹر سلطان کے لبوں پر مسٹری حل کرنے کے بعد والی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، علینہ کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گی۔

☆☆☆

اسد نے کافی کا مگ اسید کے سامنے رکھا اور دھیرے سے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا، اسید چونک کر متوجہ ہوا۔
''کیا بات ہے اسید؟ میں دیکھ رہا ہوں جب سے تم آئے ہو اسی طرح گم صم ہو، کیا بات ہے مجھے تو بتاؤ؟'' اسد نے پرخلوص لہجے میں کہتے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔
''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اسید نے مسکرانے کی کوشش کی جو بری طرح ناکام ہوئی اس کے ہونٹ بس ہلکا سا پھیل کر سمٹ گئے، اسد نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں، خاموشی سے مگ کے کناروں پر انگلی پھیرتا رہا۔
''میں بہت پریشان ہوں اسد! لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں؟ مجھے تو وہ بات یاد کرتے ہوئے خود سے بھی حیا آ رہی ہے۔'' اسید کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ ہو رہے تھے اور لب بھینچے ہوئے۔
''آخر ایسی کیا بات ہو گئی، کیا تیمور انکل نے پھر کچھ کہا؟'' اسد نے پوچھا، اسید جواب دینے کی بجائے خاموشی سے کافی کے مگ پر پھیلی جھاگ کو دیکھتا رہا۔
''میں سوچتا ہوں اسد! اس شخص کی سوچ کی گھٹیا پن کی انتہا ہے بھی یا نہیں؟''
''کیا مطلب؟'' اسد بری طرح چونکا، یوں تو وہ کبھی بات نہیں کرتا تھا۔
''وہ سمجھتا ہے میں حبا کو ورغلا رہا ہوں۔'' اسید کا لہجہ آنچ دے رہا تھا۔
''کیسے لہجے میں بات کر رہے ہو؟'' اسد نے فوراً گرکھا۔
''وہ اسی قابل ہے، تم سوچ نہیں سکتے اسد! میں کس قدر پریشان ہوں حبا میری بہن ہے اور ایسا میں صرف کہتا ہی نہیں سمجھتا بھی ہوں، مگر تیمور احمد! پتا نہیں اس شخص کی نفرت کی انتہا کیا ہے؟'' اسید نے تلخی سے کہا۔
''نفرتیں، کدورتیں اور دشمنیاں رشتوں کو صرف آلودہ کرتی ہیں اسید! تم ابھی بہت چھوٹے ہو، ان منفی سوچوں کو دل میں جگہ دو گے تو زندگی کیسے گزارو گے؟ اپنا ذہن مثبت رکھو، تیمور انکل کی باتوں پر زیادہ دھیان مت دیا کرو، تمہارے اور حبا کے بیچ خالصتاً ایک پاکیزہ رشتہ ہے، جسے تم دونوں مل کر ہی برقرار رکھ سکتے ہو اور جب تمہاری نیت ٹھیک ہے تو پھر کیا مسئلہ ہے ویسے بھی خدا دلوں کے حال جانتا ہے، تم اسے سچے دل سے اپنی بہن مانتے ہو، اس رشتے کے تقاضے سمجھتے ہو تو بس ٹھیک ہے تمہارے لئے یہی کافی ہونا چاہیے۔'' اسد کے لفظ لفظ سے اس کے لئے محبت پھوٹ رہی تھی، انداز اتنا پیارا اور نصیحت آمیز تھا کہ اسید کے دل پر نقش ہو گیا۔
''تم ٹھیک کہتے ہو اسد! مگر مجھے حبا کی فکر ہے، وہ اتنی معصوم ہے اتنی پیاری ہے کہ میں قطعاً اس پر کوئی غلط الزام برداشت نہیں کر سکتا تم سوچ نہیں سکتے اس کی بول چال اس کی عادتیں کتنی پیاری ہیں وہ تو میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی اسد! میں اسے کیسے خود سے دور کر دوں؟ اسے تو بس میری انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت ہے اور ابھی تو وہ خود سے چلنا سیکھ رہی ہے میں اس کا ہاتھ نہیں چھوڑ سکتا۔'' اسید نے تھکے لہجے میں کہا۔
''حقیقت یہ ہے کہ ہم سب ایک دائرے میں بھاگتے رہتے ہیں اور جانتے ہو دائرے میں بھاگتے ہوئے یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ کون کس کے پیچھے بھاگ رہا ہے، حبا تمہارے پیچھے، تم مرینہ پھپھو کے پیچھے، مرینہ پھپھو، تیمور انکل کے پیچھے اور تیمور انکل حبا کے پیچھے۔'' اسد رک گیا۔
''تم چاہتے ہو میں اس دائرے سے نکل آؤں؟''
''ہاں، کیونکہ اس میں کہیں، تمہاری جگہ نہیں ہے۔'' سچ تلخ تھا مگر تھا تو سچ، اسید کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
''مگر میں ماما اور حبا کے بغیر نہیں رہ سکتا اسد۔'' وہ تڑپ کر بولا تھا۔
''تو پھر تم تیمور انکل کو برداشت کرنا سیکھ لو۔'' اسد نے دو ٹوک انداز میں کہا، اسید پل بھر کو چپ رہ گیا۔
''میں کیوں سیکھوں گا اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں، پچھلے سترہ سالوں سے میں اور کیا کر رہا ہوں۔'' اس کا لہجہ بے بس تھا، اسد نے تسلی آمیز انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا، اسید نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔
''میں اپنے پاپا کو نہیں جانتا اسد! میرا ان سے کوئی تعارف نہیں، میں نہیں جانتا وہ کیسے تھے ماما نے ان کے بارے میں کبھی بات نہیں کی، لیکن تیمور احمد نے بارہا بات کی ہے، انہوں نے مجھے بتایا کہ میرا باپ کتنا غلط انسان تھا۔'' اسید نے ضبط کی شدت سے یوں ہونٹ کاٹا کہ خون چھلک اٹھا۔
''انہوں نے مجھے بارہا گالیاں دیں ہیں

اسد! بہت بار تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھر کو چھوڑ دوں مگر میں اس خواہش پر عمل نہیں کر پاتا کیونکہ اس گھر میں ماما ہیں، حبا ہے، پتا ہے ماما کہتی ہیں اسید جن کے باپ مر جاتے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے یتیم ہو جاتے ہیں، میں جانتا ہوں مجھے ساری زندگی اس کمی کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہے، اس رشتے کے بغیر رہنا ہے میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں میں یتیم ہوں اور مجھے اس چیز کو فیس کرنا ہے، میں جانتا ہوں۔" وہ کرب سے کہہ رہا تھا اور آنسو قطار در قطار اس کے گالوں پر بہتے ہوئے اس کے ٹیبل پر رکھے ہاتھوں پہ گر رہے تھے۔

"جب میری ماما کے دل میں اتنی وسعت تھی کہ وہ حبا کو حقیقی بیٹی کی طرح اپنا لیں تو تیمور احمد میں کیوں نہیں تھی مجھے اپنانے کی......؟ کیوں......؟" اسد نے آہستگی سے اس کے گال پونچھے اور اسے خود میں بھینچ لیا۔

"بس کرو اسید، خدارا بس کرو، میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔" اسید کسی بچے کی مانند اس سے لپٹ گیا۔

"ایک بات ہمیشہ کے لئے اپنے دماغ میں بٹھا لو اسید! خدا نے محبت کرنے، وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا فن صرف عورت کو ودیعت کیا ہے، یہ صرف عورت کا ہی وصف ہے، محبت کرنا، اس کی شدت میں خود کو فنا کر دینا اور اس کو آب حیات کی مانند پی جانا صرف عورت کا فن ہے، مرد میں اتنا حوصلہ نہیں ہوتا میرے یار، ہم مرد لوگ بڑے کم ظرف اور تنگ دل ہوتے ہیں، ہم محبت نہیں کر سکتے اسی لئے تو جب مرد محبت کرتا ہے تو دیوداس بن جاتا ہے، مجنوں کی مانند صحرا کی خاک چھاننے نکل پڑتا ہے کیونکہ مرد میں محبت کرنے کا حوصلہ ہی نہیں ہے، وہ شدت ہی نہیں ہے۔" اسد نے اس کے شانے سہلاتے ہوئے اس کو خود سے الگ کیا پھر جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

اسید نے گلاس خالی کیا اور اٹھ کر کچن کے سنک کی طرف بڑھ گیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی کچن میں آئے اور اس کے متورم چہرے کی وجہ پوچھے، اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا، نہ کوئی جواز۔

اسد نے دیکھا وہ کسی روبوٹ کی مانند پانی ہاتھوں میں بھر بھر کر چھینٹے مارتا جا رہا تھا، اس کا میکانکی انداز اس کی ذہنی شکستگی اور توڑ پھوڑ کو ظاہر کر رہا تھا۔

☆☆☆

دو دن کے بعد نوفل کا فون آیا تو وہ جو ذہنی دباؤ اور تکلیف وہ انتظار کی زد میں تھی پھٹ پڑی۔

"کہاں تھے تم؟ پتا ہے میں کتنی پریشان تھی؟ مگر تمہیں کیا فرق پڑتا ہے، میں ہی پاگل ہوں ناں جو......" وہ تڑخ کر بلند آواز میں چلا رہی تھی اور اس دوان یکسر یہ فراموش کر گئی کہ مہروز گھر میں ہی تھا ویسے بھی ابھی بس رات کے دس ہی بجے تھے۔

"تارا...... پلیز میری بات سنو...... تارا۔" وہ اس کی بات قطع کر کے اسے پچکارنے لگا، ستارا کچھ اور بھی بھڑک اٹھی۔

"تم نوفل...... تم بہت برے ہو، بہت زیادہ برے دو دن میں تم ایک فون نہیں کر سکے، میں پل پل انتظار کرتی رہی کہاں تھے تم؟" وہ طیش سے کہتی پلٹی اور اس پر قیامت سی ٹوٹ پڑی، لاؤنج کے بیچوں بیچ مہروز کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات بہت واضح تھے وہ یقیناً سب سن چکا تھا، ستارا کے ہاتھوں سے سیل فون اور پیروں تلے زمین ایک ساتھ نکلی تھی، ستارا نے دھندلائی ہوئی نگاہوں سے مہروز کو دیکھا جو خطرناک تاثرات لئے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کس سے بات کر رہی تھیں؟" وہ آنکھوں میں وحشت اور خشونت لیے پوچھ رہا تھا۔

"کون تھا فون پر؟" وہ ایک دم مزید آگے بڑھ آیا۔

"وہ...... وہ...... میری دوست...... تھی۔" وہ زرد چہرے کے ساتھ ہکلا کر کہہ رہی تھی۔

"جھوٹ بول رہی ہو تم، یہ نوفل کون ہے؟" مہروز نے اس کے بال مٹھی میں جکڑے تھے، وہ درد کی شدت سے چلا پڑی۔

"میں پوچھ رہا ہوں نوفل کون ہے؟" وہ بلند آواز میں دھاڑا اور اس کے بالوں کو زوردار جھٹکا دیا۔

ستارا کے حلق سے ایک اضطراری چیخ نکلی تھی اسے لگا اس کے بال جڑوں سے اکھڑ گئے ہوں۔

"میں نہیں بتاؤں گی، کبھی نہیں بتاؤں گی۔" وہ بھی ضد میں آ کر بلند آواز میں چلائی تھی۔

مہروز نے اسے چھوڑ دیا، غصے اور اشتعال سے وہ پاگل سا ہو رہا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں تم کیسے نہیں بتاتی؟" مہروز پھنکارا، پھر ایکدم اس نے اپنا بیلٹ کھینچ لیا، اس کی آنکھوں سے شعلے سے لپک رہے تھے، اس کے منہ سے جیسے مغلظات کا طوفان ابل پڑا، وہ اسے بے دریغ گالیاں دے رہا تھا اور پھر وہ جنونی انداز میں اس پر جھپٹا بیلٹ کی ضرب پوری قوت سے ستارا کی پشت پر لگی تھی، ستارا کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکلی، اس کی کمر میں جیسے انگارے سے دہک اٹھے، لیدر بیلٹ کا وار بہت جان لیوا تھا، وہ چیختی رہی، روتی رہی مگر کسی طور اگلنے پر آمادہ نہ تھی کہ نوفل سے اس کا کیا تعلق تھا؟ دوسری طرف مہروز بھی جیسے حواسوں میں نہ تھا وہ پاگلوں کی طرح اسے مارے جا رہا تھا، بیلٹ کی پے در پے پڑنے والی ضربوں سے ستارا کے جسم کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہ سکا تھا خود کو بچانے کی کوشش میں یکلخت اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور اس کے ساتھ ہی بیلٹ کی بے رحم ضرب اس کے چہرے پر لگی، لوہے کے بکل نے اس کا دایاں گال ادھیڑ ڈالا تھا، اس کے حلق سے بس ایک کراہ نکلی تھی، بلند آواز میں چیخنے کی ہمت اس میں ختم ہو چکی تھی اس کے ساتھ ہی اس کے حواس یکلخت اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور جس طرح کسی دکان کا شٹر بند ہوتا ہے اسی طرح اس کا دماغ شٹ ڈاؤن ہوا تھا وہ بے ہوشی کی عمیق گہرائیوں میں گرتی چلی گئی، کال بیل بہت دیر سے بج رہی تھی اور اب تو بہت زور زور سے دروازہ بھی پیٹا جا رہا تھا یہ ایک آخری احساس تھا اس کے بعد دماغ اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔

☆☆☆

شاہ بخت کو ہوش میں آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور سب اس کے مل بھی چکے تھے، شاہ بخت کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا اور آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے نظر آ رہے تھے، بظاہر تو سب ٹھیک تھا مگر وقار کو اس کی خاموشی بے حد کھٹک رہی تھی، وہ اب تک بے حد خاموش تھا یہاں تک کہ ہوں، ہاں میں جواب بھی نہیں تھا صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا اور اس کی شہد رنگ جھیلوں میں چھائی سرد جامد چپ وقار کو مزید ہولا رہی تھی، وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بنے۔

شام کو اسے ڈسچارج کر دیا گیا، گھر شفٹ ہوتے ہی اس کا صدقہ دیا گیا۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھا اور اس

کے اردگرد میلہ سا لگا ہوا تھا، زین اس کی گود میں چڑھا ہوا تھا، وقار اندر آئے تو ایک لحظہ کی خاموشی کے بعد دوبارہ سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔

وقار نے ایک سرسری نظر سے کمرے کا جائزہ لیا، رمشہ اور عباس صوفوں پر براجمان تھے، فرشی کشن پر کومل کا قبضہ تھا، آمنہ ہاتھ میں سوپ کا باؤل تھامے کچن سے آ رہی تھی، تائی جان اور چچی جان شاہ بخت کے بیڈ پر ہی بیٹھی تھیں، جبکہ علینہ کہیں نہیں تھی وقار بھی اس کے قریب بیٹھ گئے۔

''ٹھیک ہو؟'' انہوں نے بغور اس کا چہرہ جانچا۔

''ہوں۔'' اس نے لب ہلائے بغیر ہوں کی اور نظریں بیرونی دیوار پر جما دیں، سوپ کا باؤل پڑے پڑے ٹھنڈا ہو رہا تھا، وقار نے آہستگی سے ہاتھ زین کی طرف بڑھائے۔

''زین بیٹے! آپ میرے پاس آؤ، چاچو کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' انہوں نے زین کو گود میں لے لیا، جو حیران سا بخت کو دیکھ رہا تھا اس کو اب یہ سمجھ آئی تھی کہ چاچو سب سے اتنے خاموش کیوں تھے؟ اور وہ اسے گدگدا کیوں نہیں رہے تھے۔

''بخت! یہ سوپ لو بھئی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' وقار نے اسے کہا۔

شاہ بخت نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا اور سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا، وقار نے اس کی بند آنکھوں کو دیکھا اور جان گئے کہ غالباً نہیں یقیناً اسے آرام کی ضرورت تھی۔

''چچی جان! بخت کو آرام کی ضرورت ہے، آپ اسے آرام کرنے دیجئے کومل، عباس اور رمشہ، بھئی اٹھ جاؤ سب۔'' وہ زین کو تھامے کھڑے ہو گئے۔

چچی جان نے اس کی پیشانی کو چوما اور زیر لب کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا آہستہ آہستہ کمرہ خالی ہو گیا، آمنہ بھی زین کو لینے وقار کے پاس آ گئیں۔

''لائیں اسے مجھے دیں۔'' آمنہ نے زین کو ان سے لے کر زمین پر کھڑا کیا۔

''ہاں، اسے لے جاؤ اور ایک شاپنگ بیگ پڑا ہے بیڈ پر، وہ مجھے دے جاؤ۔'' وقار نے کہا، جواباً آمنہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئیں، کچھ دیر بعد وہ انہیں ان کا مطلوبہ شاپنگ بیگ دے کر واپس چلی گئیں۔

''بخت! دیکھو میں تمہارے لئے سیٹ لایا ہوں۔'' وقار نے کہتے ہوئے چمکتا ہوا باکس اس کی طرف بڑھایا۔

شاہ بخت نے مکمل بے توجہی سے باکس کو دیکھا مگر اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، وقار نے خود ہی کھولا اور اس میں سے چمکتا ہوا موبائل اس کے سامنے لہرایا۔

''کیسا ہے؟'' شاہ بخت ہنوز خاموش تھا۔

وقار نے اپنا والٹ نکالا اور اس میں سے شاہ بخت کا سم کارڈ نکال کر فون میں ایڈجسٹ کرنے لگے، اس رات اس نے سب سے پہلے اپنے سیل فون کا ہی کباڑہ کیا تھا، کمرے کی ڈسٹنگ کے دوران سم کارڈ آمنہ بھابھی کو مل گیا جو انہوں نے وقار کو دے دیا تھا، وقار نے موبائل اس کی طرف بڑھایا، اس نے لے لیا۔

''اس کی Settings چیک کرو۔''

شاہ بخت نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں، سیل فون سائیڈ پہ رکھا تھا، وقار نے بے چین ہو کر اس کے گال پہ ہاتھ رکھا۔

''بخت مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کیوں اتنے خاموش ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟'' شاہ بخت نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں ان پر جما دیں۔

''ایسے مت کرو بتاؤ مجھے۔'' انہوں نے اصرار کیا۔

اس سے پہلے کہ مزید بات ہوتی دروازہ کھول کر تایا جان اور چچا جان اندر آ گئے، وقار نے فوراً اٹھ کر سلام کیا۔

''کیسے ہو بیٹا؟'' تایا جان نے بخت سے کہا اور شاید ان کا احترام ہی تھا کہ اس کی خاموشی میں دراڑ پڑ گئی۔

''ٹھیک ہوں تایا جان۔'' اگرچہ اس کا لہجہ سرد و سپاٹ تھا مگر وقار نے شکر ادا کیا کہ اس کی چپ تو ٹوٹی۔

''بخت! بچے دل پر کوئی بوجھ مت لو، ہم تمہارے بڑے ہیں نا، سارے مسئلے مسائل سلجھانے کو مجھے بتاؤ، نہیں بتانا چاہتے تو وقار سے کہہ دو جو بھی پریشانی ہے مگر یوں، اس طرح سر پر سوار کرنے کی ضرورت نہیں۔'' بابا جان نے کہا، شاہ بخت نے خاموشی سے سامنے بیٹھے باپ کی بات سنی اور سر ہلا دیا۔

''وقار! بھئی پوچھو اس سے کیا بات ہے؟ جس نے اسے پریشان کیا ہوا ہے؟''

''جی چچا جان!'' وقار نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد تایا جان اور چچا جان کے ساتھ وقار بھی اٹھ گئے، وہ جان گئے تھے کہ اس کا قطعاً بات کرنے کا موڈ نہیں تھا، ایسے میں اس کے پاس بیٹھ کر وہ اسے مزید ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔

کچن سے گزرتے ہوئے انہوں نے سبین سے کہا کہ وہ بخت کے کمرے میں لائٹ سی چائے بھیج دیں اور اسے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔

☆☆☆

کونے کی میز پر وہ دونوں آمنے سامنے براجمان تھے، میز کی وسط میں مشروب کے دو گلاس پڑے تھے، ننھی ننھی چھتریوں کے سایوں تلے پڑے خوش ذائقہ مشروب، اسید نے ایک سپ لیا اور نظر جما کر اسے دیکھا۔

''تم بہت ضدی ہو۔'' اس نے جتاتے ہوئے لہجے میں اعلان کیا، حبا کی کھنکھناتی ہوئی ہنسی گونج اٹھی۔

''مجھے پتا ہے۔'' حبا نے فخر سے تسلیم کیا۔

کالج میں گزرا پہلا بے انتہا خوبصورت دن وہ صرف اسید کی معیت میں سیلبریٹ کرنا چاہتی تھی، اگرچہ وہ بے حد مصروف تھا اسے بے حد ضروری نوٹس تیار کرنے تھے مگر وہ بھی حبا تھی، زبردستی اسے اٹھا لائی تھی۔

وہ بڑی محویت سے ہال کے ستونوں پر خوبصورتی سے کیا گیا آرائشی کام دیکھنے میں مگن تھا، حبا خاصی دیر سے اسے واچ کر رہی تھی۔

''مجھے پتا ہوتا کہ تمہیں ان پلرز کا پینٹ اتنا پسند آئے گا تو میں پاپا سے کہہ کر پورچ کے پلرز پر کروا لیتی۔'' وہ بے حد جل کر بولی تھی۔

''ارے۔'' اسید ہنس پڑا۔

''اتنی جیلسی؟''

''تو اور کیا؟ پچھلے تیرہ منٹ سے تم ان پلرز کو فوکس کیے ہوئے ہو۔'' وہ اور بھی جلا کر بولی۔

''حبا! میں بہت دنوں سے ایک بات سوچ رہا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا، حبا نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

''کون سی بات؟''

''مجھے زندگی میں دھوکہ دہی اور منافقت بالکل پسند نہیں ہے، بہت فیئر طریقے سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں، میرا ہمیشہ سے یہی دل چاہتا تھا کہ میں اس گھر کا حصہ بن جاؤں، اپنی ماما کا

بیٹا، تمہارا بڑا بھائی اور تمہارے پاپا کا دایاں بازو، لیکن میں آج بھی صرف اپنی ماما کا بیٹا ہوں، تمہارے پاپا سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے اور تم مجھے کس درجے پہ رکھتی ہو میں نہیں جانتا۔" اسید کے لہجے میں عجیب سی تھکن تھی۔

"فار گاڈ سیک اسید! اب بس کرو۔" حبا اذیت کے عالم میں بلند آواز سے بولی، پھر خاموش ہو کر خود پہ قابو پانے لگی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اردگرد کی میزوں پر بیٹھے افراد متوجہ ہوں۔

"گھر میں ہونے والی تقریبات میں میری موجودگی غیر ضروری خیال کی جاتی ہے کیونکہ وہاں تمہارے پاپا کو مجھے ڈیفائن کرنا پڑتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میرا ان کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ میں ہمیشہ ایک بات کرتا ہوں Make your life refine not define اور میں سب کی وضاحتیں نہیں دے سکتا کہ میرا تم سے کیا رشتہ ہیں؟ میں ساری زندگی اپنے آپ کو Defend کرتے ہوئے نہیں گزار سکتا حبا۔" اس کی آواز میں اعصاب کو چٹخا دینے والی بے حسی تھی۔

"میں تمہاری بات کا پس منظر سمجھ نہیں پا رہی اسید! تم مجھے کیا بتانا چاہتے ہو؟" حبا کے چہرے پر بے چینی تھی اور آواز میں انجانے خدشوں کی لرزش۔

"تمہارے پاپا تیمور احمد یہ سمجھتے ہیں کہ میں تمہیں ورغلا رہا ہوں، تمہیں ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اسید کے لہجے میں تمام تر سفا کی در آئی۔

حبا کا رنگ فق پڑ گیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، میز پر ایک ہولناک خاموشی در آئی تھی، حبا کے گالوں سے آنسوؤں کی بہتی ہوئی لکیریں اس کی شدید تکلیف کی گواہ تھیں۔

چند لمحو کے لئے اسید کے اندر موجود مضبوط اور مستحکم انسان میں دراڑ سی پڑی تھی مگر پھر اس نے تیزی سے خود پہ قابو پالیا۔

بہت سے بھاگتے دوڑتے لمحے تیزی سے ان کے درمیان کوئی آہٹ کیے بغیر گزر گئے، اسید نے اسے خاموش کرانے کی کوشش نہیں کی، اسے بڑی تکلیف سے بچانے کے لئے چھوٹی تکلیف سہنا ہی تھی، وہ یکلخت اپنی عمر سے کچھ مزید بڑا اور سمجھدار ہو گیا تھا، خاموشی سے والٹ نکال کر بل پے کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

ہال کے وسط سے گزرتے ہوئے اس کے قدموں کی مضبوطی میں کوئی فرق نہیں تھا وہ ویسا ہی تھا مضبوط، نڈر، دیر اور بے خوف، حبا خاموشی سے اس کی تقلید کر رہی تھی۔

کون صحیح تھا اور کون غلط؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

☆☆☆

آوازیں تھیں کہ بڑھتی جا رہی تھیں، شور، چیخ و پکار اور اعصابی تناؤ ستارا دماغ جیسے پھٹ جانے کے قریب تھا، اس کے پپوٹوں میں ہلکی ہلکی لرزش ہو رہی تھی، وہ تیزی سے اس پر جھکا تھا۔

"تارا...... تارا...... آنکھیں کھولو...... تارا۔" بڑا بے تاب لہجہ تھا۔

اس کے شعور نے تیزی سے متحرک ہو کر مخاطب کو یاد کرنے کی کوشش کی، ماں باپ، بہن بھائی، دوست احباب، اسے کون "تارا" کہتا تھا، اسے یاد نہیں آسکا، اس کے لاشعور نے فعال ہونے سے انکار کر دیا، درد کی ایک ٹیس اس کے رخسار سے ہوتی ہوئی اس کے سر میں پھیل گئی اور لرزتی پلکیں ایک بار پھر بند ہو گئیں۔

تارا کی گردن بدستور جاری تھی، اس کے ذہن میں ایک دھندلا غبار پھیل گیا اور اس دھند نے اسے پھر سے تاریکیوں میں پھینک دیا۔

☆☆☆

شام کا دھندلکا اجالا ہر طرف پھیل چکا تھا، لان بتدریج ویران ہو رہا تھا، ہر روز سجنے والی محفل کچھ دیر پہلے ہی برخاست ہوئی تھی، علینہ بیک کی طرف والی سیڑھیوں میں بہت دیر سے بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے پر غور کر رہی تھی، ساتھ ہی پڑا چائے کا مگ بڑی دیر سے، ٹھنڈا ہو چکا تھا اور چائے کی سطح پر بننے والی سیاہ جھلی اس کے بد ذائقہ ہونے کا ثبوت تھی، وہ اس وقت اتنی گہری سوچ میں تھی کہ اسے بالکل پتا نہیں چل سکا کہ کب عباس اس کے برابر آ کر براجمان ہو گیا۔

"تمہاری چائے تو ٹھنڈی ہو گئی۔" اس کی آواز خاموشی کے تھال میں کھنکھناتے سکوں کی مانند گونجی تھی، وہ بری طرح چونکی، عباس کو دیکھا، پھر ایک طویل سانس لے کر اپنا سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔

"زندگی میں بہت سی چیزیں چائے سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔" اس نے گلاب کی باڑ پہ نگاہ ٹکاتے ہوئے صرف سوچا کہا نہیں۔

"تم پریشان ہو؟" عباس کے لہجے میں سوال تھا، پریشانی نہیں۔

علینہ نے حیرت سے بھائی کو دیکھا جس کا لہجہ خود بے یقین تھا گویا اسے اپنے سوال پر اعتبار نہ تھا۔

"آپ کو...... کیوں لگا؟" وہ بے تاثر بن گئی۔

"شاید مجھے غلط فہمی ہوئی، تم بھلا کیوں پریشان ہو گئی۔" عباس نے خود کو جھٹلایا، علینہ کو ہنسی آ گئی بے وجہ بے مقصد۔

"ایگزامز کیسے ہوئے تمہارے؟"

"ٹھیک ہوئے۔"

"اب چھٹیوں میں کیا کرو گی؟"

"رزلٹ کا انتظار۔" علینہ نے جیسے عباس کی کم عقلی پر ماتم کیا۔

"ہاں ٹھیک ہے لیکن وہ تو اپنے وقت پر ہی آئے گا۔"

"تو کیا کروں؟"

"تم سیکنڈ ائیر کی بکس پڑھا کرو۔"

"ٹھیک ہے لیکن میرے پاس بک نہیں ہیں۔" اس نے جتایا، وہ ایک لمحے کو چونکا پھر مسکرا دیا۔

"میں لا دوں گا۔" علینہ نے اثبات میں سر ہلا کر پھر سے سر گھٹنوں پہ رکھ لیا، عباس چند لمحے اسے دیکھتا رہا، اس کی یہ بہن بڑی پیاری تھی اور اسے بہت عزیز تھی، کم گو، موذب اور سب سے چھوٹی، مگر پتا نہیں کیوں کبھی کبھی عباس کو لگتا کہ وہ کسی چیز کی ٹینشن لیتی ہے، پتا نہیں کیا چیز اسے پریشان کرتی تھی؟ وہ کبھی بھی ان کے ساتھ باہر نہیں گئی، نہ کسی ٹریٹ پر اور نہ کسی انجوائے منٹ کے لئے، اکثر وہ سب مل کے بیٹھے ہوتے تو وہ بڑی خاموشی سے بڑے ہی غیر محسوس انداز میں ان کے درمیان سے نکل جاتی، عباس کو یاد نہیں تھا کہ اس نے کبھی ان کے ساتھ بیٹھ کر کوئی ایک بھی گیدرنگ انجوائے کی ہو، یا پھر ان کے درمیان بیٹھ کر کسی بات پر قہقہہ لگایا ہو، اس کی نیچر بڑی الگ تھلگ تھی، سب جانتے تھے اس لئے کوئی اسے فورس نہیں کرتا تھا۔

مگر آج اس پل اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ یہ اس کی الگ تھلگ نیچر نہیں تھی بلکہ یہ کسی قسم کا احساس کمتری تھا جو اسے ان سب سے دور رکھتا تھا، وہ خود حیران تھا کہ آخر اس نے اندازہ کرنے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟ آخر وہ ان سب سے کیوں بھاگتی تھی؟

''عباس! کدھر ہو؟ عباس!'' شاہ بخت نے اپنے روم کے ٹیرس سے لان کی طرف رخ کرکے آواز لگائی، عباس کی سوچ کا ربط بری طرح ٹوٹا، وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''آرہا ہوں۔'' عباس نے بلند آواز میں کہا اور تیز قدموں سے واپس مڑ گیا، علینہ کے اندر تک بیزاری پھیل گئی۔

''ہر شخص اس کا پیروکار ہے یا پھر غلام، جس کو دیکھو اس کی تابعداری میں مرا جارہا ہے حد ہے اور وہ احمق اور جاہل ڈاکٹر، کہتا ہے میں اس سے اس شاہ بخت سے محبت کرتی ہوں، ہونہہ محبت خود پرستی کا مارا انسان، سمجھتا ہے اس گھر کے ہر فرد کی طرح میں بھی اس کے آگے پیچھے پھروں، اس کے احکام بجالاؤں کیوں؟

یہ میرا بھائی عباس، جسے یہ تو پتا ہے کہ بخت کو کون سا رنگ پسند ہے اور وہ دن میں کتنی بار کافی پیتا ہے اور اس کا اگلا ایونٹ کہاں ہے؟ مگر یہ نہیں پتا کہ میرے یعنی اس کی بہن کے ایگزامز کب ختم ہوئے اور میری چائے کیوں ٹھنڈی ہو گئی پڑے پڑے، میرا بھائی، جسے خود بھی یقین نہیں کہ میں کسی چیز کو لے کر پریشان ہوں، وہ اس بات کو خود جھٹلا رہا ہے اور...... اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے، صرف تمہاری وجہ سے شاہ بخت۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ بہت عام سی تھی، بہت عام، مگر اسے خاص بننے کا شوق تھا، سب میں نمایاں ہونے کا شوق اتنا شدید اتنا زور آور تھا کہ وہ خود کو بدلنے کی کوشش میں ہلکان ہونے لگی، ورنہ اس کا بھی دل چاہتا وہ عام لوگوں کی طرح ری ایکٹ کرے، جب کوئی اسے بلائے بلند آواز میں، اس پر حکم چلائے تو وہ چیخ کر اسے خاموش کرا دے، جب وہ سب اکٹھے بیٹھ کر ہنستے اور کوئی اسے نہ مخاطب کرتا تو وہ جلتا دل لئے خاموشی سے اٹھ کر چلی جاتی اور ان کی باتوں میں، محفلوں میں اور ان گنت جاری رہنے والی دعوتوں میں اسے وہ بڑے غیر محسوس سے نکلتی گئی، شاید وہ ان جیسی نہ تھی، اسے شدت سے احساس ہوتا، وہ اس گھر کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی اور سب سے غیر ضروری بھی، اسے ہر جگہ سے بے دخل کر دیا جاتا، رفتہ رفتہ وہ خود اپنے خول میں سمٹنے لگی، اگرچہ اب بھی اس کا دل چاہتا کہ اگر کوئی اسے اس کے پسندیدہ کام سے روکے تو وہ زور زور سے بولے، خوب روئے اپنی بھڑاس نکالے، ضد کرے بالکل عام بچوں کی طرح ری ایکٹ کرے، بچی ہی تو تھی وہ یا شاید باقی سب سمجھتے تھے۔

اگر وہ اسے بچی سمجھتے تھے تو اسے اس طرح ٹریٹ کیوں نہیں کرتے تھے؟ کتنی عجیب سائیکی تھی اس گھر کے لوگوں کی؟ اسے حیرت ہوئی اور وقار بھائی جنہوں نے آج تک اس سے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی اس دن کیسے دھاڑ رہے تھے اس پر، صرف شاہ بخت کی وجہ سے، شاید جتنا اہم اور ضروری اس گھر کے لئے شاہ بخت تھا وہ اتنی ہی غیر اہم اور غیر ضروری، اپنی بے توقیری یاد کرکے مزید آنسو اس کے گالوں پر لڑھک آئے تھے۔

☆☆☆

نوفل صدیق کا تعلق بنیادی طور پر تھائی لینڈ سے تھا اس کے باپ کا ہوٹل بزنس تھا، جس میں اس کی اطالوی نژاد ماں بھی اس کا ساتھ دیتی تھی۔

نوفل نے خود ہوٹل مینجمنٹ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی، اپنے باپ صدیق علی کے ساتھ ان کا ہوٹل بزنس جوائن کرنے کے بعد اس نے بڑی تیزی سے ہاتھ پیر پھیلائے تھے، پہلے صرف ان کے تھائی لینڈ میں دو ہوٹلز تھے مگر رفتہ رفتہ نوفل نے یہ تعداد دس تک پہنچادی تھی، اس نے بنکاک اور سنگاپور جیسے خوبصورت ممالک کو اپنا ہدف بنایا تھا، سنگاپور پر اس کی نظر خاصی دیر سے تھی، ٹورسٹ پلیس کے طور سنگاپور کی مقبولیت دیکھتے ہوئے اس کا ارادہ مزید پختہ ہوا تھا، ہوٹل بزنس کے لئے اسے سنتوشا سب سے زیادہ پسند آیا تھا اور ویسے بھی سنتوشا ایک پرکشش ٹورسٹ پیلس اور مقبول عام ہل سٹیشن تھا، وہ کئی بار سنتوشا جاچکا تھا، بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں جب سنتوشا کو فائنلائز کیا گیا تب وہ سائٹ دیکھنے سنتوشا روانہ ہوا تھا۔

سنگاپور ائیرپورٹ پر اس کا سامنا پہلی بار ''ستارا'' سے ہوا تھا اور اسے دیکھ کر وہ کتنے ہی پل اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا تھا، لانگ شرٹ اور فلیپر میں ملبوس اپنے لمبے خوبصورت بالوں کو چوٹی کی شکل میں باندھے وہ بار بار اپنے لب کچل رہی تھی اور ڈبڈبائی آنکھوں سے ہر طرف دیکھتی جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی، وہ اپنے آپ سے بے خبر یک ٹک اسے دیکھتا جارہا تھا۔

ذہن میں جیسے پھر سے ایک یاد نے ڈیرا آن جمایا تھا، چمکتا ہوا زندگی سے بھرپور ایک چہرہ پوری وضاحت و سراحت سے یادداشت کے پردے پر جھلملایا تھا، اذیت و درد کی ایک لہر اس کے دماغ سے ہوتی پورے وجود میں پھیل گئی تھی، آج پھر اسے ''شانی وانگ'' یاد آئی تھی۔

☆☆☆

حبا اس سے ناراض تھی، دو دن سے وہ نہ تو کالج جارہی تھی اور نہ اس سے بات کررہی تھی، مرینہ ازحد پریشان تھیں، وہ بارہا کوشش کرچکی تھیں کہ اس سے پوچھ سکیں مگر پتا نہیں کیوں وہ اتنی روڈ اور ال مینرڈ بن رہی تھی اس نے مرینہ کے کسی قسم کے سوال کا جواب نہ دیتے ہوئے انہیں کمرے سے جانے کا کہا تھا، جس پر وہ شاکڈ سی باہر آگئی، اسید کو سب بتایا تھا، وہ بے بسی سے لب کاٹ کر رہ گیا تھا، وہ مرینہ کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کے رویے کا پس منظر اور ماخذ جانتا ہے، ان کے جانے کے بعد وہ دیر تک راکنگ چیئر پر جھولتا رہا، چہرے ہی سے پریشانی ظاہر تھی، پھر وہ کچھ سوچ کر اٹھا اور سیل فون اٹھا کر باہر نکل آیا، ماما نے اسے بتایا تھا کہ حبا نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا، اس نے KFC فون کرکے ہوم ڈیلیوری کے ذریعے ایک لارج میل آرڈر کیا اور پھر لان میں آ گیا، اس کی نظروں کے سامنے حبا کے کتنے ہی انداز گھومے تھے اس سے ضد کرتی، جھگڑتی، ناز اٹھواتی اور اس کی ذرا سی ڈانٹ پر آنکھوں میں ڈھیروں آنسو بھر لاتی، حبا اسے کتنی عزیز تھی کاش وہ اسے بتا سکتا، کچھ دیر بعد چوکیدار نے اسے لارج میل ایک عدد بل کے ساتھ لا کر دی اس نے بل کلیئر کیا اور شاپنگ بیگ اٹھا کر حبا کے کمرے کی طرف بڑھ آیا۔

آہستگی سے دستک دی، حبا اس کی مخصوص دستک فوراً پہچان گئی تھی، کچھ دیر انتظار کے بعد اس نے دوبارہ دستک دی۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی اسید! You just go away from here۔'' اس کی شکست خوردہ بھیگی آواز اسید کے کانوں میں پڑی اور اس کی بے چینی مزید بڑھا گئی۔

''حبا! دروازہ کھولو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

''مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی سنا۔'' اس بار وہ چلائی تھی، اسید کی بے چینی پر یکلخت غصہ غالب آیا تھا، اس نے اس بار قدرے زور

دار طریقے سے دروازہ بجایا۔
"حبا! دروازہ کھولو میں کہہ رہا ہوں ورنہ....." اسید نے چیلنجنگ انداز میں کہا۔
"ورنہ..... ورنہ..... کیا؟" وہ دروازہ کھول کر زور سے بولی تھی، اسید کے نفسیاتی داؤ نے کام کر دیا تھا، وہ تیزی سے اندر داخل ہوا اور پیچھے سے دروازہ لاک کر دیا۔
"کیا کرو گے تم؟ ہاں..... بتاؤ مجھے؟" وہ مزید غصے میں آ گئی تھی۔
"میری بات سنو حبا!" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، حبا نے تیزی سے رخ پھیر لیا تھا، اس کے لہجے میں لرزش تھی۔
"تم جاؤ یہاں سے اسید! مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی اور نہ تمہاری کوئی بات سننی ہے۔" اسید نے اس کا بازو کھینچ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔
"تمہاری اس قطع تعلقی کو میں کیا سمجھوں؟ تمہیں لگتا ہے میں نے کچھ غلط کہا تھا؟" اسید نے سرد لہجے میں کہا، حبا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا اور طنزیہ ہنس دی۔
"تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے؟ اور میں واضح کر دوں اسید! پاپا بالکل ٹھیک کہتے ہیں تم میرے بھائی نہیں ہو، کسی رشتے سے بھی نہیں ہو، کسی لحاظ سے بھی نہیں ہو، نہ اسلامی پوائنٹ آف ویو سے اور نہ معاشرتی، نہ ہم دونوں کے پاپا ایک ہیں، نہ ماما، میرا تمہارا رشتہ صرف اتنا ہے کہ تمہاری ماما، میرے پاپا کی وائف ہیں اور بس اور......" حبا کی بات ادھوری رہ گئی تھی اسید کا ہاتھ اٹھا اور زناٹے دار تھپڑ اس کے بائیں گال کی خبر لے گیا، حبا کے حلق سے ایک اضطراری چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے کارپٹ پہ گری۔
"اپنی بکواس بند کرو۔" وہ غرایا تھا، شدید اشتعال نے اس کی حالت غیر کر دی تھی، آنکھوں سے لپکتے شعلے اور سرخ رنگت۔
"مجھ پہ ہاتھ اٹھانے سے حقیقت بدل سکتی ہے تو بخوشی تم ایسا کر لو۔" حبا نے طنز میں لپٹا جملہ مارا تھا۔
اسید ساکت کھڑا اسے دیکھتا جا رہا تھا..... کے دماغ میں شور بڑھتا جا رہا تھا، گڑگڑاتے ہوئے ہتھوڑوں کا شور، کڑکتی بجلیوں کا شور اور گڑگڑاتی ٹرینوں کی چنگھاڑ اس کے کان پھاڑنے لگی، اس شور میں بس ایک آواز تھی منعکس ہو کر ہر بار اس کے دماغ کے آئینے سے ٹکرا رہی تھی۔
"حقیقت کو بدلا نہیں جا سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ تم میرے بیٹے نہیں ہو۔" تیمور کی آواز۔
"تم میرے بھائی نہیں ہو۔" حبا کی آواز۔
یکلخت مرینہ بھی اس کے تخیل سے نکل کر سامنے آ گئیں۔
"تم تیمور بیٹے نہیں ہو۔" مرینہ کی آواز۔
اسید کے ہاتھ سے آہستگی سے KFC کا شاپنگ بیگ چھوٹا اور زمین پر گر گیا وہ تیزی سے پلٹا اور بھاگتے ہوئے باہر نکل گیا، وہ بس بھاگ رہا تھا اور آوازیں تھیں کہ اس کے تعاقب میں تھیں، وہ بھاگتا بھاگتا ہانپنے لگا، چوڑی سڑکیں رات کے اس پہر ویران تھیں، گھر تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، رات کی تاریکی جیسے اس کے وجود میں اترنے لگی وہ بے ساختہ ٹھوکر کھا کر گرا، اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا، زہریلی آوازوں کے کوڑے بڑی بے رحمی سے اسے کی پشت پر برس رہے تھے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی تیز رفتار رولر اسے روندتا ہوا گزر رہا ہو، اس کا تنفس بند ہو کر تیز سے تیز تر ہونے لگا، اسے لگا رہا تھا کہ ان کے پیچھے سرخ سرخ آنکھوں اور لپ..... زبانوں والے ڈھیروں بھیڑیے لگ چکے ہیں، وہ اٹھا اور زیادہ تیزی سے بھاگنے لگا، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، گھروں کے روشن دریچے بجھ چکے تھے، لیمپ پوسٹ جیسے جادو کے زور سے غائب ہو گئے تھے، چوڑی تارکوں کی سڑکیں اور ارد گرد موجود آبادیاں جیسے دھتکاری ہوئی عذاب شدہ قوم کی طرح تباہ ہو چکی تھیں، یکلخت وہ بھاگتے بھاگتے کسی چیز سے ٹکرایا اور تیز روشنی اس کی آنکھوں میں بری طرح چبھی تھی، اسے لگا قیامت آ گئی ہو اور سورج دھرتی پہ اتر آیا ہو، درد کی بے پناہ ٹیسیں اس کے وجود سے کسی آکٹوپس کی مانند لپٹ گئیں، وہ چکرا کر نیچے گرا۔
"At last! you meet your friend destin" اس کے ذہن میں آخری سوچ ابھری اور اس کے ساتھ ہی اس کا دماغ کسی کمپیوٹر کی طرح شٹ ڈاؤن ہوا تھا۔

☆☆☆

آمنہ نے معمول کی مانند سونے سے قبل کے امور نمٹائے اور برش لے کر بیڈ پر بیٹھ گئیں، وقار نے کتاب سے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا، بغور جائزہ لیا اور پھر سے کتاب میں گم ہو گئے۔
"آپ سے ایک بات کرنی تھی وقار!" آمنہ نے بال سمیٹ کر کیچر لگایا، وقار نے قدرے چونک ان کی طرف دیکھا اور پھر ایک طویل سانس لے کر کتاب بند کر دی۔
"کون سی بات؟" انہوں نے آمنہ کا چہرہ جانچا، جہاں عجیب سی کشمکش اور تذبذب نظر آ رہا تھا۔
"آمنہ! ایسی کون سی بات ہے جس کے لئے آپ کو اتنا سوچنا پڑ رہا ہے؟" وہ کچھ حیران ہوئے تھے۔
"میں سوچ رہی ہوں، پتا نہیں مجھے کرنا بھی چاہیے یا نہیں؟" وہ بدستور کشمکش و پیچ میں تھیں۔
"لیکن بات کیا ہے بھئی؟" وہ کچھ جھلا سے گئے۔
"جب سے بخت ہوسپٹل سے آیا ہے میں نے ایک بات بڑی شدت سے نوٹ کی ہے بخت میں تو جو بھی Changes آئی ہیں وہ تو الگ بات ہے آپ کا رویہ بھی بڑا عجیب ہو گیا ہے، میں نے اکثر دیکھا ہے جب بھی سب لاؤنج میں اکٹھے ہوتے ہیں یا کھانے کی میز پر یا شام کی چائے پر، آپ کی نظریں بخت کی طرف بڑھے کھوجنے والے انداز میں اٹھتی ہیں یوں جیسے کسی راز کا کھوج لگا رہی اور بات صرف یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی اس کے بعد آپ علینہ کو بغور دیکھنے لگتے ہیں، یوں جیسے دونوں کے رویوں کا موازنہ کر رہے ہوں، مجھے اس Comparison کی نہ تو وجہ سمجھ آتی ہے اور نہ لوجک؟" آمنہ چپ ہوئیں۔
وقار کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، انہوں نے توصیفی انداز میں سر ہلایا اور بولے۔
"آپ کی ذہانت پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے محترم خاتون، بالکل ٹھیک محسوس کیا ہے آپ نے، یقیناً ایسا ہی ہے مگر اس کی وجہ اور لوجک دونوں میں آپ کو سمجھا تا ہوں۔" وہ آہستہ آہستہ رک رک کر انہیں تفصیلاً کچھ بتا رہے تھے۔
آمنہ کی حیرت سے پھیلی آنکھیں اور کھلا منہ ثبوت تھا کہ وہ کس قدر حیران ہیں، آخر میں وہ کہہ رہے تھے۔
"مجھے اس وقت کا انتظار ہے جب وہ خود کھل جائے، خود اقرار کرے میں چاہتا ہوں اس وقت ہی کوئی Step لیا جائے۔"
"آپ کو لگتا ہے جیسا آپ نے سوچا ہے

ویسا ہی ہوگا؟'' آمنہ نے پوچھا۔
''مجھے پورا یقین ہے، تم بس دیکھتی جاؤ کہ ہوتا ہے کیا۔'' وقار کے لبوں پر محظوظ کن مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆☆☆

عباس سر قریشی کی کلاس لے کر نکلا تو خاصا تپا ہوا تھا، شاہ بخت نے آج کی تیسری کلاس بھی مس کر دی تھی، تندرست ہونے کے بعد آج وہ پہلی بار یونیورسٹی آیا تھا، مگر اس کا رویہ اتنا عجیب و غریب تھا کہ عباس مسلسل چونک رہا تھا اور اب تو وہ اچھا خاصا پریشان ہو چکا تھا، اس وقت بھی وہ اسے ڈھونڈتا ہوا لائبریری آیا تو اسے آخری کونے میں گھسا دیکھا کر حیران رہ گیا، وہ تیزی سے آگے بڑھا۔
''یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو، کلاس نہیں لے سکتے تھے۔'' وہ بمشکل آواز دبا کر بولا تھا، شاہ بخت جو سر جھکا کر کچھ لکھ رہا تھا بے ساختہ چونکا، پھر سستی سے بولا۔
''دل نہیں چاہ رہا تھا یار۔''
''اچھا، اٹھو باہر چلتے ہیں۔'' عباس کا دل فوراً نرم پڑ گیا تھا، اس نے شاہ بخت کا بازو کھینچا، وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تیزی سے چیزیں سمیٹنے لگا، جرنل میں سے ایک پیپر نکل کر گرا تو عباس بے ساختہ جھکا اور اسے اٹھالیا۔
''My dear!
Ignorance is like a hard needle it gives you pain
but you can,t
Change it into attention, my dear!
please hate me, give me a lot of ill-wishes
but-----! dont ignore me!
It is mire dreadful than every thing!!!
It is mire dreadful than every thing!!!
Your ignorance is like boilling hot water which spoils my mind!!!
It is killing me slowly,----

عباس کی نظریں بے اختیار ورق پر پھسلتی چلی گئیں تھیں، اس نے قدرے چونک کر شاہ بخت کو دیکھا جو اپنی رو میں پیپر سمیٹ کر فائل میں اٹیچ کر رہا تھا۔
''یہ......تم نے لکھا ہے؟'' عباس نے ورق اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا، شاہ بخت نے غور سے پیپر کو دیکھا اور پھر سر جھٹکا۔
''ہاں بس ویسے ہی چلو۔'' شاہ بخت باہر نکل گیا، عباس اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر رک گیا، اس کی نظر ٹیبل پر پڑے موبائل پر پڑی، اسے شاہ بخت کی غائب دماغی پر حیرت ہوئی اس نے فون اٹھا کر جیب میں ٹھونسا اور اس کے پیچھے لپکا تھا۔
''تمہیں نہیں لگتا بخت! تم کچھ بدل رہے ہو۔'' عباس نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا، بخت نے چونک کر اسے دیکھا۔
''مثلاً کیا بدل رہا ہے مجھ میں؟'' وہ سپاٹ انداز میں پوچھنے لگا۔
''تم کچھ اپ سیٹ ہو گئے ہو۔''
''اور......؟'' اس نے سابقہ انداز میں پوچھا۔
''اور تمہارا رویہ بہت عجیب ہے۔'' عباس نے شانے جھٹکے۔
''بس یار اور کچھ؟'' اس نے عباس سے کہا۔
''یہ رہا تمہاری غائب دماغی کا ثبوت۔'' عباس نے دائیں پاکٹ سے اس کا سیل فون نکال کر پکڑایا۔
''اوہ ہاں یہ میں لائبریری میں بھول گیا تھا۔'' شاہ بخت نے گویا اسے اپنی دانست میں یاد دلایا کہ وہ اتنا بھی غائب دماغ نہیں تھا۔
''اور ...... یہ...... شاعری؟'' عباس نے بائیں پاکٹ سے وہ ہی ورق نکالا۔
''شاعری نہیں۔''
''It was just۔'' شاہ بخت کی بات ادھوری رہ گئی۔
''Just your feelings, right?۔'' عباس نے اس کی بات مکمل کی۔
''سو......؟'' بخت نے لاپرواہی سے شانے جھٹکے۔
''کس کے لئے؟'' عباس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا، بخت نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔
''تم اتنی انکوائری کیوں کر رہے ہو؟'' وہ روکھے لہجے میں بولا۔
''کیا مجھے نہیں کرنی چاہیے؟'' عباس نے بھنویں اچکائیں۔
''عباس پلیز کلوز دس ٹاپک۔'' وہ بے زاری سے بولا۔
''اور اب تم اپنا رویہ دیکھو، پھر تم پوچھو گے کہ تم میں کیا چینج آیا ہے؟'' عباس نے فوراً جتایا۔
''عباس پلیز۔'' وہ جھلایا تھا۔
''اوکے، اوکے۔'' عباس نے دونوں ہاتھ مصالحتی انداز میں اٹھائے۔
''چلو کچھ کھانے کا موڈ ہے میرا۔'' اس نے شاہ بخت کو کیفے ٹیریا کی طرف گھسیٹ لیا تھا۔

☆☆☆

''او اٹھ اوئے ادھر سے، نشہ کر کے پڑ جاتے ہیں جانے کیسے ماں باپ ہیں جن کے نصیب میں ایسی بد بخت اولاد لکھ دی گئی ہے، او سن نہیں، چل پھٹ ادھر سے، او بھائی صاحب! اب اٹھ جاؤ مجھے یہاں کی صفائی کرنی ہے۔'' وہ کوئی خاکروب تھا جو جانے کب سے اس کا شانہ ہلا ہلا کر اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔
اسید کی آنکھ کھلی تو درد کی ٹیسیں اس کے پورے وجود میں پھیل گئیں وہ بے اختیار اٹھ بیٹھا، اس نے اردگرد دیکھا۔
''تو کیا میں ساری رات اس سڑک پر پڑا رہا؟'' اسے جھٹکا لگا۔
''کیا ہوا تھا؟'' اس نے پیشانی مسلی اس کے ساتھ ہی اسے دوسرا جھٹکا لگا، اس کی پیشانی پر خون جما ہوا تھا، رات وہ پتا نہیں کس سے ٹکرایا تھا کسی کار سے یا کسی موٹر سائیکل سے اور یقیناً وہ جو کوئی بھی تھا اس سرد و بے حس معاشرے کا رکن ہی تو تھا، جبھی اسے یہاں اسی حالت میں پڑا چھوڑ کر فرار ہو گیا۔
صبح کا دھندلکا اجالا ابھی پھیل رہا تھا اور وہ بے چارہ خاکروب یقیناً صفائی کر رہا تھا جبھی اسے پڑے دیکھ کر اس کی طرف آ گیا۔
''اور بھائی اٹھ بھی جاؤ اب یار، مجھے ابھی بڑا کام نبیڑنا (نمٹانا) ہے۔'' وہ بے زاری سے اس کے نزدیک آ کے بولا۔
''بھائی۔'' اسے یکلخت رات کا سارا واقعہ یاد آ گیا، اس کے سر میں ایک دم سے شدید درد ہونے لگا، وہ بلند آواز میں چلانے لگا۔

"میں کسی کا بھائی ہیں ہوں سنا، نہیں ہوں میں کسی کا بھائی، میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے، میرا کوئی نہیں ہے، میں تو یتیم ہوں سب مجھے دھتکارتے ہیں لاوارث سمجھ کر، میں کسی کا بھائی نہیں ہوں، نہیں ہوں۔" وہ زور زور سے بولتا، یکلخت سر گھٹنوں پر رکھ کے رونے لگا، بتدریج اس کی آہ فغاں میں اضافہ ہوتا گیا، اس کی آواز بلند ہوتی گئی اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"میں نے کبھی...... کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا، کبھی کسی کو اذیت نہیں دی، پھر ہر شخص مجھے کیوں تکلیف دیتا ہے؟ میں نے کیا بگاڑا ہے ان سب کا؟" وہ رو رہا تھا، فریاد کر رہا تھا اور اس کا لہجہ کرب سے لبریز تھا، اس کی اذیت بے ان تھی۔

درد تھا کہ رگوں کو چیر رہا تھا، عجب جان کنی کی حالت میں بہت پہلے کی پڑھی بات ایکدم سے یاد آئی تھی۔

"Expections always kill you۔" اور پتا نہیں کیوں ہم ان رشتوں سے اتنی اچھی امیدیں اور توقعات وابستہ کر لیتے ہیں جن کا بوجھ وہ سہار نہیں پاتے۔

"وہ کیسے بھول گیا کہ حبا آخر تیمور احمد کی بیٹی تھی؟ وہ کیسے بھول گیا کہ اس کی رگوں میں تیمور احمد کا خون تھا؟ وہ کیسے بھول گیا کہ رشتے کی پاکیزگی دونوں فریقین پر ڈیپنڈ کرتی ہے؟" وہ بال نوچ نوچ کر رونے لگا۔

"اللہ!...... اللہ...... کیا میں اسی قابل تھا؟ کیا تو میرا انصاف نہیں کرے گا؟" اس کے دل سے آہ نکلی اور فلک کا سینہ چیرتی ہوئی عرش بریں تک گئی تھی۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں !
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر دے

وہ آنکھیں صاف کرتا ہوا ایک طرف کو چل دیا تھا۔

☆☆☆

لاؤنج میں ایک ہنگامہ برپا تھا، کارپٹ پہ لیپ ٹاپ رکھے کام میں بخت مصروف شاہ بخت، صوفے پر دراز عباس، کشنز کی قطار جما کر بیٹھی رمشہ، کچن میں فرنچ فرائز تیار کرتی کومل اور اسے لاؤنج میں پارسل کرتی علینہ اس نے فرائز کی بڑی پلیٹ سنٹرل ٹیبل پر رکھی اور ٹرے میں سے چائے کے مگ اٹھا کر ایک رمشہ اور دوسرا عباس کو تھمایا اور پھر بخت کی کافی ایک کپ اس کے نزدیک کارپٹ پہ رکھ دیا۔

"کومل! میں نے کھانا نہیں کھایا ست لڑکی، مجھے کھانا دو۔" شاہ بخت نے سر اٹھائے بغیر بلند آواز میں کہا، کومل اسی وقت کچن سے باہر آئی تھی۔

"اچھا میں لاتی ہوں۔" وہ کہہ کر پھر غڑاپ سے واپس گھس گئی، کچھ دیر بعد اس نے کھانے کی ٹرے بخت کے نزدیک لا کر رکھ دی، پلیٹ میں چاول، باؤل میں سالن ساتھ پانی کا گلاس اور دو چمچ، اس نے سر اٹھایا اور طویل سانس لے کر لیپ ٹاپ ایک طرف کھسکا دیا، دو چمچوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے وہ عباس کی بات سن رہا تھا، ایگزامز چونکہ نزدیک تھے اسی لئے اتنی جانفشانی سے محنت کی جا رہی تھی، یونیورسٹی میں کلاسز آف ہو چکی تھیں، جبھی اس وقت وہ گھر پائے جا رہے تھے، رمشہ جو مزے سے آئی پوڈ کانوں میں ٹھونسے سارے ماحول سے بے نیاز بیٹھی تھی سماعت سے بے بہرہ مگر بصارت سے سارے ماحول کو آنکھوں سے سمجھ رہی تھی، وہ غور سے شاہ بخت کو دیکھ رہی تھی جو بڑی مہارت سے دونوں چمچ استعمال کرتے ہوئے کھانا کھا رہا تھا۔

سریلی اکھیوں والے
سنا ہے تیری اکھیوں سے
بہتی ہیں نیندیں اور
نیندوں میں سپنے
کبھی تو کنارے سے اتر
میرے سپنوں میں
آ جا زمین پہ اور مل جا کہیں پہ
مل جا کہیں سمے سے پرے
سمے سے پرے مل جا کہیں
تو بھی اکھیوں سے کبھی میری
اکھیوں کی سن

وہ مسحور سی گانے کے بولوں میں گم تھی، زین باہر سے بھاگتا ہوا آیا اور تیزی سے شاہ بخت کے نزدیک آ گیا۔

"چاچو! آپ کے دوست آئے ہیں۔" وہ پھولی سانسوں کے ساتھ بولا، شاہ بخت چمچ منہ کو لے جاتا ہاتھ رک گیا، اس نے الجھی ہوئی نظروں سے زین کو دیکھا، پھر چمچ واپس پلیٹ میں رکھ دیئے، پانی کا گلاس تھاما، دو گھونٹ لئے اور واپس رکھ کر تیزی سے اٹھ گیا۔

"ذرا دیکھوں کون آ گیا۔" وہ عباس سے کہتا ہوا لاؤنج کے خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچ کر وہ چونکا، ایک طویل القامت آدمی اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا، جانے کیوں اسے اس کی کمر کچھ شناسا سا لگی، وہ آہستہ سے آگے بڑھا، آہٹ پر وہ شخص پلٹ اور شاہ بخت کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اس کے سامنے "طلال بن معصب" کھڑا تھا۔

"بخت!" معصب نے بے ساختہ بازو پھیلائے تھے، شاہ بخت ایک بے اختیاری کیفیت میں اس کے کھلے بازوؤں میں سما گیا تھا، معصب نے گرمجوشی سے اسے خود میں بھینچ لیا۔

"کیسے ہو دوست؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" بخت آہستگی سے اس سے الگ ہو گا، طلال نے اس کو بازوؤں سے تھاما اور غور سے دیکھا بے چینی اس کے رگ و پے سے ظاہر تھی۔

"تم...... تم ٹھیک نہیں ہو، مجھے پتا ہے بخت! تم ٹھیک نہیں ہو۔" وہ اس کو بغور دیکھتا ہوا پورے وثوق سے بولا تھا، بخت آہستگی سے ہنسا اور بات بدل دی۔

"تم کیسے ہو؟ اور پاکستان کب آئے؟" طلال کے عربی نقوش میں بے ساختہ سرخی دوڑ گئی تھی، اس نے لب کچلے اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا، لہجے میں ہلکی تپش تھی۔

"آج ہی آیا ہوں۔"

"اور تم...... کیا مصروفیات ہیں۔" طلال نے اسے پوچھا۔

"کچھ نہیں بس لاسٹ سمیسٹر کی Prepration چل رہی ہے۔"

"تمہارا کیا ارادہ ہے اس کے بعد؟" طلال نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"پتا نہیں۔" شاہ بخت نے نظریں پھیر لیں۔

طلال کو بے ساختہ وہ شاہ بخت یاد آیا جس نے دوبئی کسینو میں ایک پر ہنگام شام اس کے ساتھ گزاری تھی اور جس کی شہد رنگ جھیلوں نے اسے مسمرائز کر دیا تھا، جس کی دلکش مسکراہٹ کتنی سحر انگیز تھی اور...... اور آج؟ کتنا جامد سناٹا تھا اس کے چہرے پر کتنا ویران تھا اس کا چہرہ، کتنی خالی اور بے رونق تھیں اس کی شہد رنگ جھیلیں اور اس کی وہ دلکش اور تباہ کن مسکراہٹ کتنی پھیکی پڑی

ہوئی تھی۔
زمین آسمان کا فرق تھا اس شاہ بخت اور اس شاہ بخت میں، وہ کیسے مان لے کر کچھ نہیں ہوا۔
''تم نے کیسے وقت نکال لیا اپنے ٹف شیڈول میں، پاکستان چکر لگانے کے لئے؟ کوئی خاص کام تھا؟'' شاہ بخت نے پوچھا، طلال کس عمیق سوچ سے چونکا۔
''میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا آنے کا، مگر یو نو...... مصروفیات، تم ایک بات بتاؤ سچ سچ؟'' طلال نے پوچھا۔
''کون سی بات؟'' وہ چونکا۔
''پچھلے کچھ دن ...... پہلے ......تم ٹھیک تھے ناں؟ کوئی خاص واقعہ......؟ میرا مطلب ہے کہ گھر میں یا تمہیں کسی قسم کی کوئی ٹینشن تو نہیں تھی نا؟'' طلال کی آنکھوں میں پریشانی اور ماتھے پر تفکرات کی لکیریں تھیں۔
''کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' شاہ بخت حیران ہوا۔
''میں بہت دنوں سے پریشان تھا بخت! تمہارے حوالے سے عجیب عجیب وہم آ رہے تھے اور کل رات، کل رات میں نے بہت برا خواب دیکھا، تمہارے حوالے سے، مجھے لگا تم تکلیف میں ہو، بہت زیادہ پریشان ہو، میں رہ نہیں سکا، اب تم مجھے بتاؤ بخت ایسی کون سی بات ہوئی ہے؟'' وہ اپنی بات پر زور دیتا ہوا بولا تھا، شاہ بخت کھلے منہ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔
''ہاں، میں ٹھیک نہیں تھا۔'' حیرت کے ابتدائی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد اس نے کہا۔
''کیا ہوا تھا تمہیں؟'' طلال بے تابی سے بولا۔
''ہاسپٹلائز تھا۔'' وہ مدھم سے انداز میں بولا، طلال کو جیسے کرنٹ لگا، وہ زرد چہرے کے ساتھ شاہ بخت کو دیکھتا رہا۔
''مائی گڈنیس، میرا خواب ٹھیک تھا، میرے خدا!'' طلال نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، شاہ بخت نے پھر حیران ہو کر اسے دیکھا۔
''کیا دیکھا تھا تم نے؟''
''نہیں رہنے دو چھوڑو جانے دو۔'' وہ انکار کرنے لگا، دونوں کی گفتگو کا ربط ٹوٹا جب ٹرالی لئے علینہ اندر داخل ہوئی، دونوں کی نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھی تھیں، طلال بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔
''السلام علیکم!'' علینہ نے کہا۔
''وعلیکم السلام!'' طلال نے جواب دیا، اس نے پوری شدت سے علینہ کی آواز کی کھنکھناہٹ کو نوٹ کیا اور پوچھنے لگا۔
''How are y little girl?''
وہ مسکرایا، علینہ نے سر اٹھا کر قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔
''Fine۔'' اس کا لہجہ قدرے خشک تھا، بڑی تیزی سے اس نے لوازمات سنٹرل ٹیبل پر منتقل کیے، چائے کے برتن سیٹ کیے۔
''شوگر؟'' اس نے سر اٹھائے بغیر طلال سے پوچھا۔
''ون ٹی سپون۔'' طلال نے کہا، علینہ نے طلال کے لئے چائے تیار کی اور شاہ بخت کے لئے کافی اور دونوں کے مگ ان کے سامنے رکھ کر تیزی سے واپس مڑ گئی، وہ اس وقت بلیک جینز اور میرون کرتے میں ملبوس تھی، کرتے کا ہم رنگ اسکارف اوڑھے ہوئے اپنے کندھوں سے ذرا نیچے آتے بالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں جکڑا ہوا تھا، طلال کی نظروں نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا، پھر اس نے شاہ بخت کو دیکھا اور مسکرایا۔
''علینہ از سو بیوٹی فل۔'' شاہ بخت کو جیسے سو والٹ کا کرنٹ لگا، وہ بے ساختہ بولا۔
''تمہیں کیسے پتا وہ علینہ تھی؟''
''پتا چل جاتا ہے یار۔'' طلال اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا۔
''پھر بھی......؟'' اس نے اصرار کیا۔
''مجھے تمہاری آنکھوں نے بتایا دوست! یہی ہے وہ در نایاب جس نے تمہارے جیسے گلیشیئر کو پگھلایا ہے۔'' اس کا انداز شرارت سے پر تھا۔
شاہ بخت مسکرا بھی نہ سکا، ایک سرد سانس اس نے کھینچی اور سر صوفہ کی بیک سے ٹکا دیا، اس کی آنکھیں جل اٹھی تھیں، طلال سے اس کی کیفیت مخفی نہیں رہ سکی۔
''بخت! تمہارے اور اس کے بیچ کچھ غلط چل رہا ہے کیا؟'' وہ پوچھنے لگا۔
''غلط......؟ شاید کبھی کچھ ٹھیک تھا ہی نہیں۔'' وہ مغموم سی ہنسی ہنسا تھا، طلال کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔
''آؤ میرے ساتھ کہیں باہر چلتے ہیں۔'' بخت اٹھ گیا، طلال نے بھی اس کی پیروی کی تھی، کچھ دیر بعد اس کی سیاہ مرسیڈیز سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔

☆☆☆

نوفل آج بے حد مصروف دن گزارنے کے بعد آفس سے لوٹ آیا تھا، تھکن اس کے روم روم میں بہہ رہی تھی، اس وقت راستے میں ہی تھا جب پاپا کی کال آ گئی تھی، وہ اس سے گھر آنے کی بابت دریافت کر رہے تھے، اس نے چند دن میں آنے کا کہا، چونکہ آج کل وہ بنکاک میں تھا اس لئے دو تین دن میں ضرور تھائی لینڈ کا چکر لگا لیتا تھا، مگر اب کام کا برڈن زیادہ تھا، جبھی وہ گزشتہ پانچ دنوں سے نہیں جا پایا تھا، اس سے پہلے کہ وہ الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کرتا، ڈرائیور نے بہت ہنگامی انداز میں بریک لگائی، نوفل کا سر اگلی سیٹ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا، سیل فون اس کے ہاتھ سے گر گیا، اس کی وجہ سامنے سے آنے والی لڑکی تھی، جو جانے کس سٹریٹ سے ایکدم برآمد ہوئی تھی اور چیختی چلاتی گاڑی سے ٹکرا گئی، اگر ڈرائیور بروقت بریک نہ لگاتا تو لازماً وہ گاڑی کے نیچے آ کر کچلی جاتی، وہ جتنی تیزی سے نیچے گری تھی اسی تیزی سے اٹھی اور بے ساختہ گاڑی کے شیشے پر جھک گئی۔
''میری مدد کرو...... پلیز...... میری مدد کرو...... وہ مجھے مار ڈالیں گے...... فار گاڈ سیک۔'' وہ چیختے ہوئے التجائیہ انداز میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولی تھی، میکانکی انداز میں نوفل نے ڈور اوپن کیا وہ تیزی سے بیٹھ گئی اور بیٹھتے ہی چلائی تھی۔
''Go go please go fast۔''
گاڑی تیزی سے حرکت میں آئی، نوفل جھک کر گر جانے والے سیل فون اٹھا رہا تھا جب اس کی نظر لڑکی کے زخمی گھٹنوں پر پڑی، اس کے ساتھ ہی اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔
وہ نقوش سے تھائی لگتی تھی، اس وقت وہ بلیک شرٹ اور پنک اسکرٹ میں ملبوس تھی جو اس کے گھٹنوں تک تھا، سب سے خاص بات اس کے بے تحاشا سنہرے لمبے بال تھے جو اس کے شانوں پر لٹوں کی شکل میں بکھرے ہوئے تھے، وہ اپنے سرخ لبوں کو کچلتی ہوئی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، اس کی ٹانگیں سڑک پر گرنے کی وجہ سے چھل گئی تھیں اور زخموں سے خون رس رہا تھا، مگر وہ یقیناً اتنی پریشان تھی کہ ہر احساس سے بے نیاز

ہوگئی تھی۔

"Hey! what is your name? you are ingired. can you tell me, what happened with you? hey! dont, weep, you must need a doctor"

نوفل پریشانی سے بول رہا تھا، مگر وہ بدستور رونے میں مشغول تھی، اس سے پہلے کہ مزید بات ہوتی، گاڑی نوفل کے شاندار بنگلے کے سامنے رک گئی، بے آواز گیٹ کھلا اور گاڑی رینگتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

پام کے درختوں میں گھرا لان بے حد تاریک اور خوفناک لگ رہا تھا، ڈرائیور لے عبور کرکے گاڑی پورچ میں رک گئی، باوردی ملازم نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو وہ باہر نکل آیا۔

"Please come with me" نوفل نے جھک کر کہا اور اسے ساتھ لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ملازم کچھ حیران نظر آیا، نوفل صدیق جیسا شخص اور لڑکی؟ ناممکن سی بات تھی وہ دونوں آگے پیچھے ہوئے نوفل کے بیڈروم میں داخل ہوگئے۔

"Sit please۔" نوفل نے صوفہ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ خاموشی سے بیٹھ، اندھیرے سے یکدم روشنی میں آنے کی وجہ سے اس کے خدوخال بہت واضح دکھائی دینے لگے تھے، وہ تئیس چوبیس سال کی بے حد خوبصورت لڑکی تھی، مگر اس وقت اس نے رو رو کر اپنی خوبصورت آنکھوں کا ستیاناس کر لیا تھا۔

"کیا تم منیڈ رن (Mandrin) میں بات کر سکتے ہو؟" وہ نستعلیق چینی زبان میں بولی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ بھی روانی سے بولا، لڑکی کے چہرے پر رونق آگئی۔

"میرا نام شائی وانگ ہے، لیکن ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھو، میں بہت پریشان ہوں، میں نہیں بتا سکوں گی، پلیز۔" وہ عجیب انداز میں بولی تھی، نوفل نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"ٹھیک ہے، لیکن تمہیں بینڈیج کی ضرورت ہے۔" وہ سرسری انداز میں اس کی ٹانگوں پر نظر دوڑا کر بولا۔

"میں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گی۔" وہ خوفزدہ نظر آئی تھی۔

"تو ٹھیک ہے تم مت جاؤ، تم خود کر سکتی ہو؟" اس نے پوچھا۔

شائی وانگ نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا، نوفل بھی سر کو اثباتی جنبش دے کر پلٹا اور وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا، پٹ کھول کر پہلے دو مختلف لباس اتارے، دونوں ہی سلیپنگ سوٹ تھے، پھر دوسرا خانہ کھول کر فرسٹ ایڈ باکس نکال لیا، ایک سوٹ اس نے اپنے بازو پر لٹکایا، دوسرا آگے بڑھ کر اس کے نزدیک رکھ دیا اور فرسٹ ایڈ باکس اس کی طرف بڑھایا۔

"تم بینڈیج کرکے چینج کر لیا، میں تب تک باتھ لے لوں۔" وہ کہتا ہوا روم سے منسلک باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

جب آدھ گھنٹے بعد وہ تسلی سے نہا کر لوٹا تو وہ اسے نوفل کے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس نظر آئی، سوٹ اسے خاصا بڑا تھا، اس نے ٹراؤزر کے پائنچے فولڈ کیے ہوئے تھے شرٹ بھی لمبی تھی مگر آستین آدھی ہونے کی وجہ سے کچھ بچت ہوگئی تھی۔

بال بناتے ہوئے نوفل نے آئینے سے

اسے دیکھا، گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ خاصی پریشان نظر آتی تھی۔

"تم کچھ کھاؤ گی؟" نوفل نے بہترین کرٹسی کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں۔" وہ سرنفی میں ہلا کر بولی۔

"اوکے۔" وہ شانے اچکا کر کمرے سے باہر نکل گیا، کچھ دیر بعد لوٹا تو ہاتھ میں دو کافی کے مگ تھے، اس نے خاموشی سے مگ تھام لیا اور گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگی، یکدم جانے کیا یاد آیا کہ سر اٹھا کر اس کو دیکھا اور پوچھ بیٹھی۔

"تم مجھے یہاں سے جانے کو تو نہیں کہو گے ناں؟" لہجہ اندیشوں سے پر تھا، اس کے سامنے صوفہ پر بیٹھا نوفل چونکا پھر سرنفی میں ہلا دیا، کچھ دیر میں وہ کافی ختم کر چکے تھے، کمرے میں پراسرار خاموشی تھی۔

"آؤ میں تمہیں روم دکھا دوں، تم وہاں ریسٹ کرو۔" وہ عام سے انداز میں کہتا اٹھ گیا۔

وہ بری طرح چونک کر متوجہ ہوئی تھی، پھر سر کو اثباتی جنبش دے کر اس کی تقلید میں اٹھ گئی، اٹھتے ہوئے وہ اپنے کپڑے اٹھانے نہیں بھولی تھی۔

نوفل اسے لئے باہر آیا اور ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھول دیا، وہ اندر داخل ہوئی۔

"اوکے گڈ نائٹ۔" وہ کہتا ہوا پلٹ گیا، وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

گھر میں اچھی خاصی رونق لگی ہوئی تھی، عائشہ آپی آئی ہوئی تھیں معہ اپنی فیملی کے، ابا بھی آج گھر پہ ہی تھے، دوپہر کے کھانے کے بعد وہ سب بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے، جب فون کی بیل ہوئی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" ابا کہتے ہوئے اٹھ گئے۔

پانچ منٹ دس منٹ پھر بیس منٹ گزر گئے مگر وہ واپس نہیں آئے۔

"ارے عائشہ! دیکھو یہ تمہارے ابا میاں کہاں رہ گئے، اتنا لمبا فون کس کا آ گیا؟" اماں نے کہا۔

"میں دیکھتی ہوں اماں!" عائشہ نے کہا۔

وہ کمرے میں آئی تو بہت حیران کن اور قدرے پریشان کن منظر تھا، فون کا ریسور نیچے گرا ہوا تھا اور ابا کھلی آنکھوں کے ساتھ جانے کن خلاؤں میں گھور رہے تھے، وہ پریشانی سے آگے بڑھیں۔

"ابا! ابا جان! کیا ہوا؟ کس کا فون تھا؟" انہوں نے ابا کا بازو جھنجھوڑ کر پوچھا۔

"مہروز ...... کا...... فون تھا۔" وہ میکانکی انداز میں بولے، عائشہ نے کچھ ٹھٹک کر انہیں دیکھا۔

"پھر...... کیا کہہ رہا تھا؟"

"ستارا...... گھر...... سے بھاگ گئی۔" انہوں نے جانے کس ہمت کے ساتھ جملہ ادا کیا تھا، عائشہ کے سر پہ آسمان ٹوٹ پڑا۔

فلک ارم ذاکر

''ہمارے دل پر اتنے زخم لگے ہیں کہ ایک آنکھ بند کروں تو ہزار آنسو گرتے ہیں۔'' ہم نے زور و شور سے ہچکیاں لیتے ہوئے بیان جاری کیا۔

''جھوٹی ایک ایک آنسو نکل رہا ہے وہ بھی تم آنکھ دبا دبا کر زبردستی نکال رہی ہو۔'' طلحہ نے لڑاکا عورتوں کے اسٹائل میں کمر پر ہاتھ ٹکا کر ہمارے بیان کے پرخچے اڑا دیے ہم نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''تم جیسے کٹھور انسان سے ہمیں اسی بات کی توقع تھی مگر یہ قطعاً علم نہیں تھا کہ انتہا درجے کے جاہل بھی ہو ہم نے تو محاورتاً ہزار آنسو کہا ہے۔'' تواتر سے سسکیاں بھرتے ہوئے جیسے اپنی بات مکمل کی وہ ہم ہی جان سکتے ہیں۔

''تم ہو جاہل بلکہ بے وقوفوں کی ملکہ اور احمقانہ پن میں پی ایچ ڈی کرنے کا اعزاز بھی

ناولٹ

تمہیں حاصل ہے۔'' طلحہ نے ہاتھ نچا نچا کر ہماری دکھتی رگ چھیڑ دی ہمارے رونے میں اور زیادہ شدت آگئی اور ذہن کے دریچوں پر چند دن پیشتر اپنی فرینڈ کا میسج بھیجا گیا شعر تر و تازہ ہو کر بے اختیار زبان پر آگیا۔

اپنے ہی ہوتے ہیں جو دل پر وار کرتے ہیں
غیروں کو کیا خبر دل کس بات سے دکھتا ہے

ہم نے آنسو بھری نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکا کر ہچکیوں کے دوران انتہائی دردناک انداز میں شعر سنایا اور وہ خبیث سفا کی سے یوں مسکرانے لگا جیسے کوئی لطیفہ سن لیا ہو۔

''چہ...... چہ...... چہ...... میں نے کوئی گن پوائنٹ پر تم سے نہیں کہا تھا کہ ایمن پلیز میرے مخلصانہ مشورے پر بڑی آنٹی کے ہاں جا کر ضرور عمل کرنا۔'' وہ چہ بہ چیں ہونے لگا۔

''جی نہیں تم ہمیشہ سے جان بوجھ کر ہمیں

بے وقوف بناتے ہو۔'' ہم نے سوں سوں کرتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے گالوں پر بہتے آنسو پونچھ کر اسے دیکھا۔

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے یار کہ میں تمہیں جان بوجھ کر بیوقوف بناتا ہوں تم تو......'' انتہائی سنجیدگی و تاسف سے ہمدردانہ لہجے میں وہ مخاطب ہوا اور بات ادھوری چھوڑ کر لمحہ بھر کی توقف کیا۔

''تم تو...... بنی بنائی ہو۔'' ہماری سوالیہ نظروں کے جواب میں جھک کر سرگوشی میں بات مکمل کی اور حلق پھاڑ کر ہنسنے لگا۔

اسے اپنی اصلیت پر اترتے دیکھ کر ہم غم و غصے سے مغلوب ہونے لگے اور پاس پڑا کشن اسے کھینچ مارا مگر کم بخت ڈاج دے کر باہر نکل گیا۔

''گھٹیا انسان آئندہ ہم تم سے کبھی کوئی مشورہ نہیں لیں گے۔'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے ہزار بار کہا گیا قول دہرایا جس پر ہم طلحہ کی ''چالاک فطرت'' کے باعث عمل کرنا بھول جاتے تھے۔

ابھی پرسوں ہی تو پچھلے صحن کی سیڑھیوں پر بوگن ویلیا کی بیل کے قریب ڈھلتی دوپہر میں ہم بے چارگی سے منہ لٹکائے کسی سوچ میں بری طرح مشغول تھے یہ اور بات کہ گرمیوں کی آمد سے قبل کی ڈھلتی دوپہر اپنے اندر بے پناہ خوشگواریت سموئے ایک جانب بنی کیاری میں لگے بے شمار موتیا کے پودوں پر جا بجا کھلے سفید پھولوں کی مہک لئے ہمیں مسکرا کر دیکھ رہی تھی کہ کیاری میں موتیا کے پودے ہماری خواہش پر ہی تو ''تایا جان'' نے لگوا کے دیئے تھے مگر ہم فی الوقت بے نیازی سے بوگن ویلیا کے سفید و پیازی پھولوں سے چھیڑ خانی کرتے سبک سی ہوا کو دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھے۔

جب اس نے مقابل آ کر ہماری نگاہوں کے عین سامنے چٹکی بجائی اور ہمیں متوجہ کیا۔

''ارے سڑے ہوئے بینگن کی مانند ایک کونے میں کیوں پڑی ہو۔''

''اوئے ہماری سنہری رنگت تمہیں سڑے بینگن کی مانند لگتی ہے؟'' ہم تڑپ ہی تو گئے ایک تو ویسے ہی ہم اپنی سنہری رنگت کے معاملے میں خاصے حساس طبع واقع ہوئے تھے کہ اکلوتے تیمور بھیا اور اکلوتی چھوٹی بہن ازیشہ کی نسبت ہماری رنگت تھوڑی دبی دبی تھی اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ تایا زاد، خالہ زاد وہ اسٹوپڈ طلحہ اور اس کی دونوں بہنیں نیرین اور عشنا (جو کہ اپنے بھائی کے برعکس خاصی نیک فطرت واقع ہوئی تھیں) ان لوگوں کی رنگت میں بھی قدرت نے گلابی پن کی فیاضی دکھائی تھی۔

''خیر تمہارے اس بیان کی صداقت میں تو کوئی شک نہیں مگر فی الحال میں نے تمہیں گوشہ نشینی اختیار کرنے پر سڑے بینگن سے تشبیہ دی ہے۔'' وہ انتہائی متکبرانہ و مدبرانہ انداز میں دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں پھنسائے اطمینان سے گویا ہوا کم بخت دل جلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا لیکن ہمارے لئے یہی غنیمت تھا کہ فی الوقت اس نے یہ لفظ کسی اور معنوں میں استعمال کیا تھا۔

''میں تو از راہ ہمدردی یونہی تم سے اداسی کا سبب پوچھ بیٹھا خیر مجھے کیا بھاڑ میں جاؤ۔''

ہم نے جونہی کچھ کہنے کے لئے لب وا کیے اس کی زیرک نگاہوں نے ہمارا ارادہ بھانپ لیا اور بس پھر کیا ہونا تھا اس نے شان بے نیازی سے فرمان جاری کیا اور جانے کے لئے قدم بڑھائے۔

''طلحہ!'' ہمارے لہجے کی شرینی پر وہ مکاری سے مسکرایا۔

''کوئی مشورہ چاہیے ناں؟''

کم بخت ہماری رگ رگ سے واقف تھا ہم نے مسکین سی صورت بنا کر اثبات میں سر ہلا دیا کیونکہ اس جیسا ہوشیار و شاطر (ہماری نظر میں) انسان ہی ہمیں صحیح رہنمائی دے سکتا تھا۔

''طلحہ تم بہت عقلمند (مکار) ہو ہمیں سوبر اور ڈیسنٹ بننے کا کوئی مشورہ دے دو۔'' ہم بے حد لجاجت سے اسے دیکھنے لگے۔

سوبر بننے کا ہمیں بچپن سے ہی بے حد شوق تھا مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم بے حد باتونی فطرت کے واقع ہوئے جس کی بدولت ''سوبر'' بننا محض ایک خواب بن کر رہ گیا جو اکثر ہمیں تعبیر کی صورت میں بے چین رکھتا تھا۔

''بہت مشکل ہے تم جیسی لڑکی آں......'' وہ تاسف سے سر ہلا کر سوچ میں پڑ گیا۔

''پلیز کل بڑی آنٹی کے ہاں ان کے نئے نویلے پوتے کے عقیقہ میں جانا ہے وہاں تمام کزنز و رشتہ دار خواتین موجود ہوں گی کوئی ایسا مشورہ دو جس کی بدولت وہاں سب یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں، واہ ایمن تو بے حد سوبر ہو گئی ہے۔'' ہمارے لہجے میں حسرتوں کے ڈیرے تھے۔

''ہاں ایک آئیڈیا ہے تم وہاں جا کر خاموشی سے بیٹھ جانا کسی بھی عزیز رشتہ دار کو دیکھ کر خوشی سے اچھلنے کی قطعاً ضرورت نہیں، کوئی مخاطب کرے تو اس کا جواب دے دینا، بلا ضرورت کوئی بات مت کرنا اور یہ جو ہر وقت توتھ پیسٹ کا اشتہار بنی رہتی ہو ناں اپنے دانتوں کی نمائش مت کرنا، بلکہ دانت پر دانت جما کر بیٹھنا، یوں۔'' لمبی چوڑی ہدایت بمعہ تنقید جاری کر کے آخر میں اس نے باقاعدہ ایکٹنگ کر کے سمجھایا۔

''ہائے تھینک یو طلحہ! تم کتنے اچھے ہو۔''

اس سارے عمل کو پہلے پہل ہم نے شک کی نگاہ سے دیکھا مگر اس میں کہیں سے بھی بے وقوف بنانے کی سازش کی بو نہیں آئی لہٰذا ہم نے کھلے دل سے اس کو خراج تحسین پیش کرنے میں ذرا تغافل نہ برتا۔

''اچھا تو تمہیں اب پتا چلا ہے۔'' اس نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''نہیں پہلے سے پتا تھا مگر بتایا اب ہے۔'' ہم نے احتیاطاً اس پر مکھن لگا دیا کیونکہ ریہرسل کے دوران کسی بھی مشورے کے لئے اس سے واسطہ پڑ سکتا تھا۔

''اچھا تو میں ہوں بس کبھی غرور نہیں کیا۔'' اس نے فخر سے سینہ پھلا کر کالر کھڑے کر لئے، اس کی اس حرکت پر ہم نے زبردستی مسکرانے پر اکتفا کیا کہ ضرورت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے وہ تو پھر گھوڑا تھا۔

''اور ہاں ابھی اس بابت کسی کو کچھ مت بتانا ورنہ یہ سب جل ککڑیاں تمہارے سوبر بننے کی راہ میں روڑے اٹکا دیں گی۔'' گھوڑا وہ ہمارا مطلب ہے کہ طلحہ جاتے جاتے مڑا اور ہمیں گھر کی تمام لڑکیوں سے بدگمان کرنا چاہا اور اس میں خاصا کامیاب رہا۔

''تیمور بھیا کو بھی ناں بتاؤں؟''

''ارے بھول گئیں، تیمور اور میں ہمیشہ سے تمہیں الو بناتے آئے ہیں اب مجھے ترس آ گیا اور میں سدھر گیا وہ تو نہیں بدلے ناں۔'' اس نے انتہائی راز داری سے سرگوشی کی اور ہم نے سوبر بننے کی ریہرسل کا ارادہ کینسل کر کے جھٹ ہاں میں ہاں ملا دی۔

''یہ تو تم نے سولہ آنے درست بات کہی۔'' ہم اس کے مشکور ہونے لگے۔

''او کے بیسٹ آف لک۔'' وہ ہمیں خوشی

کے ہنڈولے میں جھولتا چھوڑ کر چلا گیا۔

☆☆☆

بڑی آنٹی کے ہاں ہم نے نہایت محنت و جانفشانی سے طلحہ کی ہدایات پر من وعن عمل کیا۔

”ارے کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟“ بڑی آنٹی نے دریافت کیا۔

”اتنی چپ چپ کیوں ہو؟“ بھابھی و دیگر کزنز حتیٰ کہ ہمارے گھر کی لڑکیوں نے بھی ”چپ کے روزہ“ پر حیرت انگیز ریمارکس پاس کیے مگر ہم بڑی دقت کے ساتھ بلیوں اچھلتے دل کو سنبھالے انتہائی کنجوسی سے مسکرائے اور دانت پر دانت جمائے بیٹھے ہمارے جبڑے دکھنے لگے لیکن کچھ پانے کے لئے کچھ تو کھونا پڑتا ہے اور کچھ سوبر بن کر دکھانے کی لگن اتنی شدید تھی کہ ہم نے خاموش رہنے جیسا جان جوکھم کا کام بالآخر سرانجام دے ہی دیا۔

انتہائی سرشاری کی کیفیت میں گھر واپسی ہوئی اور صبح جب سو کر اٹھے تو جھاڑو برتن والی ماسی کا رول پلے کرتے ہوئے کل کے کارنامے پر دل ہی دل میں خود کو سراہنے لگے، عشنا اور ازیشہ فرسٹ ائیر (ایف ایس سی) کی سٹوڈنٹ تھیں اور کالج سدھار چکی تھیں پاپا اور تایا جان آفس تھے جبکہ تیمور بھائی اور طلحہ نے حال ہی میں ایم اے فائن آرٹ کیا تھا آج کل ایک نجی چینل سے منسلک تھے ساتھ ہی ساتھ اپنی آرٹ گیلری کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

اور رہے ہم اور نیرین تو ہم دونوں فریش گریجویٹ تھے اور اکثر سر جوڑے آئندہ کی پلاننگ میں مگن پائے جاتے تھے۔

فون کی بیل پر انہماک سے پونچھا لگاتا ادھورا چھوڑ کر ہم اٹھے اور سی ایل آئی سکرین پر بڑی آنٹی کا نمبر جگمگاتا دیکھ کر جلدی سے کال ریسو کی۔

سلام دعا کے بعد اپنی توقع کے برعکس سنا[illegible] حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر صدمے کا دامن تھام لیا۔

”نن...... نہیں آنٹی بات یہ نہیں ہے۔“ ہم نے ہکلاتے ہوئے وضاحت دینی چاہی مگر وہ [illegible] کچھ سننے پر رضامند نہیں تھیں اور تو اور آنٹی نے صرف خود پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بھابھی نے علیحدہ سے گوشمالی کا اندوہناک فریضہ غالباً اپنی ساس کی تقلید میں سرانجام دیا۔

ان دونوں کی گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ ایمن تم بے حد مغرور و سڑیل و بد دماغ وغیرہ وغیرہ ہو گئی ہو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھنے لگی ہو بندے کو بندہ نہیں سمجھتی ہو کل ساری تقریب میں تو لفٹ کا سائن بورڈ اپنے چہرے پر لگائے انتہائی بداخلاقی سے بیٹھی رہیں۔

”بھابھی یقین کیجئے ہم تو سوبر بننے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”جاؤ بی بی یہ بہانے کسی اور کو سنانا۔“ ہماری منمناہٹ پر بھابھی قطعاً کان دھرنے کو تیار نہ تھیں۔

لہٰذا ہم نے انتہائی خشوع و خضوع سے روتے ہوئے انہیں تمام روداد کہہ سنائی جو کہ فون پر بھابھی کے علاوہ ہمارے گردونواح میں موجود کچنار کی کلیاں توڑتی ماما اور تائی امی نے ہمہ تن گوش ہو کر سنی۔

”بھابھی آپ آنٹی کو بتایئے گا نہیں ہم خود شام میں ان کے روبرو پیش ہو کر اپنی صفائی دیں گے۔“ ہم نے بھیگے لہجے میں اللہ حافظ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا اور زور و شور سے سسکنے لگے۔

”طلحہ کی تو میں کھنچائی کروں گی کیسے الٹے مشورے دیئے ہیں بچی کو۔“ تائی امی کو جلال آ

گیا۔

”مگر ان محترمہ کے دماغ میں سوبر بننے کا کیڑا کیوں کلبلایا جب خود ہی دعوت دیں گی آ بیل مجھے مار تو ایسے ہی ہو گا ناں۔“ ماما کے غصہ کا عتاب ہمارے ناتواں وجود پر نازل ہونے لگا لیکن خوشی تو اس بات کی تھی کہ ماما نے درپردہ بیل طلحہ کو ہی کہا تھا مگر ہم سدا کے انصاف پسند واقع ہوئے ہیں۔

”ماما، طلحہ کو اونٹ یا گھوڑا کہہ دیں بیل تو بہت موٹا ہوتا ہے۔“ ہم نے آنسو بہاتے ہوئے ان کے بیان کی تصحیح کرنی چاہی۔

”اف آپا کیا بنے گا اس کا۔“ ماما سر تھام کر کہنے لگیں۔

”ماما یہ کچنار ہے اور فریزر میں قیمہ موجود ہے تو اس کا کچنار اور قیمہ بنے گا۔“

ہم رونا بھول کر حیرت سے گویا ہوئے جبکہ تائی امی نے بے اختیار ہنستے ہوئے چٹا چٹ ہماری بلائیں لے ڈالیں۔

”کتنی معصوم ہے ہماری ایمن۔“ انہوں نے مسکرا کر ماما کو مخاطب کیا جو ہنوز سر تھامے کچنار کی کلیوں پر غور و خوص فرمانے میں مشغول تھیں۔

”لو بھلا اس میں معصومیت کا کیا تذکرہ۔“ ہم اندر ہی اندر الجھ کر بھیگی پلکوں کے ساتھ پھر سے پونچھا لگانے میں مگن ہو گئے شام کو تائی امی نے طلحہ کی خوب گوشمالی کی اور وہ دندناتا ہوا ہمارے سر پہ آن کھڑا ہوا۔

اسے روبرو دیکھ کر ہمارے زخم پھر سے ہرے ہو گئے اور نئے سرے سے آنکھیں برسنے لگیں ہم نے مصمم ارادہ باندھ لیا کہ آئندہ اس سے کوئی مشورہ نہیں لینا۔

☆☆☆

”کیا ہوا؟ پھر سے سوبر بننے کے طریقے تلاش کر رہی ہو۔“

اگلے دن ہم اپنے مخصوص گوشے میں براجمان طلحہ کے دیئے گئے دکھ اپنی انگلیوں پر شمار کر رہے تھے جب پچھلے صحن کی سیڑھیوں پر ازیشہ اور عشنا کی معیت میں نیرین نے دھاوا بول دیا۔

”شٹ اپ! ہمیں کسی سے بات نہیں کرنی۔“ ہم نے منہ پھلا لیا۔

”یار ہم لوگوں نے تو کچھ نہیں کیا ہم سے کس بات کی ناراضگی؟“ نیرین اچک کر ہمارے برابر میں آن دھمکی، جبکہ ازیشہ عشنا نے ہمارے قدموں سے ایک سیڑھی نیچے ڈیرے ڈال لئے اور لگیں نیرین کی ہاں میں ہاں ملانے، جس پر ہم جل بھن کر کوئلہ ہو گئے۔

”اچھا اور رات کو تیمور بھائی کو سارا قصہ سنا کر ان کے ساتھ تم تینوں تو بالکل بھی نہیں ہنسیں، ہیں ناں۔“ ہم نے دانت کچکچاتے ہوئے بھرپور طنز کیا۔

”ارے ایمی آپی ہم تو اس لئے ہنسے تھے کہ آپ کو سوبر بننے کی ضرورت ہی کیا ہے آپ تو ایسے ہی بہت اچھی ہیں۔“ عشنا نے فوراً مسکا لگایا جس کی بدولت ہم فوراً نہال ہو گئے۔

”ہاں پتا ہے کل شام جب بڑی آنٹی کے ہاں گئے تھے تو وہ اور بھابھی بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ تم جو ہو جیسی ہو بے حد اچھی ہو اپنے آپ کو بھی مت بدلنا۔“ ہم خوشی خوشی بتانے لگے۔

”تو اور کیا، اتنی ڈیسنٹ سی ہو تم۔“ نیرین نے ٹکڑا لگایا جس پر ہمارا دل اسی پل ایمان لے آیا جبکہ ازیشہ دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے توبہ کرنے میں مصروف تھی۔

”تمہیں کیا ہوا ہے؟“ ہم نے حیرانی سے دریافت کیا۔

”میں تو ان لوگوں کے جھوٹے بیانات پر

''تم نے بات ہی ایسی کی ہماری تو جان ہی نکل گئی۔'' ہم نے اطمینان سے سانس خارج کی جبکہ دل ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔

''میں نے کیا کہا۔'' نیرین نے ابرو چڑھائے۔

''بھئی تم نے کہا کہ ہمارے چہرے پر تفکر آمیز لکیریں......''

''اف یار!'' نیرین نے بے ساختہ ماتھا پیٹ کر ہماری بات کاٹ دی۔

''جاؤ میں ہی پاگل ہوں جو ڈائجسٹ کی ہیروئن کو دکھ میں چھوڑ کر تمہاری آہوں کا سبب دریافت کرنے لگی اب تک تو کہانی میں ہیرو کی انٹری بھی ہو چکی ہوتی۔'' نیرین نے بڑبڑاتے ہوئے پھر سے ڈائجسٹ کھول لیا۔

''اچھا وہ بات۔'' ہم نے اچھا کو لمبا کر کے اینڈ میں پھر آہ بھری مگر نیرین اب کے بے نیازی سے کہانی پڑھنے میں مگن رہی۔

اس کی بے حسی پر ہمارا دل دکھ سے بھر گیا ہم نے ایک نظر کھڑکی کے شیشے سے سر ٹکرا کر پھسلتی بارش کو دیکھا جو رات کی سیاہی میں یا تم کناں تھی اور ہوارات کے سنگ نم ہوتی جا رہی تھی۔

''ہماری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔'' ہم نے طویل سانس بھر کر اسے دیکھا اور میوہ جات کی پلیٹ کی جانب ہاتھ بڑھایا مگر کم بخت ازیشہ، عشنا ہم دونوں کو محو گفتگو پا کر پلیٹ کا صفایا کر چکی تھیں۔

''کب ہوا یہ سانحہ؟'' نیرین کی آنکھیں ابل پڑیں اور آواز بلند ہو گی جس پہ عشنا، ازیشہ بھی ہینڈ فری اتار کر میگزین چھوڑ چھاڑ کر ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

''چند دن پہلے۔'' ہم ہاتھوں کی انگلیاں اضطرابی انداز میں مروڑتے ہوئے گویا ہوئے۔

''گھنی میسنی مجھے بتایا تک نہیں۔'' نیرین نے ہم پر کشن سے حملہ کر دیا اور ہم اس ناگہانی افتاد پر ساکت سے اسے دیکھنے لگے۔

''راتوں کی نیندیں غائب اور ہم سب بے خبر رہے۔'' وہ مسلسل ہم پر کشن برساتی رہی۔

''اوئی آہ یار اس میں ناراض ہونے والی بات ہے۔'' ہم نے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لئے وہ یکدم ٹھنڈی پڑ گئی۔

''اوہو آپی آپ کے تو دماغ ہی نہیں مل رہے۔'' عشنا نے آنکھیں نچائیں۔

''کون ہے وہ؟'' نیرین کے سوال پر وہ دونوں بھی تجسس آمیز تاثر لئے ہمارے جواب کی منتظر نظر آ رہی تھیں۔

''تیمور بھائی۔''

''ہائیں، تیمور بھائی لاحول ولا قوة۔'' ازیشہ نے برا منہ بنایا۔

''وہ تو تمہارے سگے بھائی ہیں۔'' نیرین ہونق پن سے گویا ہوئی۔

''ہائے اللہ تو نہ تم لوگ کوڑھ مغز ہو نجانے کیا سمجھ لیا بھئی ہم اتنی دیر سے یہی تو بتا نا رہے ہیں کہ بھائی جوان ہو جائیں تو بہنوں کی راتوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔'' ہم نے ان کی سوچ پر لعنت بھیج کر اصل بات کی وضاحت کی۔

''ارے یہ تو بیٹیوں کے ماں باپ کے متعلق سنا تھا کہ والدین کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔'' عشنا نے اپنی سوچ کے گھوڑے دوڑا کر قیاس ظاہر کیا۔

''نہیں چندا بھائی جوان ہوں تو بہنوں کی بھی اڑتی ہیں جیسے ہماری۔'' ہم نے فلسفہ بگھار کر رونی صورت بنائی۔

''ہوا کیا۔'' اب کے ازیشہ نے استفسار

کیا۔
''تیمور بھائی کے دل میں کوئی ہے۔'' ہم نے ان سب کی سماعتوں پر بم پھوڑا ازیشہ، عشنا ساکت رہ گئیں جبکہ نیرین نے خلاف توقع جارحانہ انداز میں ہمیں دیکھا تھا۔

''کوئی ہے تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔'' نیرین تڑخ کر بولی۔

''ہائے اللہ نیرین تم کیوں اس ڈائن کی اتنی طرفداری کر رہی ہو۔'' ہم نے سخت استعجاب کے عالم میں صدائے احتجاج بلند کی۔

''خبر دار جو اسے ڈائن کہا تو، تم ہو گی ڈائن۔'' وہ لڑنے مرنے پر آمادہ تھی۔

''تم...... تم اس ڈائن کے پیچھے ہم سے جھگڑا کر رہی ہو یہ دن دیکھنے سے پہلے......''

''آپی یہ رات ہے۔'' ازیشہ نے تصحیح کی۔

''ہاں یہ رات دیکھنے سے پہلے ہم آں...... آں۔'' بے حد بھرائی ہوئی آواز اور دکھی انداز میں کہتے ہوئے ہم مناسب الفاظ کی تلاش میں اٹ گئے۔

''مر کیوں نہ گئے۔'' عشنا نے ٹکڑا لگایا۔

''جی نہیں تمہارے منہ میں خاک ہم نے ابھی دنیا میں دیکھا ہے کیا ہے ہماری عمر میں کیا ہے مریں ہمارے دشمن۔'' ہم نے اسے اچھا خاصا لتاڑا وہ بے چاری بغلیں جھانکنے کے بجائے مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگی تا کہ ہم اپنی ادھوری بات مکمل کر سکیں۔

''یہ رات دیکھنے سے پہلے ہم ہاں ہم سو کیوں نہ گئے۔'' ہم نے ایکبار پھر سے اپنی سابقہ ادھوری بات دہرا کر بالآخر کامیابی سے مکمل کی اور کب کے رکے ہوئے آنسو آنکھ کی دہلیز پھلانگنے لگے۔

''ایک ڈائن کی خاطر ہمیں رلایا تم نے۔'' ہم نے روتے ہوئے آنسو بھری نگاہیں اٹھا کر شکوہ کیا۔

''تم نے پھر سے اسے ڈائن کہا، دیکھو میری برداشت کا امتحان مت لو۔'' وہ ایک ہاتھ کمر پر ٹکا کر ایک ہاتھ ہماری جانب کیے وارننگ دینے کے انداز میں گویا ہوئی، آخر کو تھی ناں سنگدل طلحہ کی بہن خون کا اثر تو آنا ہی تھا۔

''ڈائن...... ڈائن ہزار بار کہیں گے کیونکہ ہم تمہیں اپنی بھابھی بنانا چاہتے تھے۔''

''ارے وہ ڈائن میں ہی تو ہوں۔'' اب کے نیرین شرما کر کمال اطمینان سے مخاطب ہوئی۔

''کیا؟'' ازیشہ، عشنا اور ہم ساکت رہ گئے البتہ ہمیں تو اس بات پر شاک لگا کر اس نے خوشی خوشی خود کو ڈائن کا خطاب دے دیا۔

''ارے تم خود کو ڈائن کیوں کہہ رہی ہو تم تو پری ہو۔'' حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر ہم نے حق دوستی نبھانا چاہا۔

''بے وقوف میرا مطلب ہے کہ جوان کے دل میں ہے وہ میں ہی تو ہوں۔'' وہ کھلکھلا اٹھی۔

''اچھا تو آپ کا اور تیمور بھائی کا چکر چل رہا ہے۔'' ازیشہ نے نکتہ اٹھایا۔

''صرف چکر نہیں بڑوں کے مابین بات چیت بھی چل رہی ہے کیونکہ مابد دولت کی اب شادی کی عمر ہے۔'' نیرین بھانڈا پھوڑ کر اترائی۔

''ہائیں ہمارے تو فرشتوں کی بھی خبر نہیں ہے تم لوگ کتنے شاطر ہو۔'' ہم نے فوراً ننداپا نہ جلن نکالی اور اس پر کشن کی بوچھاڑ کر دی البتہ عشنا، ازیشہ خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے لگیں۔

''اچھا تو تم مجھ جیسی معصوم لڑکی کو چالاک کہہ رہی ہو کر دی ناں نندوں والی بات۔'' نیرین

نے برملا شکوہ کیا۔

"اور تم نے بھی تو ابھی بھابھیوں والی بات کی تھی۔" ہم نے جواب شکوہ کیا۔

"میں نے کیا کیا؟"

"مجھے مابدولت کو بے وقوف کہا تھا۔"

"میں نے تمہیں در پردہ معصوم کہا تھا اور تم نے میرے ہی خلوص پر شک کیا۔" اس نے سیاسی بیان دیا۔

"ارے تو ہم نے کون سا تمہیں دل سے چالاک کہا در پردہ سمجھدار کہا تھا۔" ہم نے بھی رحمان ملک سا انداز اپنا لیا جبکہ ازیشہ، عشنا کم بخت زیر لب مسکرانے لگیں ہمیں سو فیصد یقین تھا کہ دونوں ہم لوگوں کا سیاسی انداز بھانپ چکی ہیں مگر فی الحال ہم اس بات پر خوش تھے کہ تیمور بھائی کے دل میں جو ہے وہ واقعی اپنا بلکہ اپنی ہے۔

☆☆☆

ہم خشوع وخضوع سے رونے دھونے میں مشغول تھے۔

"ارے کوئی بات نہیں چندا ایسا ہو جاتا ہے۔" تائی امی نے گلے لگا کر تسلی دی۔

"نہیں اب ایسا بھی نہیں ہوتا جیسا ہمارے ساتھ ہوا۔" ہمارا دکھ کسی طرح کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

"ایمن تم کیوں رو رہی ہو جب سب لوگ چپ ہیں تمہیں کچھ کہہ نہیں رہے۔" اب کے امی نے لیکچر دیا۔

"ہم اسی لئے تو رو رہے ہیں اگر کوئی کچھ کہہ دیتا تو دل کی یہ خلش کم ہو جاتی مگر آپ سب کی چپ تو مارے ڈال رہی ہے۔"

"اف تم پاگل ہو کوئی کیوں کچھ کہتا جب اتنے مزے کا کھانا بنایا ہے۔" نیرین نے پیار سے سمجھایا۔

"بالکل صحیح آپی بہت مزے کا گوشت کا سالن ود آلو فلیور بنایا تھا۔" ازیشہ کی بات پر ہمارے زخم پھر سے ہرے ہو گئے ازیشہ اور عشنا دوپہر کے کھانے سے فراغت کے بعد دسترخوان سمیٹنے میں مگن تھیں جبکہ ہم سب لوگوں کے صبر و تحمل کے مظاہرے پر رونے دھونے میں مصروف تھے۔

"ہائے لیکن اس میں سے آلو نجانے کہاں چلے گئے گوشت کو شوربے میں اکیلا چھوڑ کر۔" ہم نے تاسف بھری نگاہ سالن کی ڈش پر ڈالی اور پھر سے رو دیئے۔

"ارے میری رانی جب تم پریشر ککر میں آلو گلنے کے لئے رکھ دو گی تو وہ حلوہ بن کر شوربے میں مکس نہیں ہوں گے تو اور کیا ہو گا۔"

"تائی امی اگر ایسی بات ہوتی تو آلو کے ایک آدھ ٹکڑے کا نام ونشان ضرور مل جاتا۔" ہم نے سسکاری بھری۔

"ارے چھوڑیں آپا اس لڑکی کے دماغ میں بھوسہ بھرا ہوا ہے اس کو مت سمجھائیں۔" امی قدرے غصے میں مخاطب ہوئیں۔

"نہیں بھئی یہ میری پیاری بیٹی ہے اب نہیں رونا، ٹھیک ہے۔" تائی امی ہمیں پچکار کر امی کی معیت میں قیلولہ فرمانے چلی گئیں۔

اور ہم آنسو صاف کرتے ہوئے نیرین کے سنگ ٹی وی لاؤنج میں جلوہ افروز ہو گئے جہاں طلحہ، تیمور بھائی کے پہلو سے لگا ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بھئی ایمن میں نے ایف آئی آر درج کروا دی ہے انشاء اللہ آلو بہت جلد بازیاب کروا لئے جائیں گے۔" نجانے اس نے تسلی دی تھی یا مضحکہ اڑایا مگر طلحہ کی بے حد سنجیدگی سے کہی گئی بات پر تیمور بھائی ہنس ہنس کے دہرے ہو گئے جبکہ وہ بظاہر پھر سے ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا، ہم جل بھن کر خاک ہونے لگے گویا ہمارے زخموں پر نمک چھڑکا جا رہا تھا اور اس کم بخت کے لبوں کے گوشوں میں ٹھہری مدھم سی مسکراہٹ ہماری گناہ گار آنکھوں نے ملاحظہ کی تو ذہن میں فوراً آگہی کا جھماکا ہوا۔

"نیرین ڈیئر آلو کہیں غائب نہیں ہوئے بلکہ یہ کسی کی سازش ہے۔" ہمارے اندر کسی مرحوم تفتیشی آفیسر کی روح حلاوت کر چکی تھی اور طلحہ کو نگاہوں کے فوکس میں رکھتے ہوئے دماغ میں کلبلاتے شک کو لفظوں کا روپ دینے میں ہمیں کوئی قباحت محسوس نہ ہوئی۔

"بھئی اپنی ایمن نے تو ایکدم سیاسی شخصیات جیسا بیان دیا ہے۔" تیمور بھائی نے طلحہ کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا جبکہ جملہ حاضرین مطلب تمام فی میل کزنز ٹھٹک کر ہماری سمت استعجابیہ انداز میں متوجہ ہوئیں۔

"یہ کوئی سیاسی بیان نہیں سفاک حقیقت ہے آلو باقاعدہ سازش کے تحت چوری کیے گئے ہیں۔" اب کے ہم بھی تفتیشی آفیسر کا چولا اتار کر خود کو ایک سیاستدان تصور کرتے ہوئے گویا ہوئے یہ اور بات کہ بیشتر سیاسی شخصیات کی طرح ہمیں بھی جھوٹا تصور کیا گیا۔

"ایمن تم ہوش میں تو ہو۔" نیرین الجھ گئی اور ازیشہ عشنا دانت نکوستے ہوئے ہم پر ایک تاسف بھری نگاہ ڈال کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"لو بھئی آلو نہ ہوئے "افروز کیمیکل" کا اینٹی ملیریا کیمیکل ہو گیا جو چوری ہوا۔" طلحہ نے ہنستے ہوئے حظ اٹھایا۔

"اور اب محترمہ فرمائیں گی کہ آلو سالن میں سے سات، آٹھ ماہ پہلے چوری ہوئے تھے۔" تیمور بھائی نے ٹکڑا لگایا سب کے مشترکہ قہقہوں پر ہماری جان ہی تو جل گئی۔

"نیرین مت بھولو کہ اب تم ایک بیچاری کزن کا نہیں بلکہ اپنی ہونے والی نند کا مضحکہ اڑا رہی ہو۔"

ہماری تنبیہ پر وہ فوراً با ادب ہو کر منظر سے غائب ہو گئی "ہاں تو آلو طلحہ نے جان بوجھ کر چرائے ہیں، ہیں ناں۔"

ہم دیکھ طلحہ کو رہے تھے اور مخاطب تیمور بھائی تھے، ہماری بات پر وہ دونوں فلک شگاف قہقہے لگانے لگے، جبکہ کرکٹ میچ سنسنی خیز موڑ پر پہنچ چکا تھا مگر وہ دونوں کرکٹ میچ کو یکسر فراموش کیے ہماری سمت متوجہ تھے ہم بھی خاموش رہے جب انہیں کرکٹرز کے ہوائیاں اڑتے چہرے دکھائی نہیں دے رہے تو ہم کیوں احساس دلاتے۔

"تم بالکل عقل کا ڈھیر......" طلحہ بات ادھوری چھوڑ کر پھر سے ہنسنے لگا جبکہ اس کی بات پر ہماری گردن فخر سے تن گئی آخر کو ہماری تعریف ہو رہی تھی مگر وہ دونوں ہنسی سے لوٹ پوٹ کیوں ہوئے جا رہے تھے ہم ٹھٹک گئے۔

"عقل کا ڈھیر...... ہاہاہا گھاس ہو۔" طلحہ نے بمشکل اپنے قہقہوں کا گلہ گھونٹ کر اصل بات واضح کی۔

"تم اپنی خوبیاں مت گنواؤ ہم جانتے ہیں۔" ہم تلملا کر رہ گئے۔

"یار تمہیں کیسے سمجھ آئے گی۔" تیمور بھائی نے سر پیٹ لیا۔

"اس دماغ کے بھوسے کو باہر نکال کر عقل کو جگہ دو پلیز آلو شوربے میں تحلیل ہوئے ہیں جاؤ لیبارٹری میں ٹیسٹ کروا لو تسلی ہو جائیگی۔" اب کہ وہ سنجیدگی سے گویا ہوا اس کی بات پر ہم ایمان

لے آئے کیونکہ اگر اس نے کوئی فنکاری دکھائی ہوتی تو وہ اگل دیتا مگر بھوسے والی بات نے ہمارے غصے کو ہوا دی تھی۔

''اچھا تمہاری وجہ سے تو بھروایا تھا جب اپنا دماغ خالی کر کے بھوسہ نکالو گے تو بتا دینا ہم بھی اپنا نکال لیں گے۔'' ہم نے سخت طیش کے عالم میں اپنی کھسیاہٹ اس پر اتاری اور جائے وقوعہ سے کھسک کر باہر نکلتے تیمور بھائی کی جانب دھیان ہی نہیں دے پائے۔

''ارے بھول گئیں جو میرے دماغ میں تھا وہ تم ہی نے تو دیا تھا تمہارے دماغ میں زیادہ تھا تو تم نے کہا تھوڑا تم لے لو اب اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔'' اس کی بات پر ہمیں سخت جھنجھلاہٹ کے باوجود بڑے زور سے ہنسی آ گئی۔

''مان گئیں ناں، یاد آ گیا۔'' ہمیں ہنستا دیکھ کر وہ خواہ مخواہ پھیلنے لگا۔

''جی نہیں تم مانتے کہ تمہارے دماغ میں بھوسہ تھا۔''

''تو تم کیوں اتنا گریز کر رہی ہو؟'' وہ مسکرایا۔

''جی نہیں ایسی بے کار چیزیں ہم جیسی عقلمند (بقلم خود) لڑکی کے کس کام کی۔'' ہم شان بے نیازی سے گویا ہوئے۔

''نہیں تم بھول گئی ہو یاد کرو۔'' وہ مصر ہوا۔

''چلو تمہاری عمر کا تقاضا ہے جاؤ معاف کیا۔'' ہمیں بے نیازی کا مظاہرہ کرتے دیکھ کر اس نے تیلی لگائی اور حسب توقع ہم نے بھڑک کر کشن اٹھایا تھا۔

''شیطان کے چیلے ٹھہرو ذرا ہم بتاتے ہیں ابھی تمہیں۔'' ہم اس کے پیچھے لپکے تھے اور وہ ہمیشہ کی طرح فرار ہو گیا، تھک ہار کر ہم صوفے پر ڈھیر ہو گئے اور ریموٹ اٹھا کر اپنا من پسند چینل لگا لیا۔

☆☆☆

ہم آندھی طوفان کی مانند چارٹ پیپر ہاتھ میں لئے پچھلے صحن میں بچھی چارپائیوں پر کینو سے لطف اندوز ہوتے بزرگ حضرات کے عین درمیان میں پہنچے۔

''ارے کیا ہوا بھئی بن بادل برسات کیوں؟'' ہماری آنکھوں سے لگی ساون کی جھڑی نے تایا ابا کو چونکا دیا۔

''تایا ابا طلحہ کے بچے نے ہمارا اسکیچ … ہے۔'' (گو کہ طلحہ تیمور بھائی کا ہم عمر ہونے کی … پر ہم نے دو سال بڑا تھا مگر بچپن سے تیمور بھائی کی دیکھا دیکھی ہم نے اسے طلحہ ہی کہتے … آئے تھے شروع میں ماما ٹوکتی تھیں مگر وقت … ساتھ سب عادی ہوتے چلے گئے۔)

ہم نے روتے ہوئے لب کشائی کیا اور … ان کی نگاہوں کے عین سامنے لہرایا جس پر تایا … سمیت باقی بزرگوں نے بھی نگاہ ڈالنے کا … فریضہ سرانجام دیا اور بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔

''بیٹا آپ اس گدھی کی تصویر کو اپنا … کہنے پر کیوں تلی ہو۔'' تایا ابا نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

''نہیں یہ...... یہ گدھی کا پورٹریٹ ہے۔'' ہم بوکھلا گئے۔

''ابھی تو کہہ رہی تھیں کہ آپ کا اسکیچ ہے۔'' پاپا ہنسے۔

''یہ گدھی نہیں ہم ہیں، نن...... نہیں … مطلب ہے کک...... کہ......'' سب کو بد… مسکراتے ہوئے دیکھ کر ہم سٹپٹا گئے، سب … پہلے اپنی سسکیوں کو بریک لگا کر دماغ لڑایا … میں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنا مدعا کیسے ان لوگوں تک پہنچائیں۔

''طلحہ اسٹوپڈ نے ہم سے کہا کہ ایمن آؤ … پیارا اسکیچ بناؤں اور ہم اس کے سامنے آدھا گھنٹہ ایک ہی پوز بنائے بیٹھے رہے اور آدھ گھنٹہ بعد اس نے یہ گدھی کا پورٹریٹ تھما کر کہا کہ بہت پیاری لگ رہی ہو تم اس تصویر میں۔'' ہم ریکارڈنگ مشین کی مانند بج کر نئے سرے سے رونے لگے سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''کیا بنے گا ان دونوں کا۔'' ماما نے فکر مندی سے تائی امی کی جانب دیکھا۔

''ارے بچے ہیں ٹھیک ہو جائیں گے۔'' وہ مسکرائیں۔

''تم فکر مت کرو اس گدھے کی میں اچھی طرح خبر لوں گا۔'' تایا ابا نے ہمیں ساتھ لگا کر بھرپور تسلی سے نوازا۔

''لیکن ہم نے تو طلحہ کی شکایت کی ہے گدھا بے چارا بے ضرر جانور ہے اس میں ہمیں کیا۔'' ہم نے بھیگی پلکیں جھپک کر حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ہاہاہا ارے طلحہ ہے گدھا اور ہرگز بھی بے ضرر نہیں ہے۔''

''اوہ اچھا اچھا۔'' ہم بے تحاشا خوش ہو گئے۔

''اور پتا کیا تایا ابا وہ نیرین، عشنا، ازیشہ بھی خوب ہنسی تھیں۔'' ہم نے لگے ہاتھوں ان تھالی کے بینگنوں کی شکایت کر ڈالی۔

''او میرا بیٹا میں سب کو اچھی طرح ٹھیک کر دوں گا تم بس مسکرا کر دکھاؤ جلدی سے۔''

ان کے بچکارنے پر ہم سب کچھ بھلا کر بتیسی سے ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بن گئے اور … سے کینو کے ساتھ بھرپور انصاف کرنے لگے۔

☆☆☆

''ہائے اللہ ہمارے لاکر کی چابیاں نہیں مل رہیں نیرین تم نے تو نہیں دیکھیں؟'' ہم نے بے حد پریشانی کے عالم میں اسے مخاطب کیا۔

''ہاں دیکھی ہیں۔'' وہ اخبار میں سر گھسائے بولی، اس نے اطمینان بخش جواب پا کر ہم یکدم شانت ہو گئے۔

''لاؤ دو پھر ہم خواہ مخواہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہوئے۔''

''کیا دوں؟'' اس نے ابرو اچکائے اور ہماری سمت متوجہ ہوئی۔

''بھئی ہمارے لاکر کی کیز۔''

''مجھے کیا پتا۔'' وہ پھر سے اخبار میں گم ہونے لگی۔

''ابھی تو تم نے کہا کہ تم نے دیکھی ہیں۔'' ہمیں کوفت ہونے لگی۔

''او ہاں کل تمہارے ہاتھ میں دیکھی تھیں۔'' وہ مزے سے گویا ہوئی۔

''اف یار ہم آج کے متعلق دریافت کر رہے ہیں۔''

''آج ہاں ٹھہرو بتاتی ہوں۔'' اس نے اخبار کا صفحہ پلٹا اور کچھ تلاشنے لگی۔

''کیا اخبار میں سے دیکھ کر بتاؤ گی۔'' ہم جھلا گئے۔

''ہاں کیونکہ کچھ کچھ یاد ہے باقی ذہن سے نکل گیا۔'' اس کی نظریں ہنوز اخبار پر مرکوز تھیں۔

''لیکن اخبار والوں کو کیسے پتا؟'' ہم حیرت کے سمندر میں غرق ہونے لگے یعنی کہ لاکر کی کیز گم ہونے کی خبر تک شائع ہو گئی۔

''یار انہوں نے تو روزانہ بتایا ہوتا ہے یہ دیکھو، تمہارے سٹار میں لکھا ہے کہ تمہارا آج کا

دن......"

"ہائے اللہ نیرین...... ہم اپنے لاکر کی چابیوں کے متعلق استفسار کر رہے تھے کہ آج دیکھی ہیں تم نے۔" ہم نے اپنا سر پیٹ لیا اور بہت بے بسی و بے چارگی سے نڈھال انداز میں بڑی مشکل سے اپنا مدعا سمجھایا۔

"سوری میں نے نہیں دیکھیں۔" نیرین کے صفا چٹ جواب پر ہم نے باقی دونوں پیس ہاں وہی عشنا، ازیشہ سے تفتیش شروع کر دی، جس کے بدلے میں انہوں نے ناک بھوں چڑھا کر تایا ابا سے شکایت لگانے کا طعنہ دے دیا حالانکہ تایا ابا نے تو بس پیار بھری سرزش ہی کی تھی کہ بھئی ایمن میری بہت پیاری بٹی ہے اس کو تنگ مت کیا کرو اور ہمارا سیروں خون بڑھ گیا تھا جس میں سے دو تین لیٹر آج خشک ہو گیا تھا کیونکہ ہمارے لاکر کی کیز ہنوز ہماری دسترس سے دور تھیں اور مستزاد یہ کہ لاکر کی رنگ میں دو عدد ڈپلی کیٹ چابیاں بھی ساتھ ہی شامل تھیں۔

"میری پیاری بہنا! شام کو فنکشن پہ جانے کی تیاریاں کرنے کے بجائے گوشہ نشین کیوں ہو گئی ہے۔" ہم منہ لٹکائے تنہا اپنی قسمت کو کوس رہے تھے جب تیمور بھائی خوبصورت سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اپنے دم چھلے طلحہ کے سنگ کمرے میں داخل ہوئے۔

(تایا ابا کے ہاتھوں ان لوگوں کی گوشمالی ہوئی ہو گی جبھی اس دن کے بعد سے یہ دونوں شہد ٹپکاتے ہیں اور کئی دن سے طلحہ نے کوئی شرارت بھی نہیں کی) ہم نے دل ہی دل میں قیاس کیا۔

"بھائی ہمارے لاکر کی کیز نہیں مل رہیں ہمیں نہیں لگتا کہ ہم شام میں مشتاق ماموں......"

"ہم ہیں مشتاق۔" طلحہ نے ہماری بات اچک لی۔

"تم طلحہ ہو مشتاق نہیں او کے ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ مشتاق ماموں کی......"

"ہم ہیں مشتاق۔" طلحہ ایکبار پھر سے ہماری بات اچک کر اپنے آپ کو مشتاق کہنے پر مصر ہو گیا ہم ہونق سے اسے دیکھے گئے شاید اسے یہ نام کچھ زیادہ ہی پسند ہے امکان یہی ہے کہ اس کی دیرینہ آرزو ہو گی کہ طلحہ کے بجائے اس کا نام مشتاق ہوتا۔

"ٹھیک ہے آج سے ہم آپکو مشتاق ہی کہیں گے۔" ہم نے بات ختم کرنی چاہی وہ بے اختیار ہنسنے لگا۔

"وہ ہیں بیزار۔" ایک لمحہ کے توقف سے اس نے ٹکڑا لگایا۔

"یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟" اب کے تیمور بھائی مسکرا کر گویا ہوئے۔

"اوہ۔" ہم شرم سے پانی پانی ہو گئے وہ چچا غالب کا شعر سنا رہا تھا اور ہم خواہ مخواہ رائی کا پہاڑ بنا بیٹھے۔

"ہاں تو ہمیں نہیں لگتا کہ ہم ان کی بیٹی کے نکاح کی تقریب میں شمولیت اختیار کر پائیں گے۔" اس بار دانستہ ہم نے مشتاق ماموں کا نام لینے سے احتراز کیا کیونکہ فی الحال اتنی بے عزتی ہی کافی تھی اور دوسری بات یہ کہ کوئی اور شعر سننے کا فی الوقت موڈ نہیں تھا۔

"مگر کیوں ایمی تم کیوں نہیں جاؤ گی؟" طلحہ نے استفسار کیا۔

"کیونکہ ہمارے لاکر کی کیز گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہیں۔" ہم پر رقت طاری ہونے لگی۔

"ارے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے طلحہ بنا چابی کے صرف ماچس کی تیلی سے لاکر کھول لیتا ہے۔" تیمور بھائی مسکرا کر گویا ہوئے۔

"ہیں سچی۔" اس اطلاع پر خوشی سے معمور چہرہ لئے ہم نے بے یقینی سے اسے ملاحظہ کیا تو اس نے انتہائی شرافت سے مدبرانہ انداز میں اثبات میں گردن ہلا دی۔

"پلیز ہمارا لاکر کھول دو ہم صبح سے کیز ڈھونڈ ڈھونڈ کر حال سے بے حال اور اب بدحال ہو چکے ہیں۔" ہم نے جھٹ منت کی۔

"نہیں! معاف کرو مجھے، تمہارا لاکر نہیں کھولنا۔" اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔

"کیوں؟" ہمیں صدمے کا الیکٹرک شاک لگا۔

"بھئی ایسے ہی کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو کہو گی کہ ہم نے تمہیں بے وقوف بنایا وغیرہ وغیرہ۔" تیمور بھائی نے وضاحت دی جبکہ وہ مسکین شکل بنائے چپ بیٹھا رہا۔

"ہونہہ سیدھی طرح کہیے کہ آپ دونوں ہمیں الو بنا رہے ہیں، بھلا کوئی تیلی سے لاکر کیسے کھول سکتا ہے؟" ہمارے ذہن میں شک کا کیڑا کلبلانے لگا جسے باہر نکالنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ برتی۔

"بہرحال تم جو مرضی سمجھو مگر اب ہم دونوں نے متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہارے کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔" طلحہ نے انتہائی کٹھور پن سے شان بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔

اس کے چہرے کی گہری سنجیدگی نے ہمارا دل پگھلا دیا ہم نے فضول میں اس سے بیر باندھ رکھا تھا اور بچارا ویسے ہی تھوڑا بہت شغل کر لیتا تھا اور ہم ہر بار اس سے بدگمان ہو کر اس کی شکایات بزرگوں تک پہنچا دیتے تھے۔

"نہیں آج ہماری گناہ گار آنکھیں دھوکہ نہیں کھا رہیں، آپ دونوں کے چہروں پر خلوص و سچائی کی چمک سو گز کے فاصلے سے بھی با آسانی دیکھی جا سکتی ہے۔"

"نہیں یار آزمودہ کو نہیں آزمانا چاہیے۔" طلحہ نے تھکے تھکے انداز میں گہری سانس خارج کی۔

"پلیز کھول دو ناں تم تو بہت اچھے ہو۔" ہم نے منت کی، ساتھ ہی مسکہ لگایا تو اور کیا ضرورت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے۔

"چل یار کھول دے اتنی منت کر رہی ہے۔" تیمور بھائی نے سفارش کی۔

"اچھا جاؤ ماچس کی تیلی لے کر آؤ۔" وہ لاکر کے بند دروازے سے گھٹنا ٹکا کر اس کے عین سامنے پنجوں کے بل براجمان ہو گیا۔

ہم نے انتہائی سرشاری و بے یقینی کی کیفیت میں تیلی سے لاکر کھلنے کا منظر ملاحظہ کیا اور بے حد متاثر ہو گئے۔

"او تھینک یو طلحہ، تم نے آج ہماری بہت بڑی مشکل حل کر دی۔"

"یار اتنا متاثر ہونے کی ضرورت نہیں کہ ہول میں تیلی ڈال کر گھماؤ لاک کھل جاتا ہے یہ تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔" طلحہ نے بے حد انکساری سے وضاحت دی۔

"آپ دونوں پر ہمارا یقین بحال ہو گیا ہے خصوصاً طلحہ تم نے واقعی بے حد خلوص سے ہماری مدد کی ہے۔" ہم مشکور ہوئے جا رہے تھے، تیمور بھائی ہنس دیئے اور یکدم ان کے موبائل نے جلترنگ بجائی تو وہ سیل فون کان سے لگائے باہر چل دیئے۔

"ایمی۔" طلحہ نے گومگو حالت میں مخاطب کیا۔

"جی۔"

"تمہیں یقین آ گیا ناں کہ میں اچھا ہوں۔"

''ہوں۔''
''تو پھر دوستی پکی۔'' اس کے چہرے پر چمک لہرائی اور ہاتھ بڑھایا۔
''ہاں کیوں نہیں۔'' ہم نے فراخ دلی سے اس کا ہاتھ تھام لیا، جسے ایکدم اس نے اتنی زور سے دبایا کہ ہماری چیخ نکل گئی وہ ہنستے ہوئے فرار ہوگیا اور ہم اپنا ہاتھ سہلانے لگے۔
''ذلیل انسان تم کبھی نہیں سدھرو گے۔''
ہم اسے صلواتیں سناتے ہوئے لاکر میں سے اپنا من پسند سوٹ نکال کر پلٹے تو ذرا فاصلے پر دیوار کے پاس گری چابیوں پر نگاہ جا ٹھہری۔
''لو بھئی بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔''
ہم نے چابیاں اٹھائیں اور مسکرا دیئے اور پھر اک سوچ کے تحت لاکر کے قریب گری ماچس کی تیلی اٹھا کر کی ہول میں ڈال کر من وعن طلحہ کی گئی مشق دہرائی۔

☆☆☆

ہم پریشانی سے فق چہرہ لئے نیرین کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔
''کیا ہوا ایمی؟'' وہ بچاری اپنا سوٹ پریس کرنا موقوف کر کے ہمارے لئے پریشان ہوگئی اور ازیشہ، عشنا جو اس کے عین پیچھے قطار کی صورت میں اپنا اپنا سوٹ تھامے استری فارغ ہونے کے انتظار میں بری بری شکلیں بنائے کھڑی جمائیوں پر جمائیاں لے رہی تھیں نیرین بچاری کو اپنا سوٹ ادھورا چھوڑ کر ہماری سمت متوجہ پایا تو جھٹ سے چیل کی مانند استری پر جھپٹ پڑیں جیت ازیشہ کی ہوئی جبکہ عشنا ٹائم پاس کے لئے ہماری سمت دیکھنے لگی۔
''کچھ بتاؤ تو سہی ہوا کیا؟''
نیرین کے استفسار پر ہم خاموشی سے سسکتے رہے جس پر اس نے فوراً سے پیشتر اپنے قیاس کے گھوڑے یہاں وہاں دوڑا دیئے۔
''کیا تیمور بھائی نے کچھ کہا؟'' ہاتھوں کے پیالے میں ہمارا چہرہ تھام کر سوال داغا۔
''تم اب تو انہیں بھائی کہنا چھوڑ دو تمہاری تو ان کے ساتھ سیٹنگ چل رہی ہے۔'' ہم نے اس کے سوال پر پیڈسٹل فین کی مانند سر ہلایا اور ہچکیوں کے درمیان بمشکل اس کو اپنے مستقبل کے مجازی خدا کے نام کے ساتھ بھائی کا لاحقہ استعمال کرنے پر ٹوک دیا، عشنا کی بے ساختہ کھلکھلاہٹ پر وہ بچاری جھینپ کر رہ گئی۔
''اچھا، پھر طلحہ نے کچھ کہہ دیا۔'' اس نے سنبھل کر بات کا سرا پرانی بات سے جوڑا ہم نے اس بار بھی محض پیڈسٹل فین کا رول پلے کیا۔
''تو پھر کیا ہوا ہے؟'' اب کے عشنا اور کپڑے پریس کرتی ازیشہ نے کورس کے انداز میں دریافت کیا۔
''ہمارا لاکر نہیں کھل رہا۔'' ہم نے بالآخر بلی کو تھیلے سے باہر نکال دیا۔
''ہائیں۔'' ہماری بات پر وہ سب دل تھام کر رہ گئیں۔
''مگر وہ تو طلحہ نے کھول دیا تھا، یہ پھر سے کیا ماجراہ ہوا؟'' ایک ساتھ کئی سوال ابھرے۔
''کیونکہ اس میں تیلی ٹوٹ کر چلی گئی ہے۔'' ہم وضاحت دے کر چھکوں پھکوں رونے لگے۔
''کیوں؟ کیسے؟ تیلی لاکر میں کس نے گھسائی؟'' پھر سے ایک ساتھ کئی آوازیں ابھری تھیں۔
''ایکچوئیلی ہم تیلی کے ذریعے طلحہ کی تکنیک کے مطابق لاکر کھولنا چاہ رہے تھے۔''
''اف تم کب بڑی ہوگی۔'' نیرین نے اپنا ماتھا پیٹ ڈالا جبکہ ازیشہ، عشنا بے طرح ہنسنے لگیں۔
''تم دونوں ہماری ازلی دشمن ہو بہت خوشی ہو رہی ہے ہمیں روتا ہوا دیکھ کر۔'' ہم نے گریہ زاری کرتے ہوئے بے نقط سنا ڈالیں۔
''ہم تو آپ کی سادگی پر ہنسے ہیں۔'' دونوں کورس میں گویا ہوئیں (غالباً وہ بے وقوفی کہنا چاہ رہی تھیں مگر ہمت نہیں ہو پائی) ہم اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔
''ہاں ایمن طلحہ نے لاکر چابی کے ذریعے ہی کھولا تھا تمہارے لاکر کی کیز اس کے پاس تھیں تیلی سے کھولنے کا ڈرامہ اس نے تم سے تعلقات......''
''کیا؟'' ہماری نگاہوں میں دیوار و در گھومنے لگے۔
''اس نے پھر سے ہمیں الو بنایا اور، اور تم سب بشمول تیمور بھائی اس ڈرامے کا حصہ تھے۔''
''میری بات تو سنو۔''
''ہمیں کچھ نہیں سننا، ہم کسی کو اچھے نہیں لگتے، کوئی ہم سے مخلص نہیں ہے تم سب ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو، ساری پلاننگ جانتے بوجھتے گھنے، میسنے بن کر بیٹھے رہتے ہو۔'' ہم بے حد شکستہ و دیگر انداز میں مخاطب تھے صدمے کی بدولت آواز حلق میں ہی گھٹی جا رہی تھی، ہم بولتے بولتے تیزی سے آگے بڑھے۔
''ایمن، آپی، ایپا۔'' وہ سب پکارتی رہ گئیں مگر ہم ان سنی کر کے پچھلے صحن میں اپنی مخصوص جگہ پر جا کر ڈیرے ڈالنے کے بجائے ازیشہ کو آئرن اسٹینڈ کے آگے سے ہٹا کر اپنا سوٹ جلدی سے پریس کرنے لگے کیونکہ شام کے فنکشن کے لئے تیار بھی تو ہونا تھا، یہ اور بات تھی کہ آنکھوں سے اشک رواں تھے اور دل غم سے لبریز۔

دوست دوست نہ رہا پیار پیار نہ رہا
زندگی ہمیں تیرا اعتبار نہ رہا اعتبار نہ رہا

ہم انتہائی کربناک انداز میں گنگنانے لگے جبکہ وہ سب ادب سے سر جھکائے سنتی رہیں جانتی تھیں اس وقت ہم ان سے ناراض ہو گئے ہیں کسی کی کوئی وضاحت نہیں سنیں گے۔
اگلی شام تیمور بھائی کا لایا گیا شوارما ہم کچھ پس و پیش کے بعد قبول کر کے نوش فرما رہے تھے کیونکہ سگا بھائی ہونے کے ناطے دل نے ان کی کچھ زیادہ ہی حمایت کی تھی اور دوسری بات یہ کہ تیمور بھائی اور طلحہ کے دیئے گئے دکھوں کو جب شمار کیا گیا تو طلحہ کا پلڑا بھاری نکلا لہٰذا اس کا لایا گیا برگر ہم نے مسترد کر دیا اور ازیشہ، عشنا کے حوالے کر دیا جو ندیدی بلیوں کی ہمیں شوارما سے لطف اندوز ہوتے دیکھ رہی تھیں، جھٹ سے برگر پہ ہاتھ صاف کرنے لگیں۔
''سگے آخر سگے ہی ہوتے ہیں تیمور اس پلان کا باقاعدہ حصے دار تھا اس کا شوارما کتنی جلدی بمعہ سوری قبول کیا اور ایک تو ابو جی کے ہاتھوں میری گوشمالی کروائی اور مستزاد یہ کہ میرا برگر قبول نہیں کیا۔''
وہ سدا کا کم ظرف انسان ہاتھ نچا نچا کر لڑنے ہم لڑکیوں کے مشترکہ کمرے میں پہنچ گیا۔
''اور وہ پلان انہوں نے اچھے مقصد کے لئے بنایا تھا۔'' نیرین کی منمناہٹ پر ہم نے اسے زبردست گھوری سے نوازا۔
''تم اپنے چالاکو بھائی کی وکالت مت کرو ورنہ ہم مستقبل میں لڑاکا نند کا رول پلے کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' ہماری دھمکی بھری سرگوشی پر وہ خوف سے جھرجھری لے کر ادب سے بیٹھ گئی۔
''ہاں تو طلحہ! تمہیں بھی ہم تیمور بھائی کی طرح ہی سمجھتے ہیں مگر افسوس تم ہمیں نیرین اور

عشنا کی طرح نہیں ڈیل کرتے اپنی سگی بہنوں کا تو کبھی دل نہیں دکھایا تم نے، آ گیا ناں فرق۔" ہم نے بدلہ اتار کر حساب برابر کیا۔

"او ہیلو میں نے کبھی تمہیں اپنی بہن نہیں سمجھا خبردار جو تم نے مجھے بھائی سمجھنے کی کوشش کی تو۔" اس نے تڑپ کر جارحانہ انداز میں دھمکی دی۔

"لیکن ہم تمہارے علاوہ کبھی کسی کزن سے فرینک نہیں ہوئے کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ تم ہمیں نیرین وغیرہ کی مانند سمجھتے ہو۔"

"میری بہنیں میرے لئے کافی ہیں ہاں ازیشہ میری بہنوں کی لسٹ میں شامل ہے رہی تم تو تمہیں میں نے کبھی بہن نہیں سمجھا۔" گفتگو اک نیا رخ نئی تکرار اختیار کرنے لگی۔

"تو پھر کیا سمجھتے؟" ہم نے ازخد رنج سے اس کی جانب دیکھا تو گویا ہم کسی کھاتے میں ہی نہیں، اس کی خاموشی سے ہمیں از حد تکلیف ہوئی۔

"تو پھر کیا سمجھتے ہو۔" ہم نے بڑے کرب سے اپنا سوال دہرایا اور وہ کٹھور نظر چرا کر ہنوز خاموش رہا، جبکہ وہ سب بے اختیار ہنس دیں حتی کہ نیرین بھی، خیر ان تھالی کے بینگنوں سے ہمیں اسی بے حسی کی توقع تھی اور نیرین کے لئے تو مستقبل میں "تندیانہ" قسم کے جلے کٹے جملے ایک ڈائری میں احتیاطاً لکھ کر رکھے تھے اب ہمیں یقین واثق ہو گیا تا کہ وہ تندیانہ طعنے تشنے جو بے حد سوچ وبچار کے بعد لکھے گئے تھے ضائع نہیں ہوں گے۔

"اللہ کی ایک مخلوق سمجھتا ہوں۔" ہماری آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو ٹپا ٹپ گرتے دیکھ کر وہ بالآخر گویا ہوا اس کی بات پر دل جل کر خاک ہو گیا ہم پہلے سے زیادہ لگن وجانفشانی سے رونے کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔

"صاف کہو کہ پاگل، بے وقوف اور کمتر سمجھتے ہو ہمارا رنگ تم لوگوں کی طرح گورا نہیں ہے لیکن ہم ہیں تو اسی خاندان کا حصہ، شاید تم لوگوں نے غور نہیں کیا ہمارے نین نقش تائی امی سے بے حد مشابہ ہیں، اس کے باوجود تم مجھے کزن تک نہیں سمجھتے، بہن تو دور کی بات ہے۔"

ہم زور وشور سے رو دیئے عشنا تو اتر سے ٹشو بکس سے ٹشو نکال نکال کر ہمیں تھمانے کا کام سر انجام دے رہی تھی اور ہم اپنے روانی سے بہتے اشک اور سوں سوں کرتی ناک پونچھ کر استعمال شدہ ٹشو ازیشہ کو تھما دیتے بیچاری اس کا خنک کونا دو انگلیوں کی مدد سے تھام کر باسکٹ میں ڈال دیتی ان دونوں کی خدمات دیکھ کر ہمارا دل فی الحال ان دونوں کی جانب سے صاف شفاف ہو گیا تھا جیسے بارشوں کے بعد آسمان دھل کر صاف ہو جاتا ہے۔

ہم بھرائے ہوئے لہجے میں نان اسٹاپ بولتے گئے تھے درمیان میں کتنی بار ٹپٹا کر طلحہ نے کچھ کہنا چاہا مگر ہم نے موقع نہیں دیا، ہماری بات کی سچائی سے اس کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا جس سے ہمارے قائم کردہ اندازوں پر یقین کی مہر ثبت ہو گئی زندگی میں پہلی بار ہمارے سامنے اس کی بولتی بند ہوئی تھی تمام باتیں کھل کر واضح جو ہو گئی تھیں بیچارے کو کوئی بہانہ نہ سوجھ رہا تھا۔

"دیکھو ایمن!" اس نے پرسوچ انداز میں گال پر انگلی ٹکا کر مخاطب کیا۔

"ہمیں مت دکھاؤ جا کر کوئی مرہم لگاؤ۔" ہم نے سسکاری لی۔

"واٹ؟ مگر کس پر۔"

"یہ جو تم اپنے گال پر ابھرنے والا اکلوتا پمپل (دانا) ہمیں دکھا رہے ہو اس پر لگاؤ مرہم اور خبردار جو ہماری ایکنی پمپل کریم پر نظر رکھی وہ کریم ہم نے اپنی پاکٹ منی سے احتیاطاً منگوا کر رکھی ہے تا کہ کوئی ایک آدھ پمپل نکلے تو فوراً ٹھیک ہو جائے مگر ہم تمہیں نہیں دیں گے وہ۔"

ہم نے عشنا کے ہاتھ سے کوئی پچیسویں مرتبہ ٹشو لے کر ناک پونچھتے ہوئے طلحہ کو کریم مانگنے سے پہلے ہی کورا سا جواب ٹکا دیا اور ٹشو ہر بار کی طرح ازیشہ کی طرف بڑھایا اور اس نے ڈسٹ بین میں ٹشو کو اس کو آخری آرام گاہ پر پہنچا دیا، اسی پل نیرین نے محبت سے ہمارے گرد اپنے ہاتھ کا حصار قائم کر کے پانی کا گلاس ہمارے لبوں سے لگا دیا۔

"اف او گاڈ، ایمن تم مجھے بہت غلط سمجھتی ہو۔" طلحہ نے دکھی ہونے کی ایکٹنگ کی تھی غالباً۔

"ہم بالکل صحیح سمجھے ہیں پلیز لیو می ہمیں تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" ایک گھونٹ لے کر ہم نے گلاس پرے کھسکا دیا۔

"بھائی آپ جائیں پلیز۔" نیرین نے ہمیں خود سے لپٹا کر طلحہ کو جانے کا عندیہ سنایا اور اس کی اس عنایت پر ہم اس کے دل ہی دل میں مشکور ہوئے اور اپنی اعلیٰ ظرفی سے مجبور ہو کر خفیہ ڈائری میں تحریری "تندیانہ" جملوں کا زہر اس کے سینے میں اتارنے کا ارادہ فی الفور موقوف کر کے دل سے اسے معاف کر دیا۔

طلحہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے جا چکا تھا شام سا کت سی کھڑکی کی اوٹ سے ہمیں روتا ہوا دیکھ رہی تھی اور ہم صدمے سے اس قدر گھائل تھے کہ اس کی جانب سے رخ موڑ کر منہ پر تکیہ رکھ کر نیم دراز ہو گئے۔

☆☆☆

مشتاق ماموں کی بیٹی کے نکاح کی تقریب میں نظر آنے والی ایک اجنبی شناسا خاتون نما لڑکی کو ایک عمر رسیدہ خاتون کے ہمراہ ممانی کی سربراہی میں مین گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہم آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر حیرانی لئے ان کے استقبال کو لپکے ورنہ تو ہم برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے اداسی سے در و دیوار پر اترتی شام کو منہ لٹکائے دیکھ رہے تھے کہ نیرین بڑی آنٹی کے ہاں دو دن رہنے کے ارادے سے گئی تھی اور عشنا، ازیشہ کے ایگزامز سر پر تھے اور دونوں نے دن رات ایک کر رکھا تھا سارا دن جاگتی تھیں ساری رات سوتی تھیں کبھی تو ہمیں گمان گزرتا انہوں نے بھنگ تو نہیں پی رکھی، (خیر اس سب کے باوجود دونوں ہمیشہ بہترین مارکس لیتیں)۔

رہے طلحہ اور تیمور بھائی تو کتنے دنوں سے ٹھیک سے ان کی شکلیں دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا دونوں اپنی ایگزیبیشن اور پروجیکٹ کے سلسلے میں بے انتہا مصروف ہو گئے تھے خیر طلحہ سے تو ہم ناراض تھے ناں مگر پھر بھی نجانے کیوں ہم اسے بے حد یاد کرتے اور دل چاہتا کہ وہ اچانک کہیں سے ہمارے سامنے آئے اور اپنے مخصوص انداز میں ہمیں تنگ کرے مگر اگلے ہی پل ہم اپنے دل کو اتنی خطرناک خواہش پر ڈپٹ دیتے۔

"اچھا ہے وہ اسٹوپڈ اتنا مصروف ہو گیا ہے ورنہ ناک میں دم کیے رکھتا تھا۔"

خیر انہی بوریت بھرے دنوں میں جب "نئے شکار" مہمان خواتین کی صورت ہمارے سامنے آ دھمکے تو ہماری آنکھیں جوش مسرت سے دمکنے لگیں ورنہ بوریت میں خاموش رہ رہ کے زبان تھک گئی تھی، لہٰذا ہم نے بلا تکان بولنے کا شوق پورا کرتے ہوئے سلام، دعا کے بعد آداب میزبانی نبھائے اور انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں

لے آئے تائی امی اور ماما کو اطلاع دے کر کچن میں چلے آئے فریج سے کولڈ ڈرنک نکال کر گلاسوں میں انڈیلی اور بوتل کے جن کی مانند ڈرائنگ روم میں نمودار ہو گئے۔

''آپ کی ایمن بہت ہی پیاری اور ملنسار لڑکی ہے۔'' بوتل سرو کرنے کے دوران خاتون نما لڑکی کا جملہ سن کر ہم بے اختیار ٹھٹک گئے۔

''شاید ان کی نظر کمزور ہے مگر انہوں نے عینک کیوں نہیں لگائی۔'' خاتون نما لڑکی کی آنکھیں ہم نے بغور ملاخطہ کیں ممانی عشنا، ازیشہ کے متعلق استفسار کرنے لگیں۔

''ارے کیا بتاؤں بھابھی جان دونوں بچیوں نے دن رات کا ہوش بھلا رکھا ہے ہر وقت کتابوں میں سر دیئے رہتی ہیں۔'' مما نے تفصیل مہیا کی جس پر ممانی ازحد متاثر ہو کر دعائیں دینے لگیں۔

ہماری نگاہوں کے سامنے دن رات کی ہوش بھلائے کتابوں میں سر دے کر خواب خرگوش کے مزے لوٹتی عشنا اور ازیشہ کی شبیہ لہرائی، (بیچاری معصوم مما اور تائی امی کیا جانیں اب اصل بات) ہم بے ساختہ ہنس دیئے۔

ہمیں دلچسپی سے باتوں میں مگن دیکھ کر وہ عمر رسیدہ خاتون نجانے کیوں صدقے واری ہو رہی تھیں۔

''ایمن بیٹا شام کے لئے سالن بنانے کی تیاری کرو۔'' تائی امی کے حکم پر ناچار ہمیں گفتگو کا سلسلہ موقوف کر کے کچن نشینی اختیار کرنی پڑی اور مختلف سبزیوں کے ساتھ نبرد آزما ہو گئے۔

☆☆☆

''ہائے نیرین مت پوچھو تمہارے بنا یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔'' آج شام ہی نیرین کی واپسی ہوئی تھی لیکن مقام حیرت یہ تھا کہ ہمیں اس سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا آتے ہی محترمہ اپنی والدہ ماجدہ عرف عام میں ہماری تائی امی کے گھوڑے سے گویا ایلفی لگا کر جو چپکی تھیں الگ ہو کر ہماری سمت متوجہ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں جس سے ہمارے ننھے سے دل کو خاصی ٹھیس پہنچی کتنی بار ہم نے اسے مخاطب کر کے اپنی بے تابیوں کے قصے بیان کرنے چاہے مگر وہ قطعاً بے نیازی برتتے ہوئے اپنی اماں کے کان میں گھسر پھسر کرتی رہی۔

ہاں یہ اور بات تھی کہ تائی امی سمیت تقریباً سب ہی ہمیں خاصی شوخ نگاہوں سے ملاخطہ فرما رہے تھے تنگ آ کر ہم ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے معمول کے کام سمیٹ کر سب لڑکیوں کے مشترکہ کمرے میں چلے آئے جہاں حسب سابق وہ دونوں پوستیوں کی مانند کتابیں لئے اونگھ رہی تھیں۔

''نالائقو کبھی پڑھ بھی لیا کرو۔'' نیرین کے عجیب وغریب برتاؤ کی تمام کھسیاہٹ ان دونوں پر نکال دی تھی۔

''اف آپی آپ بے فکر رہیے سارا سال اتنا پڑھا ہے کہ اب ان کتابوں سے بوریت ہونے لگی ہے بس جلدی سے ایگزامز ہو جائیں تاکہ خلاصی ہو پھر نئی کلاس کی نئی کتابیں پڑھیں گے۔'' ازیشہ، عشنا کورس میں گویا ہوئی۔

''اف تم لوگوں کی عجیب وغریب منطق اپنی تو سمجھ سے بالاتر ہے۔'' ہم نے اکتا کر تکیہ سیدھا کیا اور اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔

''سمجھنے کے لئے عقل چاہیے ہوتی ہے جو بقول طلحہ بھائی آپ کے پاس موجود نہیں ہے۔'' ازیشہ نے مزے سے ہماری ذات پر حملہ کیا حق ہا مظلوم پر ہر کوئی ظلم ڈھاتا ہے اور مظلوم ترین ہستی ہمارے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی لیکن آج ہم نے بھی اپنے حق اور دفاع میں صدائے احتجاج بلند کرنے کی ٹھان لی۔

''تم تو ہو ہی طلحہ کی چمچی، اپنی چونچ بند رکھا کرو اور وہ کیا مفتی منیب الرحمن ہے جو اس کی کہی ہر بات حرف بہ حرف سچائی پر مبنی ہو گی۔''

ہماری بات پر کھی کھی، کر کے دونوں اپنے دانت نکالنے لگیں، یونہی جلتے کڑھتے نجانے کب آنکھ لگ گئی تھیں جب نیرین دھم سے بیڈ پر تقریباً ہمارے اوپر آ لڑھکی۔

''یا اللہ خیر قیامت تو نہیں آ گئی۔'' ہم متوحش سے ہڑبڑا کر اٹھے اور ہمارے چہرے کی اڑی رنگت دیکھ کر وہ بے ساختہ کھلکھلانے لگی نجانے کیا وقت ہوا تھا کمرے میں زیرہ پاور کی مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

''نہیں میں آئی ہوں قیامت نہیں۔'' وہ دھیمی مسکان لئے معصومیت کے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ کر پلکیں تیزی سے جھپکاتے ہوئے گویا ہوئی اور ہم تو ٹھہرے ازل سے سادہ لوح و نرم دل لہٰذا شام کو اس کے رویے کی بدولت جو دل میں کدورت آ گئی تھی وہ سب بھلا کر ہم فوراً بے تابیوں کے قصے سنانے لگے۔

''ہائے نیرین مت پوچھو۔'' ہم نے کوئی دسویں مرتبہ یہ جملہ دہرایا۔

''ارے تو میں کب پوچھ رہی ہوں خود ہی منع کرتی ہو مت پوچھو پھر اگلے لمحے خود ہی سب بتا دیتی ہو۔''

''ٹھیک ہے ہم اب کچھ نہیں بتائیں گے تم تو آپے میں نہیں ہو آنکھیں ماتھے پر رکھ لی ہیں ہمیں ذرا لفٹ نہیں کرائی جب سے آئی ہو۔'' ہم نے نروٹھے پن سے تمام شکوے کر ڈالے۔

''ارے میری جان کیونکہ مجھے آتے ہی ایک بمباسٹک نیوز کے متعلق علم ہوا ہے میں بہت خوش ہوں۔''

''اف اللہ تم کتنی بے حس ہو گئی ہو بم کے متعلق نیوز سن کر خوش ہو ہی ہو۔'' ہم انگشت بدنداں رہ گئے۔

''ہاہاہا، یار میں نے تو کئی دن سے نیوز چینل ہی نہیں دیکھا میں وہ ملک میں پھٹنے والے بم کی بات نہیں کر رہی۔'' اس کی وضاحت پر ہم نے قدرے سکون کا سانس لیا۔

''تو پھر؟'' ہم ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھے گئے۔

''جانتی ہو اس دن ممانی کے ساتھ دو خواتین ہمارے ہاں کیوں آئی تھیں۔'' اس کی بے موقع و محل بات پر ہم نے محض ابرو اچکا دیئے۔

''تمہارا رشتہ لے کر آئی تھیں، ان میں سے جو ینگ سی تھیں وہ مشتاق ماموں کی مسز کی بھاوج ہیں جو ان کے ہمراہ عمر رسیدہ خاتون تھیں وہ ان کی والدہ محترمہ تھیں جو تمہیں اپنے انجینئر بیٹے کے لئے مانگنے آئی تھیں۔'' اس نے اطمینان سے ہماری سماعتوں میں ایٹم پھوڑا ہم جو اس کی کوئنگ تیز کر کے نیم دراز ہونے لگے تھے ایکدم اٹھ بیٹھے۔

''کیا؟''

''مشتاق ماموں کی بیٹی کا نکاح کی تقریب میں تم ان لوگوں کو بری طرح بھا گئی تھیں، مگر ہماری ماؤں نے انہیں یہ اطلاع فراہم کر کے معذرت کر لی کہ تم انگیج ہو۔'' اس نے ایک نظر کمرے کے دوسرے سرے پر بچھے بیڈ پر بے خبر سوئی ازیشہ اور عشنا کو دیکھا اور اطمینان سے مزید تفصیل مہیا کی۔

''کیا؟'' ہم حق دق رہ گئے آس پاس ایک اور دھما کہ ہوا تھا۔

''لیکن کیوں زندگی میں پہلی بار ہم کسی کو

پیارے لگنے اور انہیں بھی غلط بیانی کر کے ٹرخا دیا۔'' ہم بے حد ملول ہو گئے اور کرب سے اسے دیکھا۔

''پاگل تم سے کس نے کہا تم کسی کو پیاری نہیں لگتیں تم پیاری ہو اور ہم سب کی آنکھ کا تارا ہو۔'' اس نے مسکرا کر ہمارا ہاتھ تھاما اور غالباً مسکہ لگانے کی حد کر دی۔

''اور ہاں ان سے غلط بیانی نہیں کی گئی تم میرے طلحہ بھائی کی امانت ہو۔'' ایک لمحہ توقف کے بعد وہ شوخی سے گویا ہوئی۔

''پے در پے ہونے والے دھماکوں میں یہ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ ہم ایک ثانیے کے لئے غائب دماغی کی کیفیت میں ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئے جب ذرا حواس بحال ہوئے تو اگلے ہی پل شدید احتجاج کی لہر ہمارے اندر اٹھی، ''تم ہوش میں تو ہو؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔'' ہم نے بے رخی سے اس کا ہاتھ پرے جھٹک دیا۔

''ہاں اشارے کنایے میں، میں تو کئی سالوں سے یہ بات میری امی حضور چچی جان کے کانوں میں ڈالتی رہی ہیں لیکن چچی جان نے کبھی واضح جواب نہیں دیا لیکن گزشتہ چند ماہ پہلے جب تیمور اور میری باقاعدہ نسبت زبانی کلامی بڑوں کے مابین طے ہوئی تو امی نے تمہیں طلحہ بھائی کے لئے بہت چاہ سے مانگا مگر چچی جان اور چاچو تذبذب کا شکار تھے وجہ تمہارے اور طلحہ کے خراب سفارتی تعلقات تھے، لیکن گھر کی بیری پر جب باہر سے پہلا پتھر آیا تو چچی جان سے حتمی فیصلہ ہو ہی گیا۔''

تمام تفصیل اس نے تقریر کے انداز میں بیان کی جسے ہم آنکھیں پھاڑے منہ کھولے سنتے رہے۔

''ہے منہ بند کرو ورنہ کوئی مکھی گھس جائے گی۔'' وہ ہنسی۔

''یہ رات ہے تمام مکھیاں سو رہی ہیں۔'' ہم نے ٹوٹے بکھرے غمزدہ انداز میں اس کی بات کی تصحیح کی۔

''او تو مکھیوں کے سونے کا غم لگ گیا ہے تمہیں بھابھی جان۔'' نیرین نے آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر شوخی اور لبوں پر مدہم سا تبسم لئے ہمیں چھیڑا۔

''او ہیلو بھابھی ہو گی تم میری۔''

''وہ تو میں ہوں ہی۔'' وہ اترائی۔

''ہمیں یقین نہیں آ رہا، گھر میں اتنی بڑی بات ہو گئی اور ہمارے فرشتوں تک کو خبر نہ ہوئی اور ہم پر اتنا بڑا ظلم ڈھایا اس طلحہ اسٹوپڈ سے منسلک کر کے اور یہ ظلم کرنے والی کوئی اور نہیں خود ہماری سگی ماں۔'' بے حد جذباتی انداز میں ڈائیلاگ بولتے ہوئے آخر میں آنسوؤں کی یلغار کی بدولت ہماری آواز رندھ گئی، ہم بے حد خشوع وخضوع سے آنسو بہانے لگے۔

''کوئی ظلم نہیں ڈھایا بالکل درست فیصلہ کیا ہے چچی جان نے جب گھر میں دیکھا بھالا جوان ہینڈسم محنتی اور برسر روزگار لڑکا موجود ہے تو کسی غیر پر بھروسہ کر کے رسک لینے کی کیا ضرورت ہے اور تم اپنے اردگرد کا ہوش ہی کب رکھتی ہو جو تمہیں خبر ہوتی حالانکہ گھر کا ہر فرد واقف ہے اس خبر سے بس تم ہی بے خبر تھیں۔''

''پلیز تم چن چن کر اپنے بھائی کی خوبیاں گنوانا بند کرو اور کسی ٹاک شو کی طرح اس فیصلے کی خوبیوں اور خامیوں پر روشنی ڈال کر بحث کرنے کے بجائے ہمیں تسلی دو۔''

ہم تواتر سے اشک بہاتے ہوئے سسکتے لہجے میں گویا ہوئے مجال ہے جو اس نے ہمیں چپ کرانے دلاسہ دینے کی کوشش کی ہو کٹھور بے

حس ناں ہو تو، آخر تھی ناں اس سنگدل طلحہ کی بہن، ناچار، ڈھیٹ بن کر ہمیں اپنے منہ سے خود کہنا پڑا کہ کوئی حرف تسلی ملے تو شاید اشک تھم جائیں۔

''سوری یار تم حوصلہ رکھو انشاء اللہ تین، چار ماہ میں ہم سب کی شادیاں ہو جائیں گی۔''

''لعنت ہے ایسی تسلی پر۔'' ہم نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورا یعنی کہ یعنی کہ کیا بتائیں صدمے کی بدولت غصہ بھی نہیں کیا جا رہا تھا بے بسی سے ہم پہلے سے زیادہ رفتار سے رونے لگے۔

''تو کیا تم ایک ماہ بعد......'' نیرین کی بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی ہم نے اسے ایک زور دار دھپ رسید کی تھی، جس پر وہ ڈھیٹ ہنسی بے طرح کھلکھلانے لگی۔

''نو نیور ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے ہم بہر حال میں خود کو اور طلحہ کو ایک ناپسندیدہ بندھن میں سے بچائیں گے۔'' ہم سوں سوں کرتے مخاطب ہوئے۔

''دیکھا، تمہارے اسی ری ایکشن کی بدولت ہم نے کبھی تم سے اس سلسلے میں چھیڑ خانی نہیں کی مگر اب جبکہ تم باضابطہ طور پر بھائی سے منسوب ہو اور عنقریب گھر میں شادیاں ہونے والی ہیں تو چچی جان اور امی کے حکم پر تمہیں بتایا ہے ورنہ تو یہ جو پبلک ہے سب جانتی ہے۔'' آخر میں وہ پھر سے شوخ ہونے لگی اور دھیرے سے گنگنائی۔

ہم نے تڑپ کر مزے سے بیان جاری کرتی نیرین کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

''تم سب دھوکے باز گھنے میسنے ہو ہمیشہ سے ہمیں بے وقوف بنا کر دھوکہ دیتے آئے ہو اور وہ طلحہ تو ہمارا ازلی دشمن ہے ساری عمر ہمیں کمتر مخلوق سمجھ کر دل جلائے گا۔''

ہم زور وشور سے ہچکیاں لیتے ہوئے اٹک اٹک کر گویا ہوئے آواز ہم نے ازیشہ عشنا کی نیند کے خیال سے مدہم رکھی تھی۔

''تمہیں یہ غلط فہمی کیوں ہے ایمن، ہم سب تمہیں بے حد چاہتے ہیں بس ہر بار اپنے منہ سے اظہار کرنا ضروری نہیں سمجھتے، محبت تو خود بخود محسوس کرنے والی چیز ہے، تمہیں ہم سب کی محبت کیوں دکھائی نہیں دیتی، خارجی حرکات وسکنات پر ایمان لانے کے بجائے کبھی ہمارے دل میں جھانک کر دیکھنا پھر تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔''

نیرین کے اندر غالباً سقراط بقراط کی روح تحلیل کر گئی تھی اس کے فصیح بلیغ لیکچر کو ہم نے آنکھوں سے لگی ساون کی جھڑی کے درمیان سنا کچھ سمجھ میں آیا کچھ سر سے گزر گیا۔

''تم ہمیں مسکہ لگا رہی ہو مگر ہم تمہاری باتوں کے جال میں نہیں پھنسنے والے۔''

''اف میرے بھائی کی قسمت ہی پھوٹ گئی بچی۔'' نیرین نے بے اختیار گہری سانس بھری اور ناراضگی کے اظہار کے طور پر کروٹ بدل کر لیٹ گئی، جبکہ ہم رونے دھونے کا سلسلہ موقوف کر کے مخالف رخ پر کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔

پھر جب اس کے لیکچر کے اہم پوائنٹس پر نئے سرے سے غور وخوض فرمایا تو بالآخر کافی سوچ وبچار کے بعد ہمیں اس کی تمام باتیں سمجھ میں آ گئیں اور اپنی کئی خامیاں بھی نظر آنے لگیں جنہیں آئندہ نہ دہرانے کا عزم کیا اور طلحہ سے چھٹکارا پانے کے طریقے سوچنے لگے جو کہ فی الحال تھکے ہارے ذہن میں آنے سے ہچکچا رہے تھے کہ طلحہ کے متعلق تو ہم اپنی سابقہ رائے پر قائم تھے۔

ہم نے نیرین کی سمت کروٹ لی اور اس

نے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا کچھ دیر بعد نیرین نے ہماری جانب رخ موڑ کر اپنا ہاتھ ہمارے شانے پر رکھ دیا ہم نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

کمرے کی بند کھڑکی پر ہوا کی دستک نے ہمیں ڈائجسٹ کے صفحات سے بے اختیار نظریں ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور کھڑکی سے باہر کے نظارے ہماری ساری کلفت و اداسی گدھے کے سر سے سینگوں کی مانند غائب کر دی۔

ہمارے گردونواح میں موجود سب لڑکیاں گھوڑے گدھے، خچر، اونٹ سب بیچ کر بھری دوپہر میں اے سی کی ٹھنڈک میں خواب غفلت کے مزے لے رہی تھیں۔

اور پریشان کن سوچوں نے ہمارے دماغ میں گزشتہ رات سے ڈیرے ڈال رکھے تھے ہم پچھلے صحن کی سیڑھیوں پر اپنے مخصوص گوشے میں جلوہ افروز ہونے کے لئے بے کل تھے لیکن چلچلاتی دھوپ ہمارے ارادے کی راہ میں حائل تھی اور اے سی کی خنکی نے ہمیں اپنے کمرے تک ہی محدود کر دیا تھا۔

اب جو کمرے کی کھڑکی سے باہر کی خوبصورت موسم کی جانب توجہ مبذول ہوئی تو ڈائجسٹ بغل میں دبا کر ان سب کو خواب غفلت میں ڈوبا چھوڑا اور چپکے سے پچھلے صحن کی راہ لی۔

آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں فضا موتیا اور بوگن ویلیا کی مہک سے لبریز تھی، کیاری میں قطار در قطار لگے پودوں پر جا بجا کھلے موتیا کے سفید پھول ہمیں دیکھ کر کچھ اور جھومنے لگے۔

بوگن ویلیا کے سفید و پیازی پھولوں سے چھیڑ خانی کرتے ہوا کے مست سے جھونکے نے ساون کی آمد کا سندیسہ سنایا اور پھولوں سے لدی پھندی بیل نے جھک کر ڈھیروں ڈھیر پھول ہم پر نچھاور کر دیئے، ہم بے ساختہ مسکرا دیئے اور پھول چننے میں مگن ہو گئے۔

جب وہ اچانک الہ دین کے جن کی مانند کہیں سے نکل کر ہمارے سامنے آن موجود ہوا اور نگاہوں کے سامنے چٹکی بجا کر ہمیں متوجہ کیا۔

''اتنا خوبصورت موسم تن تنہا انجوائے کر رہی ہو؟'' وہ اپنے لہجے کی تمام تر خباثت و مکاری (وغیرہ وغیرہ) سمیت ہم سے دریافت کرنے لگا، اس کی موجودگی سے ہمیں سابقہ رات ملے گئے دکھ یاد آنے لگے۔

پھول چننے کا سلسلہ موقوف کر کے ہم خاموشی سے گومگو کیفیت میں مبتلا ہو کر ناخن دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔

''کیا ہوا؟ کیا آج ہاتھ نہیں دھوئے۔'' اس ریمارکس پر ہم کلس کر رہ گئے مگر کسی بھی طرح کا ردعمل ظاہر کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔

ایک سوچ صبح سے ہمارے اندر کلبلا رہی تھی کہ اس رشتے سے انکار کر کے اپنوں کے محبت سے لبریز دل بھلا کیسے توڑ پائیں گے، نہیں ہم میں اتنی سکت نہیں اور نیرین ٹھیک کہتی ہے کسی اجنبی جگہ بیاہ کر جانے سے بہتر ہے کہ اپنوں کو ترجیح دی جائے۔

''یار ابھی تو شادی میں کچھ وقت باقی ہے تم ابھی سے دلہن کے انداز میں بیٹھنے کی پریکٹس میں خود کو کیوں ہلکان کر رہی ہو۔'' ہمارے خاموشی سے جھکے سر اور گود میں رکھے ہاتھ دیکھ کر وہ خواہ مخواہ پھیلنے لگا اور اس اسٹوپڈ ذلیل شخص کے جملے نے جہاں ہمیں خفت زدہ کیا وہیں یہ بات بھی واضح کر دی کہ نیرین ''سیاسی لوٹا'' ہے ہم نے تصور کی آنکھ سے نیرین کی گردن دبائی اور ایک جھٹکے سے جانے کا ارادے سے اٹھنا چاہا مگر ہمارا ارادہ بھانپ کر اس نے تیزی سے ہمارے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اٹھنے سے روک دیا اس کے لمس کی حدت سے نجانے کیوں ہمارے وجود پر پہلی بار لرزہ طاری ہو گیا، ہم نے بوکھلا کر اس کا ہاتھ پرے جھٹکنا چاہا مگر اب کی بار ہمارا نازک ہاتھ اس کی فولادی گرفت میں مقید ہو کر رہ گیا۔

جسے چھڑانے کی سعی میں ہم نے انتہائی غضبناک انداز میں اسے گھورا تو نگاہیں سیدھا اس کی نظروں سے ٹکرائیں جہاں کوئی اور ہی جہان آباد نظر آ رہا تھا نجانے کیوں ہم لمحہ بھر سے زیادہ ان نگاہوں میں جھانکنے کی تاب نہیں رکھ پائے اور لرزتی پلکیں خود بخود رخساروں پر سایہ فگن ہو گئیں۔

ہمارا ہاتھ اب اس کی فولادی گرفت میں کپکپا رہا تھا کم بخت دل کو ہم نے نا سمجھی سے خوب ڈپٹ دیا جو خواہ مخواہ اس کے حق میں ہموار ہو کر اس کے نام پر دھڑکنے لگا تھا، دل کے اچانک دغا دینے پر ہم بے بسی سے مغلوب ہو کر ریلنگ سے ماتھا ٹکائے اشک بہانے لگے اور وہ ایڈیٹ طلحہ جو ہماری حالت سے حظ اٹھائے زیر لب مسکرا رہا تھا بوکھلا گیا۔

''کیا ہوا ایمی؟'' اس نے یکدم ہمارا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کیا اور حیرانی سے استفسار کیا۔

''ہمیں تم سے شادی نہیں کرنی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ تم ہمیں پاگل اور کمتر مخلوق سمجھتے ہو، ساری زندگی ہمارا دل جلاؤ گے۔'' ہم بھیگے لہجے میں گویا ہوئے ہوا کھلکھلا کر ہماری زلفوں سے چھیڑ خانی کرنے لگی اور پھولوں کی بیل نے جھک کر دلاسے کے طور پر بہت سے پھول ہمارے دامن میں ڈال دیئے، مگر ہم ہنوز اشک بہاتے رہے۔

دل کی بند شریانیں کھولنے کا نسخہ

دل کی بند شریانیں کھولنے کا ایک نسخہ درج ذیل ہے۔

1۔ لیموں کا رس ایک پیالی۔
2۔ ادرک کا رس ایک پیالی۔
3۔ لہسن کا رس ایک پیالی۔
4۔ سرکہ سیب ایک پیالی۔

ان چار پیالی رسوں کو ملا کر دھیمی آنچ پر نصف گھنٹہ آگ دیں۔ جب ایک پیالی کم ہو کر تین رہ جائیں تو آگ سے محلول کو اتار کر ٹھنڈا ہونے پر تین پیالی شہد ملائیں۔ سب کو خوب مکس کر کے بوتل میں محفوظ کر لیں۔ یومیہ نہار منہ تین چمچ کھانے والے اس محلول کو پیں۔ انشاء اللہ دل کی بند شریانیں کھل جائیں گی۔

(ماہنامہ الحسن۔ لاہور)
بشکریہ۔ حافظ حسین احمد قاسمی، لاہور۔

دل کی عجب حالت تھی دل نے تو اسے دیئے گئے تمام القابات والزامات واپس لے لئے تھے اب ہمیں وہ بلا کا ہینڈسم اور اچھا خاصا معقول لگ رہا تھا، بس یہ قلق تھا کہ یہ شاندار سا شخص ہمیں ناپسند کرتا ہے۔

''اچھا تو بس یہی وجہ ہے انکار کی۔'' وہ ہنسا۔

''ہوں اور یہ کوئی معمولی وجہ نہیں ہے۔''

''ایک بار خود کو میری نظر سے دیکھو تو جان جاؤ گی میں تمہیں مخلوق نہیں محبوب سمجھتا ہوں۔'' اس نے دھیرے سے اپنی پوروں پر ہمارے آنسو چنے اور گویا ہوا۔

''اچھا اور یہ ڈائیلاگ آج تک کتنی لڑکیوں سے بگھار چکے ہو۔'' اس کی وضاحت پر ہم نے

سسکیاں روک کر کڑے تیوروں سے دریافت کیا۔

''ہاہاہا ایک بھی نہیں۔'' اس نے قہقہہ لگا کر تردید کی۔

''جی نہیں ایک سے تو بولے ہوں گے ڈائیلاگ جس کے ساتھ ڈیٹ مارتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔'' ہم نے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔

''یار وہ جسٹ فرینڈ تھی اور کچھ نہیں اور ویسے بھی ایک کچھ کچھ پاگل اور بیوقوف سی لڑکی نے ہمیشہ سے مجھے اپنا دیوانہ بنائے رکھا اور دل اس کے سوا کبھی کسی اور کو چاہ ہی نہ سکا۔''

''تو یہ داستان جا کر تائی امی کو سنائیں اور پھر اسی پاگل سے شادی کریں۔'' ہم جل بھن کر خاک ہو گئے۔

''تو تم اپنے آپ کو نارمل سمجھتی ہو؟'' وہ بے طرح مسکرانے لگا۔

''کیا مطلب؟'' ہم ہونق پن سے اسے دیکھنے لگے۔

''مطلب وہ پاگل سی لڑکی تم ہی تو ہو۔'' ہم نے بے یقینی سے اسے دیکھا، اس کا گمبھیر لہجہ ہماری سماعتوں میں سرگوشی کرنے لگا۔

''ہاں مجھے تم سے محبت ہے اور کب ہوئی یہ میں خود نہیں جانتا، مجھے تمہارا ہر ہر روپ و انداز اچھا لگتا ہے خصوصاً تمہاری روتی شکل۔''

''اچھا تو تم ہمیں رلاتے رہو گے زندگی بھر۔'' ہم نے تڑپ کر اسے گھورا مگر فوراً ہی اس کی نگاہوں میں مچلتی شرارت بھانپ کر نگاہ جھکا لی اور خفت سے سرخ پڑ گئے۔

''اگر تمہاری خوشیوں کی ضمانت کے طور پر چند محبت بھرے پیمان باندھنے ضروری ہیں تو بولو، یہ کام بھی ابھی کیے دیتے ہیں۔''

وہ دلچسپی سے ہمیں دیکھتے ہوئے نرمی سے شریر انداز میں استفسار کرنے لگا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے فضول باتیں کرنے کی۔'' ہم نے سرخ پڑے چہرے اور تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے ٹوک دیا۔

''واہ تم تو خاصی چالاک ہو گئی ہو سب کچھ اگلوا کر ہری جھنڈی دکھا دی۔'' اس نے بے اختیار قہقہہ لگایا ہم مسکرا دیے، اسی پل آسمان بھی ہمارے سیر و شکر ہونے پر مسکرایا تھا اور بادل خوشی سے اپنی محبت کی بارش میں دھرتی کو سیراب کرنے لگے، ہم برستی بوندوں سے بچتے ڈائجسٹ لے کر اندر بھاگے تاکہ سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر کے ان کے ساتھ ساون کی آمد کے مزے اٹھائے جائیں، طلحہ کی گنگناہٹ نے دور تک ہمارا پیچھا کیا۔

جب ساون میں بادل چھائے ہوں
جب پھاگن پھول کھلائے ہوں
جب سورج دھوپ نہاتا ہو
جب چندا روپ لٹاتا ہو
یا شام نے بستی گھیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

ہم اس کی بدستور پکار پر مڑے اور مزے سے انگوٹھا دکھا دیا، وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر بارش میں بھیگنے لگا ہم بھی بے فکری سے ہنس دیے، محبتوں کی راہ میں یقیناً آنے والا ہر دن پہلے سے بڑھ کر خوبصورت ہو گا، ساون کی پہلی بارش نے ہوا سے سرگوشی کی اور کائنات جھوم اٹھی۔

☆☆☆

آئی رُت ملن کی

سیما انصار

"بقر عید کی تیاریاں اور رونقیں کب سے شروع ہو چکی ہیں مگر ہمارے گھر میں تو ابھی تک ان تیاریوں کے کوئی آثار ہی نظر نہیں آ رہے۔" حمزہ نے بڑے افسردہ سے انداز میں بڑی اماں سے کہا۔

"جیسے بکروں کا سارا کام، صفائی ستھرائی وغیرہ اسی نے کرنی ہو۔" کنزیٰ نے تپ کر کہا۔

"ایک تو پتہ نہیں کیوں، یہ توپ کے دہانے پر بیٹھی رہتی ہے ہر وقت۔" دانیال نے کنزیٰ کو مزید تپانے کے لئے کہا۔

"آنے دو بڑے بابا کو، میں ان سے تمہاری شکایت کروں گی کہ ہر وقت یہ لوگ مجھے ستاتے رہتے ہیں۔" کنزیٰ نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہو بہن برا مان گئی، بہن برا مان گئی۔" دانیال نے ایکٹر اکشے کمار کی نقل اتارتے ہوئے کہا لاؤنج میں بیٹھے ہوئے سب اس کی اس ایکٹنگ پر ہنسنے لگے، لیکن کنزیٰ بدستور منہ پھلا کر بیٹھی رہی۔

اب دانیال اس کو منانے کو جتن کرنے لگا کیونکہ بڑے بابا سے اس کی جان جاتی تھی اور بڑے بابا کی جان کنزیٰ میں تھی، کنزیٰ ان سے جو بھی کہتی وہ فوراً مانتے تھے۔

"غصہ نہ کیا کروں، غصہ کرنے سے خوبصورتی ماند پڑ جاتی ہے۔" حمزہ اسے چھیڑنے سے کیونکر باز رہ سکتا تھا۔

غصے کی وجہ سے کنزیٰ کے دہکتے ہوئے گال اور آنکھوں سے نکلتے شعلے سیدھا اس کے دل پر اٹیک کرتے (وہ بچپن سے اس سے منسوب تھی) اس لئے حمزہ اس کو خوب زچ کیے رکھتا تھا۔

"دیکھیں بڑی امی یہ مجھے کتنا تنگ کر رہے ہیں۔" اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے کہا۔

"حمزہ! کیوں چھیڑتے ہوئے میری بچی کو؟" بڑی امی نے حمزہ کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

"تو اور کسے چھیڑوں؟ کسی اور کو چھیڑوں گا تو انہی محترمہ کو برا لگے گا۔" حمزہ کب موقع جانے دیتا تھا۔

اور کنزیٰ تلملاتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی اور سب کا مشترکہ قہقہہ اس کے پیچھے تک آیا اور بڑی امی تنبیہ کرتے ہوئے انہیں گھورنے لگیں جبکہ بڑی اماں تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئیں۔

☆☆☆

حاجی جہانگیر صاحب کی تین اولادیں تھیں، سب سے بڑے شہاب صاحب، دوسرے نمبر پر وہاب صاحب اور تیسرے نمبر ان کی صاحبزادی ندرت بیگم تھیں۔

ندرت بیگم اور ان کے شوہر شادی کے پانچ سال بعد ہی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے اور ان کے دو بچے انس اور سامیہ جہانگیر ولا میں سب کی محبتوں کے زیر سایہ رہائش پذیر تھے، شہاب صاحب کے پانچ بچے تھے تین بیٹے طلحہ، حمزہ اور دانیال جبکہ دو بیٹیاں طوبیٰ اور عروبہ تھیں۔

جبکہ وہاب صاحب کے تین بچے تھے ایک بیٹی کنزیٰ اور دو بیٹے ولید اور فائق تھے، جہانگیر صاحب کو سب بڑے ابا کہتے تھے اور ان کی زوجہ محترمہ کو سب بڑی اماں کہتے تھے، شہاب صاحب کو سب بچے بڑے بابا اور ان کی بیگم کو سب بچے بڑی امی کہتے تھے، ان کے اپنے بچے بھی یہی کہتے تھے کیونکہ اللہ پاک نے شہاب صاحب سے پہلے وہاب صاحب کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا تھا، سب سے پہلے جہانگیر ولا میں

ولید کی آمد ہوئی تھی، اس لئے بڑی اماں نے ولید کو اپنے بڑے بیٹے اور بڑی بہو کے لئے یہی نام سکھائے تھے اور پھر بعد کے آنے والے بچوں نے بھی انہیں انہی القاب سے پکارا، وہاب صاحب کو چھوٹے بابا اور ان کی اہلیہ کو چھوٹی امی کہتے تھے۔

یہ پورا گھرانہ خوشیوں کا گہوارہ تھا، جہانگیر صاحب کی لیدر کی فیکٹری بھی تھی جس کا کام ملک کے تقریباً بڑے تمام شہروں میں پھیلا ہوا تھا، جہانگیر صاحب اور ان کی بیگم کی صحت اس عمر میں بھی قابل رشک تھی، اس لئے وہ فیکٹری کا گاہے بگاہے چکر لگاتے رہتے تھے ویسے انہوں نے تمام کاروبار بیٹوں کے سپرد کر دیا تھا، بڑی اماں نے بھی گھر کی تمام ذمہ داریاں بہوؤں پر ڈال کر بری الذمہ ہو گئیں تھیں لیکن اپنے نادر مشوروں سے انہیں نوازتی رہتی تھیں، سب مل جل کر رہتے تھے ان کے دکھ سکھ سب سانجھے تھے اور بچے آپس میں ہی ایک دوسرے سے منسوب تھے اور بڑوں کی مرضی سے طے کردہ ان رشتوں پر خوش تھے۔

طلحہ کی سامیہ سے حمزہ کی کنزیٰ سے ولید کی عروبہ سے اور انس کی طوبیٰ سے بات طے تھی، بلاشبہ یہ ایک خوش باش گھرانہ تھا، بچوں کی نوک جھونک گھر میں زندگی کی خوبصورتی کا پتہ دیتی تھی جبکہ دانیال اور فائق کے لئے اسامی خالی ہے کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

☆☆☆

بڑی عید کی آمد آمد تھی لیکن ان کے گھر میں ابھی تک بکرے نہیں آئے تھے اس لئے لڑکے بہت بے چین تھے اور لڑکیاں بہت خوش تھیں کیونکہ وہ بکروں کی صفائی ستھرائی سے بہت تنگ آتی تھیں اور لڑکوں کو انہیں تنگ کرنے میں مزا آتا تھا اس لئے وہ بڑے ابا سے کہہ کر بقر عید سے کافی دن پہلے ہی بکرے منگوا لیتے تھے۔

"کھانا کب ملے گا بہنو!" فائق نے بڑی مظلوم آواز بنا کر ہانک لگائی۔

"صبر کرو سب اکٹھے ہو جائیں پھر کھانا لگاتے ہیں۔" عروبہ نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"جہانگیر ولا" میں اتوار کو کھانے پر خاصا اہتمام ہوتا تھا ایک میلہ کا سا سماں ہوتا تھا کیونکہ اس دن گھر پر تقریباً سب موجود ہوتے تھے۔

کنزیٰ، طوبیٰ، سامیہ، عروبہ نے چھوٹی امی کے ساتھ کچن سنبھالا ہوا تھا جبکہ بڑی امی سبزیاں وغیرہ بنا رہی تھیں۔

"ویسے گھر کے کچھ نہ کچھ کام ان نکموں سے بھی کروانے چاہئیں۔" کنزیٰ جو گھر بھر کی لاڈلی تھی، ان تمام لڑکوں پر چوٹ کی جو مزے سے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"کرتے تو ہیں ہم کام۔" حمزہ تنک کر بولا۔

"کیا کرتے ہو تم کام...... صرف ٹھونستے ہو۔" عروبہ چاول دھوتے ہوئے بولی۔

"اچھا جو تم بازار سے سوچائنیز کے نام پر الم غلم منگواتی ہو وہ ہم لوگ لے کر آتے ہیں۔" انس نے ٹکڑا لگایا۔

"تو کون سا ہمارے اوپر احسان کرتے ہو ٹھونستے بھی تو تم ہی ہو۔" سامیہ نے اس کے قدرے فربہی مائل جسم پر چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

انس کے تو تلوؤں لگی اور سر پر بجھی، والی بات ہو گی۔

"بیس روپے کی گاجر منگواتی ہو، لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، دکاندار کو ہماری دماغی حالت پہ شبہ ہوتا ہے اور ہمیں منہ کا زاویہ بگاڑتے ہوئے کہتا ہے کہ بیٹا! ان پیسوں کی تو آج کے

دور میں چاکلیٹ تک نہیں آتی، تم گاجر لینے آئے پھر ترس کھا کر دو چار پکڑا دیتا ہے۔'' آخر میں انس نے سامیہ کی نقل اتارتے ہوئے ہاتھ نچا کر کہا۔

''پھر سبزیوں کے ریٹ کم کرواؤ اور گوشت کی دکان پر لمبی قطار میں کھڑے ہو کر گوشت لو، جیسے گوشت لینے نہیں بلکہ بجلی کا بل جمع کروانے آئے ہوں۔'' حمزہ کیوں پیچھے رہتا، وہ بھی چہک کر بولا۔

''اور محنت کر کے کھانا پکانا آتا ہی نہیں ہے جبھی تو بریانی مصالحہ، کڑاہی گوشت مصالحہ، نہاری مصالحہ وغیرہ کے ڈبے منگواتی ہیں اور بڑے بابا وغیرہ سے داد سمیٹتی ہیں حالانکہ سارا کمال ان ڈبوں کے مصالحوں کا ہوتا ہے۔'' دانیال نے انہیں مزید تپایا۔

اب لڑکیوں سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔

''جبھی تم لوگ سارا کھانا چٹ کر جاتے ہو۔'' کنزیٰ نے ان کی الزام تراشی پر تڑپ کر کہا۔

''اچھا اب یہ لڑائی کھانے کے بعد کے لئے رکھ چھوڑو، مجھے بھوک لگ رہی ہے، کھانا لگاؤ۔'' حمزہ نے کنزیٰ کے غصے سے دہکتے ہوئے گالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جب دیکھو! انہیں بھوک لگ رہی ہوتی ہے، پیٹو کہیں کے۔'' طوبیٰ نے کہا۔

''ہونہہ! نظر لگ جاتی ہے ایسے نہیں کہتے۔'' لڑکوں کے بولنے سے پہلے ہی بڑی اماں نے انہیں لتاڑا، وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔

''جلنے والے کا منہ کالا۔'' لڑکے باقاعدہ کورس میں گاتے ہوئے انہیں جلانے لگے۔

''ہونہہ! جلتی ہے ہماری جوتی۔'' لڑکیاں پیر پٹختی ہوئی وہاں سے واک آؤٹ کر گئیں جن کے تعاقب میں بہت سے مردانے قہقہے گونجے، بڑی اماں زیر لب مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

دانیال کی تعلیم کمپلیٹ ہو چکی تھی اور وہ طلحہ کے ساتھ ہی بزنس جوائن کر چکا تھا، وہ دونوں آفس کے لئے ساتھ ہی نکلتے تھے۔

آج صبح بھی دانیا طلحہ کے ہمراہ گھر سے نکلا تھا، ڈرائیونگ حسب معمول طلحہ کر رہا تھا، جونہی وہ مین روڈ پر آئے، انہوں نے اپنی مخالف سمت میں ایک خاتون کو جو کہ بڑی ساری کالی چادر میں ملبوس تھی، سڑک کراس کرتے دیکھا، جیسے ہی اس نے سڑک کراس کرنی چاہی، ایک تیز رفتار ویگن اسے سائیڈ مارتی ہوئی گزر گئی اور وہ بیچاری اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے فٹ پاتھ پر گر گئی، دانیال اور طلحہ یہ منظر دیکھ رہے تھے، آناً فاناً لوگوں کا ہجوم لگ گیا۔

''آؤ دیکھتے ہیں خاتون کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔'' دانیال نے طلحہ سے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہا۔

''یہ تو روز کی روٹین ہے، تم کن چکروں میں پڑ رہے ہو۔'' طلحہ نے دانیال کو ٹالنے کے لئے کہا۔

''نہیں یہ انسانیت نہیں تم آؤ پلیز دیکھتے کہ کچھ زیادہ گڑبڑ نہ ہو۔'' دانیال نے اپنی نرم طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہا۔

مجبوراً طلحہ کو گاڑی اس سمت موڑنی پڑی کیونکہ طلحہ کو معلوم تھا کہ دانیال نے اب ہر حال میں دیکھنا ہے کہ معاملہ کیا ہے؟ یہ اس کی بچپن کی عادت تھی کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

جب وہ وہاں پہنچے تو وہ خاتون ایک طرف

گری ہوئی تھی اور نیم غنودگی میں بھی اس کے لبوں سے کراہ کی آواز آ رہی تھی، ایک بوڑھی عورت ہانپتی کانپتی وہاں پہنچی اور اسے دیکھ کر لوگوں سے کہنے لگی کہ اسے جلدی سے ہسپتال لے چلو یہ تو پہلے ہی بیمار ہے، سارے لوگ ایک ایک کر کے کھسک گئے وہ دونوں بھائی رہ گئے۔

''تمہیں خدا کا واسطہ اسے ہسپتال لے چلو۔'' بوڑھی عورت نے ان کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، طلحہ ابھی تذبذب میں ہی تھا کہ کیا کرے کہ۔

''بھائی اس کو ہسپتال لے چلتے ہیں، اللہ آپ کو اس نیک کام کا اجر دے گا۔'' دانیال نے طلحہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، طلحہ نے گردن ہلائی اور دونوں بھائیوں نے مل کر اس خاتون کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا اور ساتھ ہی بوڑھی عورت بھی بیٹھ گئی، ہسپتال پہنچتے ہی ضروری کاغذی کارروائی کے بعد اس خاتون جو شدید تکلیف میں تھی کو فوراً لیبر روم میں پہنچایا تھا۔

طلحہ جان بوجھ کر اس ہاسپٹل میں لے کر آیا تھا، یہاں کے ایک سرجن بڑے بابا کے بہت قریبی دوست تھے اور بڑے ابا اور بڑی اماں کا منتھلی چیک اپ اسی ہاسپٹل سے ہوتا تھا، پولیس کیس کی ڈر کی وجہ سے وہ یہاں آیا تھا، لیکن اللہ کے فضل و کرم اور جان پہچان کی وجہ سے بچت ہو گئی۔

یہ دونوں بھائی اور وہ بوڑھی عورت باہر کھڑے رہے، اس عورت کے ذریعے انہیں پتہ چلا کہ وہ مریضہ اس کی بہو مریم تھی ابھی اس کی شادی کو سال ہی ہوا ہے، شادی کے تین مہینے بعد ہی اس کا (بوڑھی عورت) کا بیٹا یعنی مریم کا شوہر کرنٹ لگنے سے مر گیا۔

''میرا اور کوئی بیٹا نہیں ہے، چار بیٹیاں ہی ہیں، اگر میرا پوتا ہو جائے گا تو ہمارا غم آدھا ہو جائے گا۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔

اسی وقت لیبر روم کا دروازہ کھلا سسٹر باہر آئی اور اس نے کہا کہ مریضہ کو او نیگیٹو خون کی اشد ضرورت ہے، فوراً انتظام کریں مریضہ کی حالت خطرے میں ہے۔

خوش قسمتی سے دانیال کا بلڈ گروپ او نیگیٹو تھا دانیال فوراً سسٹر کے ساتھ خون دینے چلا گیا۔

طلحہ نے اس دوران آفس میں اپنے نہ آنے کی اطلاع دے دی کیونکہ یہاں پتہ نہیں اب کتنا ٹائم لگ جانا تھا۔

مریم کی ساس مسلسل دعا کر رہی تھی کہ اللہ اسے دے میرا پوتا۔

دانیال خون دے کر آ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد نرس نے آ کر بتایا کہ بیٹی ہوئی ہے اور مریضہ کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔

طلحہ اور دانیال نے بے ساختہ ایک پرسکون سانس خارج کی جبکہ، مریم کی ساس نے رونا شروع کر دیا۔

''یہ ہے ہی منحوس سبز قدم، پہلے اپنے ماں باپ کو کھا گئی پھر میرے بیٹے کو کھا گئی اور اب بیٹی پیدا کر دی۔'' دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ پیٹ پیٹ کر بین کرتے ہوئے رونے لگی، طلحہ اور دانیال نے دل ہی دل میں ''استغفار'' کہا اور اس کی سوچ پر افسوس کرنے لگے، اسی اثناء میں سسٹر نے آ کر کہا کہ اب آپ مریضہ سے مل سکتے ہیں۔

''آئیں ماں جی! اپنی بہو اور پوتی کو دیکھ لیں۔'' دانیال نے لب بھینچتے ہوئے مریم کی ساس سے کہا۔

''میں تو ان منحوس ماں بیٹی کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں، اس سے کہنا کہ کہیں اور اپنا

ٹھکانہ کر لے، میرے گھر میں اب قدم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارا تجھ سے اور تیری بیٹی سے ہر رشتہ ختم ہوا۔'' یہ کہہ کر مریم کی ساس وہاں سے تیزی سے نکلتی چلی گئی اور یہ دونوں ہونقوں کی طرح کھڑے رہ گئے۔

''میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ ان چکروں میں نہ پڑھو، لیکن تمہیں تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی، اب بھگتو۔'' طلحہ نے دانت پیستے ہوئے دانیال سے کہا۔

دانیال سکتے کی کیفیت سے باہر آیا تو سسٹر نے دوبارہ ان سے آ کر کہا کہ ''مریضہ آپ لوگوں کو بلا رہی ہے۔''

چار و ناچار انہیں روم میں جانا پڑا جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو مریم آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زار و قطار رو رہی تھی، دانیال کو یوں لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' طلحہ نے اس کے بیڈ کے پاس کھڑے ہو کر پوچھا، اس کے رونے میں مزید روانی آ گئی۔

''مجھے مر جانے دیا ہوتا، کیوں لے کر آئے آپ لوگ مجھے یہاں۔'' مریم نے اپنی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا، اس کی آنکھیں رو رو کر سرخ اور سوجی ہوئی اور چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔

دانیال نے اسے دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا وہ انتہائی حسین تھی، چہرہ پر بہت معصومیت تھی اور بہت کم عمر تھی۔

اسی دوران طلحہ کی موبائل کی بپ بجی او وہ ایکسکیوز کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

دانیال کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے چپ کرائے کیونکہ ایسا کسی قسم کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔

اسی وقت سسٹر کمرے میں داخل ہوئی۔

''آپ کیسے ہسبینڈ ہیں، آپ کی وائف رو رہی ہے اور آپ انہیں چپ نہیں کروا رہے؟'' سسٹر نے دانیال سے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

دانیال نے ٹپٹا کر فوراً مریم کی طرف دیکھا، جہاں نرس اور اس کی ڈرپ میں انجکشن ڈال رہی تھی۔

''پلیز آپ اپنی وائف کے پاس بیٹھیں، انہیں چپ کرائیں۔'' نرس دانیال کو تنبیہ کرتے ہوئے چلی گئی اور دانیال جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا جبکہ مریم نے دوبارہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

طلحہ بھی کمرے میں آ گیا اور دانیال کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا کہ ''اب کیا کیا جائے؟'' دانیال گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''بی بی تمہاری ساس جا چکی ہیں، انہوں نے تمہیں اور تمہاری بچی کو لے جانے سے انکار کر دیا تھا، اب تم اپنے کسی عزیز وغیرہ کا ایڈریس بتا دو تا کہ ہم تمہیں وہاں چھوڑ آئیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کچھ دیر بعد آپ کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔'' طلحہ نے لہجے میں بیزاریت سموتے ہوئے کہا۔

''میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے، ماں باپ میری شادی کرتے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے اور میرے شوہر بھی اس دنیا میں نہیں ہیں اور میری ساس کو تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے، انہوں نے مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر بیٹی ہو تو ہمارے گھر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میرا اس دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔'' اس کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔

دانیال کو اس چھوٹی سی معصوم سی لڑکی پر اس قیامت کے بیتنے کا بہت افسوس ہو رہا تھا۔

طلحہ اب صحیح معنوں میں بہت پریشان

تھا، طلحہ کے خیال میں اسے دارالامان چھوڑ آتے ہیں لیکن اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ فوری طور پر اسے وہاں چھوڑا جائے۔

باہر آ کر طلحہ اور دانیال نے فیصلہ کیا کہ فون کر کے گھر ساری صورتحال بتا دیتے ہیں اور دو چار دن بعد جب ان کی حالت کچھ سنبھل جائے تو پھر کسی فلاحی ادارے میں چھوڑ آئیں گے اور دانیال کو یک گونہ سکون سا حاصل ہوا، پتہ نہیں کیوں؟ یہ وہ خود بھی نہ جان سکا پھر طلحہ نے گھر فون کر کے سب کچھ بتا دیا اور کہا کہ ہم لوگ آدھا گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں۔

جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئے تو مریم نے ان کے ساتھ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا کہ۔

''پلیز مجھ کسی فلاحی ادارے میں چھوڑیں۔''

''فی الحال آپ ہمارے ہمراہ ہمارے گھر چلیں، وہاں ہماری پوری فیملی ہے، کچھ دن بعد سوچیں گے کہ مزید کیا کرنا ہے۔'' طلحہ نے مریم سے کہا اور وارڈ بوائے مریم کو سٹریچر پر لٹا کر کمرے سے باہر لے جانے لگا۔

''تم اس کی بے بی کو لے کر آؤ۔'' طلحہ، دانیال کو حکم دیتا ہوا باہر نکل گیا۔

دانیال نے جب اسے گود میں لیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک بہت ہی پیاری نرم و نازک گلاب کی پنکھڑی جیسی خوبصورت بچی تھی۔

''بالکل اپنی ماں پر گئی ہے، اس نے بے اختیار ہو کر اس کی پیشانی پر پیار کیا۔'' اسے خود ہی اپنی سوچ پر ہنسی سی آ گئی، بچی کسمسانے لگی۔

☆☆☆

جونہی ان کی گاڑی مرکزی گیٹ سے اندر داخل ہوئی، بڑی اماں، بڑی امی، چھوٹی امی نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

کنزیٰ نے دانیال کی گود سے فوراً بچی کو لے لیا اور چٹا چٹ پیار کرنے لگی کیونکہ بچے اس کی کمزوری تھے۔

حمزہ پیار لٹانے والی نظروں سے کنزیٰ کو دیکھنے لگا تو کنزیٰ سرخ چہرے کے ساتھ جھینپ گئی اور حمزہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔

بڑی اماں نے چند نوٹ مریم اور اس کی بچی پر سے وار کر ماسی کو دیے۔

مریم یہ سب کچھ دیکھ کر حیران رہ گئی اور مزید شدت سے رونا شروع کر دیا۔

بڑی اماں بڑی امی اور چھوٹی امی بھی اب تو باقاعدہ رونے لگیں، کیونکہ یہ ساری خواتین بہت ہی نرم دل کی مالک تھیں اور طلحہ کے فون پر انہیں مریم کی جو ہسٹری بتائی تھی انہیں یہ سب جان کر بہت رونا آ رہا تھا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا سارے، اسے اندر لے کر چلو، اس کی حالت صحیح نہیں ہے اندر پہنچ کر اپنے اپنے شوق پورے کر لینا۔'' اچانک بڑے ابا کی گرجدار آواز سنائی دی تو خواتین نے فوراً اپنا دل پسند مشغلہ ترک کیا اور جلوس دل گرفتہ سا اندر کی طرف بڑھا، بچی بار بار سب کی گود میں جا رہی تھی اور سب اس پر اپنا پیار نچھاور کرنا اپنا فرض سمجھ رہے تھے پھر مریم کو کمرے میں پہنچایا گیا کچھ ہی دیر بعد مریم دوائیوں کے زیر اثر غنودگی میں چلی گئی تو سب اس کے پاس سے ہٹ گئے۔

☆☆☆

فجر کے ٹائم مریم کی آنکھ بچی کے رونے کی آواز سے کھلی جو کہ اس کے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی، رونے کی آواز سے پاس لیٹی لڑکیاں بھی اٹھ گئیں اور بڑی اماں کی ہدایت کے مطابق مریم کو واش روم سے فارغ کروا کر طوبیٰ جلدی سے

مریم کے لئے حلوہ بنا کر لائی اور زبردستی اسے کھلایا۔

کنزیٰ اور سامیہ بچی کو لے کر بیٹھی رہیں اب بچی کو بھی بھوک لگ رہی تھی، مریم نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگایا تو اسے یک گونہ سکون سا حاصل ہوا۔

ان لڑکیوں نے اتنا معصوم اور ایسا حسن جو سوگواریت لئے ہوئے تھا اپنی زندگی میں ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔

گھر کے تمام افراد باری باری اسے اور بچی کو دیکھنے آئے اور ماں بیٹی کو دیکھ کر ماشاءاللہ کہتے رہے، دووں ہی چاند کا ٹکڑا تھیں۔

اس گھر کی روایت کے مطابق بچی کا نام قراۃ العین (عینی) بڑے ابا نے رکھا جو کہ مریم سمیت سب کو بہت پسند آیا۔

مریم اور عینی کے چکر میں یہ لوگ بڑی عید کو بھی بھول گئے اور بکرے بھی صرف ایک دن پہلے ہی آئے، عید میں قربانی کے لئے آئے ہوئے بکروں کے ساتھ ہی بڑے ابا نے عینی کے عقیقے کے لئے بھی ایک بکرا زائد منگوایا، عید والے دن سب لڑکوں نے کرتا شلوار پہنے اور لڑکیوں نے کلیوں والی فراک اور چوڑی دار پاجامے زیب تن کیے، مریم اور عینی کے لئے ارجنٹ ریڈی میڈ سوٹ خریدے گئے۔

لڑکے لڑکیوں کی حسب معمول نوک جھونک جاری تھی، مریم عید والے دن اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی اور وقفے وقفے سے روتی رہی یہ عید اسی طرح مصروف سے انداز میں گزر گئی۔

☆☆☆

دن اسی طرح گزرتے رہے، مریم جب اکیلی بیٹھی ہوتی تو سوچتی کہ میں نے غربت میں آنکھ کھولی اس غربت سے خوفزدہ ہو کر ماں باپ نے چھوٹی عمر میں ہی شادی کر دی اور شادی کے بعد بھی سسرال اور شوہر کا سکھ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور پھر بیٹی کی پیدائش پر تو بالکل ہی اپنے آپ کو بدنصیب سمجھ لیا، لیکن اب...... ان لوگوں کو دیکھ کر اور یہاں رہ کر یہ سوچتی کہ میرے زندگی کے دکھ شاید ختم ہو گئے، بے شک اللہ پاک بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے، اسے میرے حال پر رحم آ گیا اور مجھے ایسے لوگوں کا ساتھ نصیب ہو گیا اللہ پاک کی اس مہربانی پر وہ اس پاک پروردگار کا بہت شکر ادا کرتی۔

یہاں آنے کے تین ماہ بعد ہی اس نے دانیال سے اپنے لئے جاب ڈھونڈنے کی بات کی تو بڑی اماں وغیرہ سب بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں اپنی بیٹی کہا ہے جس طرح ہماری بچیاں یہاں رہ رہی ہیں ویسے تم یہاں رہو اور اسے اپنا گھر سمجھو۔

عینی کی وجہ سے گھر میں ہر وقت ایک خوشگوار سی ہلچل مچی رہتی تھی کیونکہ گھر میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں تھا اسی لئے سب کی توجہ کا مرکز وہی تھی لیکن دانیال اور کنزیٰ کی تو اس میں جان تھی، مریم کی تو اسے لینے کی باری ہی نہیں آتی تھی صرف جب اسے بھوک لگتی تھی اس وقت وہ مریم کے پاس جاتی تھی ورنہ عموماً انہی کے پاس رہتی تھی مریم نے بہت ضد کر کے کچن میں کوکنگ کا کچھ کام اپنے ذمے لے لیا تھا، ماضی سے کافی حد تک اس نے پیچھا چھڑا لیا تھا، لیکن جب کبھی ماضی کے ناگ اسے ڈسنے لگتے تو پھر اس کے دکھ کلبلاتے رہتے تھے۔

☆☆☆

اس دن ساری لڑکیاں اور لڑکے آئس کریم کھانے گئے ہوئے تھے اور عینی کو بھی لے گئے تھے مریم سے بھی انہوں نے بہت کہا تھا لیکن اس نے سہولت سے انکار کر دیا تھا کیونکہ سب نے تھک کر آنا تھا اور کچن میں جانے کی ان کی کم ہی ہمت ہوتی تھی ایسے میں بڑی امی اور چھوٹی امی ہی کچن سنبھالتی تھیں، مریم نے سوچا کہ ان لوگوں کے آنے سے پہلے میں کھانا تیار کر لوں گی اس لئے اس نے سر درد کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔

وہ کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھی، دانیال جو کہ کسی کام کے سلسلے میں دوسرے شہر گیا ہوا تھا، ابھی پہنچا تھا اور اسے چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی جو نہی وہ کچن میں چائے کا کہنے داخل ہوا تو کاسنی کڑھائی پر پلے جارجٹ کے نفیس سوٹ جو کہ بڑی امی نے اسے دلوایا تھا، میں اس کی رنگت دمک رہی تھی، وہ مبہوت سا اسے دیکھے گا، مریم کو اپنے چہرے پر اس کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی، اس کے گال مزید دہک اٹھے اور عارض پر پلکیں لرزنے لگیں، دانیال کو یہ منظر اتنا دلکش لگا کہ وہ ایک ٹک اسے دیکھے گا۔

''آپ کو کچھ چاہیے تھا۔'' بالآخر مریم نے اس کی نگاہوں کے ارتکاز کو توڑتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''آں...... ہاں...... وہ...... مجھے چائے چاہیے تھی۔'' اس نے چونک کر اٹکتے ہوئے کہا حالانکہ دل کچھ اور ہی تمنا کر رہا تھا۔

اس وقت بڑے ابا اور بڑی اماں چھوٹے بابا کے ساتھ اپنے کسی جاننے والے کے ہاں حج کی مبارکباد دینے گئے ہوئے تھے جو حال ہی میں یہ سعادت حاصل کر کے آئے تھے۔

بڑی اماں وظیفے میں مصروف تھیں اور چھوٹی امی کا غالباً کوئی فون آیا تھا وہ فون سن رہی تھیں، ناچار اسے ہی چائے لے کر اس کے کمرے میں جانا پڑا۔

دروازہ چوپٹ کھلا تھا، بالکل سامنے ڈبل بیڈ تھا جس پر خوبصورت بیڈ کور بچھا ہوا تھا سامنے والی دیوار پوری کارڈز سے بھری ہوئی تھی، بیڈ کے ایک طرف بڑی سی رائٹنگ ٹیبل تھی جس پر کتابوں کے علاوہ سی ڈی ریک جدید قسم کا ڈیک، آڈیو کیسٹس اور کچھ شعر و شاعری اور ادب سے متعلق کتب بھی تھیں، کمرے میں کوئی نہیں تھا، واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، اس لئے اس نے پورے بیڈ روم کا جائزہ لے لیا تھا۔

وہ چائے ٹیبل پر رکھ کر جانے ہی والی تھی کہ دانیال تولیا سے بال پونچھتا ہوا واش روم سے باہر نکلا، اس نے ٹراؤزر پہنا ہوا تھا اور شرٹ ندارد تھی اس حلیے میں اس کا کسرتی جسم نمایاں ہو رہا تھا، دانیال اسے دیکھ کر ایک دم ٹھٹکا تو۔

''میں...... یہ...... چائے دینے آئی تھی۔''

مریم نے نظریں نیچی کر کے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل آئی، دانیال کے لبوں سے بے ساختہ مسکراہٹ کو چھوا اور اس کے لب بے ساختہ گنگنا اٹھے کہ۔

''دیکھا ہے پہلی بار ساجن کی آنکھوں میں پیار......'' آج اس نے مریم کی آنکھوں میں بھی اپنے لئے ستائش دیکھی تھی۔

جب دانیال نے ہسپتال میں پہلی دفعہ اسے دیکھا تھا تو اسی وقت اس کے دل کی ایک بیٹ مس ہوئی تھی اور جوں جوں وقت گزرتا رہا اس کے دل کی حالت اس سے مخفی نہ رہ سکی، اس کا دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا تھا۔

ویسے تو اس کے گھر والوں نے ہمدردی کے تحت اسے اور اس کی بیٹی کو اس گھر اور دل میں جگہ دی ہوئی تھی، لیکن اسے بہو کی حیثیت سے تسلیم کرنا جبکہ وہ غیر ہونے کے علاوہ ایک بچی کی ماں بھی تھی، گھر والوں کے لئے یہ فیصلہ قدرے مشکل ہو سکتا تھا، دانیال کو گھر والوں سے یہی

خدشہ لاحق تھا، اس لئے اس نے گھر میں ابھی تک اس موضوع پر بات نہیں کی تھی، لیکن اب، اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آر یا پار، وہ ضرور گھر میں اس بارے میں بات کرے گا، جو اس کی قسمت میں ہوگا، ہو جائے گا، اس کا اپنے رب پر یقین بہت مضبوط تھا، وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو کر چائے پینے لگا۔

☆☆☆

ایک سال پلک جھپکتے گزر گیا، ایک بار پھر بقر عید کی آمد آمد تھی، مریم اس ایک سال میں کافی حد تک ان میں گھل مل گئی تھی اور ان کی محفلوں کو انجوائے کرتی تھی اور عینی بھی سب سے مانوس ہو گئی تھی اور خوب پیاری پیاری حرکتیں کرتی تھی، سب کو اس پر خوب پیار آتا تھا۔

دانیال نے آفس سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کیا اور پھر فریش ہو کر اپنے آپ کو بڑی اماں سے مریم کے بارے میں بات کرنے کے لئے الفاظ کا چناؤ کرنے لگا اور پھر مطمئن ہو کر نیچے لاؤنج میں آ گیا، اس نے بڑی اماں سے ہی یہ بات کرنی تھی کیونکہ گھر کے سب افراد ان سے ہر بات شیئر کرتے تھے خصوصاً نوجوان پارٹی تو اور پھر بڑی اماں بڑے ابا تک ان کے مطالبات بمعہ اپنی سفارش کے پہنچا دیتی تھیں، جس کو رد کرنے کی بڑے ابا میں کم ہی ہمت ہوتی تھی، دانیال بڑا خوش خوش سیٹی بجاتا ہوا نیچے اترا تو دیکھا کہ تمام ینگ پارٹی مریم سمیت بڑی اماں کے گرد لاؤنج میں جمع ہیں اور بڑی زبردست بحث چھڑی ہوئی ہے۔

مریم نے بلیک کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا، جس پر دائروں کی شکل میں سرخ رنگ کے پرنٹ بنے ہوئے تھے بلیک اور ریڈ کلر کے کمبی نیشن میں اس کی اناری رنگت دہک رہی تھی اور وہ ان کی نوک جھونک پر ہنستی ہوئی سیدھی دانیال کے دل میں اتر رہی تھی، دانیال کو اس کے سادہ لیکن ملکوتی حسن پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا، مریم کو جیسے ہی اپنے چہرے پر اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا، اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں اور اناری گال دہک کر مزید سرخ ہو گئے اور اس کا چہرہ گل و گلزار ہو گیا، اس کا رنگ پکار پکار کر کہہ دیا تھا کہ اس راستے کا مسافر دانیال ہی نہیں بلکہ وہ بھی ہے۔

دانیال نے اپنی نظروں کو فوراً دوسری طرف مرکوز کیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر کسی کی بھی نظر اس حالت میں اس کے اوپر پڑ گئی تو پھر وہ لوگ اسے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر دیں گے، اپنی تو اسے کوئی خاص فکر نہیں تھی کیونکہ وہ بھی انہی کے قبیلے کا تھا، وہ سیر تھے تو وہ سوا سیر تھا، وہ تو ان سے نبٹ ہی لیتا لیکن، مریم بیچاری مفت میں ماری جاتی اور وہ ان کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی تھی، اس لئے اس نے ابھی تک اپنے اس دل کے معاملے کی کسی پر بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔

وہ اپنے دل پر پتھر رکھتے ہوئے مریم کے چہرے سے نظریں ہٹاتا ہوا بڑی اماں کے پاس بیٹھ گیا، لڑکے بڑی اماں سے بکرے خریدنے کے لئے بحث کر رہے تھے۔

''ارے توبہ بھئی، ایک ایک کر کے بولو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' بڑی اماں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

مگر وہ شیطانوں کی ٹولی کہاں بڑی اماں کی سننے والی تھی، سب اپنی اپنی کر رہے تھے۔

''بڑی اماں! ہم لوگ آپ کو صاف صاف کہہ رہی ہیں پلیز سنیں۔'' کنزیٰ نے ابھی کہنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ حمزہ نے اس کی ٹانگ کھینچنا اپنا فرض سمجھا۔

''ہاں بھئی، ان کی ضرور سن لیں ورنہ ابھی

توپ سے گولے برسانا شروع کر دیں گی۔'' حمزہ نے اسے اپنی نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے اسے تپانے کے لئے کہا، کیونکہ وہ اسے غصے میں مزید اچھی لگتی تھی۔

''اوہو...... ہو...... ہو...... ان کی۔'' سب نے کورس کی آواز میں ہونٹوں کو سکوڑتے ہوئے کہا، حمزہ خجل سا ہو گیا اور کنزیٰ اسے گھورنے لگی۔

''پریکٹس کر رہا ہے یار۔'' انس نے ٹکڑا لگایا۔

''ہاں، کیونکہ شادی کے بعد حمزہ کنزیٰ کے مزاج کی وجہ سے نام لینے کی جرأت تو کرے گا نہیں۔'' دانیال نے کنزیٰ کو زچ کرنے کے لئے کہا۔

''اصل بات تو درمیان میں ہی رہ گئی ہے۔'' عروبہ نے ذرا چیخ کر کہا تو تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی اور پھر جب سب نے ذرا غور کیا تو بڑی اماں سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔

''چپ ہو جاؤ سب بڑی اماں کے سر میں درد شروع ہو گیا ہے۔'' سامیہ نے بڑی اماں کا سر دباتے ہوئے کہا۔

''اچھا بھئی، اب کوئی نہیں بولے گا، سب سے پہلے لڑکیاں اپنی بات پوری کریں اور باری باری بولیں۔'' آخر میں طلحہ نے جج بنتے ہوئے کہا۔

''بھئی سب سے پہلے کنزیٰ اپنی سریلی آواز میں ارشاد فرمائیں گی۔'' فائق نے اپنی بہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بکرے عید سے ایک دن پہلے آئیں گے میں نے کہہ دیا ہے بس۔'' کنزیٰ نے حتمی انداز میں کہا۔

''ارے یہ کیا تم اول فول بکے جا رہی ہو، قربانی کے جانور کی خدمت کرنے کے بعد ان کی قربانی کرنے کا بڑا ثواب ہے۔'' بڑی اماں نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا تو کنزیٰ اپنی اس عزت افزائی پہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

''یہ اس لئے میری پیاری بڑی اماں! کہ ان کے چارے، پانی اور گند کی صاف کرنے کے لئے ہم معصوم لڑکیاں ہی رہ جاتی ہیں۔'' عروبہ بھی میدان میں کود ی۔

''مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔'' ولید نے انس کے کان میں گھستے ہوئے سرگوشی کی، لیکن سرگوشی اتنی اونچی ضرور تھی کہ عروبہ کے کان تک پہنچ گئی اور وہ بھی ہونہہ کہہ کر دوسری طرف رخ موڑ گئی۔

''صاف ستھرائی کا کام لڑکیوں کا ہی ہوتا ہے۔'' حمزہ کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

''ویسے بائی داوے، اتنے سارے بکروں کی موجودگی میں مزید بکرے لانے کی کیا ضرورت ہے۔'' عروبہ نے لڑکوں کی طرف اشارہ کر کے اپنا حساب برابر کیا۔

''وہ تو پہلے ہی کسی پر قربان ہو چکے ہیں۔'' ولید کی بجائے انس نے آہ بھر کر کہا۔

''آہاہ، نجانے کب ذبح ہوں گے یہ بکرے؟'' حمزہ نے کنزیٰ کے خفا خفا چہرے کا طواف کرتے ہوئے کہا۔

''سنا ہے اس عید پر ان کی بھی قربانی کا سوچا جا رہا ہے۔'' طلحہ نے سہنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''بس میری بات تو بیچ میں ہی رہ گئی۔'' کنزیٰ پاؤں پٹختی ہوئی حمزہ کو خطرناک نظروں سے گھورتی ہوئی لاؤنج میں نکل گئی۔

''ظالم نظروں سے نہ تم مجھ کو دیکھ، مر جاؤں گا او جان جاناں مر جاؤں گا۔'' حمزہ لہک لہک کر گانے لگا۔

سب کے چھت پھاڑ قہقہے کمرے میں گونجنے لگے، اسی وقت دانیال اور مریم کی نظروں کا تصادم ہوا تو مریم نے ٹپٹا کر نظریں نیچی کر لیں، دانیال مسکرا کر رہ گیا۔

بڑی امی کی آواز پر لڑکیاں تو کچن میں چلی گئیں اور بڑے ابا کے حکم پر لڑکے بکرے دیکھنے اور لانے کے لئے بکرا منڈی چلے گئے۔

سب کے جانے کے بعد دانیال نے سکھ کا سانس لیا اور بڑی اماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا، ان میں سے جس کسی کو اپنی بات منوانی ہوتی تھی وہ بڑی اماں سے لاڈ کا یہی طریقہ اختیار کرتے تھے۔

''ضرور کوئی مطلب ہوگا۔'' بڑی اماں نے چشمے کے اوپر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں بڑی اماں، ایسی کوئی بات نہیں ہے بس آج آپ پر بہت پیار آ رہا ہے اور آج آپ لگ بھی تو بہت پیاری رہی ہیں۔'' دانیال نے انہیں مسکہ لگاتے ہوئے کہا۔

''میں سب سمجھ رہی ہوں، بس اب بلی تھیلے سے باہر نکال دے۔'' بڑی اماں نے اس کے کان کھینچتے ہوئے کہا۔

''وہ بڑی اماں آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' اس نے ذرا کھسیا کر کہا۔

''میں کیا فارسی بول رہی ہوں، اب کہہ بھی دے نا۔'' بڑی اماں نے کچھ بیزار ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ بڑی اماں میں مریم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' بالآخر اس نے ہمت کرتے ہوئے ڈائریکٹ ہی ایکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' بڑی اماں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''اوہو، بڑی اماں اپنا یہ منہ تو بند کریں مکھی چلی جائے گی۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''ارے یہ میں کیا سن رہی ہوں، کہیں تو مذاق تو نہیں کر رہا، وہ تو پہلے ہی دکھوں کی ماری ہے، کہیں تیرا یہ مذاق اس کے دکھوں میں مزید اضافہ نہ کر دے۔'' بڑی اماں نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''نہیں بڑی اماں ایسی کوئی بات نہیں، مجھے وہ واقعی اچھی لگتی ہے اور میں اس کے معاملے میں سیریس ہوں۔'' دانیال نے بغیر لگی لپٹی کے کہا۔

''کہیں تو اس پر ہمدردی اور ترس تو نہیں کھا رہا اور کچھ عرصے بعد یہ ہمدردی کا بخار اتر جائے اور وہ بیچاری کہیں کی بھی نہ رہے۔'' بڑی اماں نے اپنی تسلی کے لئے پوچھا۔

''افوہ، بڑی اماں میں آپ کو ایسا لگتا کہ میں ایسا ہوں؟ آپ کو کیا اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں۔'' اس نے بڑی اماں کے استفسار سے زچ ہوتے ہوئے کہا، بڑی اماں کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔

''بڑی اماں آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے، کیونکہ مریم کو بیوہ ایک بچی کی ماں ہونے کی وجہ سے شاید آپ لوگ اس رشتے پر تیار نہ ہوں۔'' اس نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا، بڑی اماں یکدم چونکیں۔

''ارے میں تو خود تم سے یہی کہنے والی تھی، مجھے تو یہ بچی دیکھتے ہی بہت اچھی لگی تھی، میں نے تو تمہارے بڑے ابا سے بات بھی کی تھی کہ کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر اس بچی کی شادی کر دیتے ہیں، کیونکہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ اتنی بڑی زندگی یہ بغیر ساتھی کے کیسے گزارے گی؟ تو تمہارے بڑے ابا نے کہا۔''

''کہ اگر دانیال یا فائق میں سے کوئی اس سے شادی کے لئے تیار ہو جائے تو سب سے اچھا ہے، یہ بے سہارا بچی یہیں ہمارے پاس رہ جائے گی اور عینی سے بھی ہمارا بہت دل لگ گیا ہے لیکن میں نے کہا کہ ''شہاب کے ابا، یہ آج کے بچے ہیں، جو کنواری لڑکیوں میں سو سو نقص نکال دیتے ہیں مریم تو پھر بیوہ اور ایک بچی کی ماں ہے، اس کے لئے ہمارے بچے کیونکر راضی ہوں گے۔''

''اور اب تم نے یہ مژدہ سنایا ہے، یقین جان میرے لال، مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے اور مجھے امید ہے کہ سب گھر والے بھی بہت خوش ہوں گے کیونکہ مریم ہے ہی اتنی اچھی اور بہت جلد ہمارے گھر کے ماحول میں رچ بس گئی ہے، جیسے شروع سے یہیں ہی رہتی آ رہی ہے، بس تم اسے اس کے ماضی کا کبھی حوالہ نہ دینا اور سچے دل سے اسے اور اس کی بچی کو ہمیشہ کے لئے قبول کرنا۔'' بڑی اماں نے ذرا تفصیل سے اسے سمجھایا۔

''ٹھیک کہا آپ نے بیگم اللہ کی رضا بھی اس میں ہی ہے۔'' اچانک بڑے ابا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

اور وہ دونوں انہیں اچانک وہاں دیکھ کر حیران ہوئے اور دانیال تو ٹپٹا بھی گیا۔

''میں نے تم لوگوں کی ساری باتیں سن لی ہیں اور مجھے بہت خوشی رہی ہے کہ میری نوجوان نسل میں بھی جذبہ رحمی موجود ہے، اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے جو اس کی رضا میں راضی ہوں اور آخر میں اسے اس کا اجر بھی دیتا ہے جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو ان کا اپنی راہ میں قربانی دینے کا عمل اتنا پسند آیا کہ اسے رہتی دنیا تک فرض قرار دے دیا اور جنت میں ان کے درجات بہت بلند کر دیے، تو بیٹا اللہ تعالیٰ تم سے بہت خوش ہوگا اگر تم ایک بیوہ یتیم بچی کے سر پر ہاتھ رکھو گے یقیناً تمہیں بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا اور اللہ کو تمہارا یہ عمل بہت پسند آئے گا، اگر ہر نوجوان میں نیکی کرنے اور اللہ کی رضا کے لئے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ۔''

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

یہ کہہ کر بڑے ابا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر باہر چلے گئے۔

''تم سچے دل سے اسے قبول کرنا اس شرط پر میں یہ رشتہ طے کروں گی کیونکہ ہم سب کو مریم اور عینی بہت عزیز ہو گئیں اور ہاں ابھی تو مریم کی رائے بھی لینی ہے، وہ تم جیسے مسخرے کے لئے تیار بھی ہے یا نہیں؟'' آخر میں بڑی اماں نے اس کی ناک کھینچتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''جیو بڑی اماں!'' دانیال نے بے انتہا خوش ہو کر جوش میں آ کر بڑی اماں کو گول گول چکر دینے شروع کر دیے اور بڑی اماں ارے، ارے کرتے رہ گئیں۔

☆☆☆

اور جب بڑی اماں نے گھر میں دیگر افراد سے یہ ذکر کیا تو سب ہی خوش ہو گئے کیونکہ ان سب کو مریم سے انسیت ہو گئی تھی۔

''بیگم! مریم سے بھی اس کی رائے ضرور لے لینا کہ یہ اس کا حق ہے۔'' بڑے ابا نے یاد دہانی کرانا ضروری سمجھا، سب نے ان کی تائید کی۔

بڑی اماں نے یہ کام اپنی بڑی بہو یعنی بڑی امی کے ذمے لگایا۔

ناشتے کے بعد سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے تو بڑی امی نے مریم سے کہا کہ فارغ ہو کر ذرا میرے کمرے میں آ کر میری بات سن لینا، مریم نے تابعداری سے سر ہلا دیا۔

''جی بڑی امی!'' تھوڑی دیر بعد ہی مریم

نے ان کے کمرے میں آ کر جواب طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔
''ہاں ہاں یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔'' بڑی امی نے بڑی محبت سے بیڈ پر اپنے برابر سی جگہ بناتے ہوئے کہا۔
مریم ہچکچاتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئی کیونکہ اس سے پہلے ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا تھا اور حیران نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔
''بیٹی تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کوئی پریشان یا مسئلہ تو نہیں ہے؟'' بڑی امی نے تمہید باندھتے ہوئے اس سے کہا۔
''نہیں بڑی امی! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے میں تو یہاں بہت خوش ہوں اور یہاں آ کر تو میری ساری پریشانیاں اور دکھ جیسے ختم ہو گئے ہیں۔'' اس نے اپنے ماضی کو یاد کرتے ہوئے کہا۔
''ہماری محبت اور خلوص پر تمہیں یقین ہے یعنی یعنی ہماری محبت میں تمہیں کوئی کمی تو محسوس نہیں ہوئی۔'' بڑی امی نے اسے مزید کریدا۔
''کیسی باتیں کر رہی ہیں بڑی امی! میرے امی ابو کے بعد اگر مجھے محبت، خلوص، اپنائیت اور انسیت ملی ہے تو یہیں سے آپ لوگوں کے پاس سے ملی ہے اور میں تو مر کر بھی آپ لوگوں کی چاہتوں اور خلوص کا احسان نہیں اتار سکتی۔'' مریم نے گلوگیر لہجے میں کہا۔
''اگر تم ہمیں اجازت دو تو ہم تمہاری زندگی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کر سکتے ہیں۔'' بڑی امی نے اس کی غزالی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا جہاں ممنونیت کی نمی چمک رہی تھی۔
''میں سمجھی نہیں بڑی امی!'' اس نے الجھ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''ہم تمہارا رشتہ دانیال سے کرنا چاہ رہے ہیں، اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو۔'' بالآخر بڑی امی نے وہ بات کہہ دی جس کے لئے وہ اتنی سے تمہید باندھ رہی تھیں۔
''کیا؟'' اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا اور دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔
''ہاں بیٹی، ہم تمہیں اس گھر میں مستقل بیٹی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں اور یہ کسی ہمدردی کے تحت نہیں ہے بلکہ ہم سب کی اور دانیال کی بھی دلی خواہش ہے کہ تم اور عینی ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو۔'' بڑی امی نے اس کا ہاتھ پکڑ بڑی اپنائیت سے کہا اور مریم سوچنے لگ گئی کہ یہ لوگ انسان ہیں یا فرشتہ؟ آج کے دور میں ایسے لوگ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے لیکن جن لوگوں کے دلوں میں ابھی ایمان زندہ ہیں اور خوف خدا ہے وہ زمین پر اللہ کے دکھی بندوں کے کام آتے رہیں گے، اس کے دماغ نے فوراً دلیل پیش کی۔
''بڑی امی! کیا آپ لوگوں کا یہی احسان ہے کہ آپ لوگوں نے ایک بیوہ اور یتیم بچی کو محبت بھری چھاؤں دی ہوئی ہے۔'' اس نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگ گئی۔
''نہیں میری بچی! آئندہ سے اپنے لئے بیوہ اور عینی کے لئے یتیم کا لفظ استعمال مت کرنا۔'' بڑی امی نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سموتے ہوئے کہا، اس کے رونے میں روانی آ گئی اور وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔
''بس اب تو یہ آخری بار رو رہی ہے، آئندہ میں تیری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔'' بڑی امی نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
''اچھا تجھے دانیال سے شادی پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' بڑی امی نے اس کا جائزہ

اوپر کرتے ہوئے کہا۔
تو اس کے چہرے پر دانیال کے نام سے توس قزح کے سارے رنگ اتر آئے، اس کا دل دھک دھک کرنے لگا اور اس کی آنکھوں سے اس کے دل کی بات عیاں ہو رہی تھی بڑی امی نے بہت محبت سے اس کی پیشانی چوم کر اسے دائمی خوشیوں کی دعا دے ڈالی اور اس نے شرما کر فرمانبرداری سے سر جھکا لیا۔

☆☆☆

اگلے دن گھر میں ایک خوشگوار سی ہلچل تھی، سب نے دانیال کو گھیرا ہوا تھا۔
''بڑے چھپے رستم نکلے بھئی۔'' حمزہ نے دانیال کی کلاس لی۔
''بھئی مریم نے بھی تو کسی کا کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔'' لڑکیاں بھی میدان میں کود پڑی تھیں۔
''نہیں نہیں مجھ تو کچھ نہیں پتہ۔'' مریم نے اچانک سٹپٹا کر کہا۔
آج مریم نے گلابی سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا اور اس کا چہرہ اس کے سوٹ کے ہم رنگ ہو رہا تھا، گلابی عارض پر گھنیری پلکوں کی جھالر سایہ کیے ہوئے تھی، گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکان تھی اور آج دانیال نے اپنا حق سمجھ کر اس کے صبیح چہرے پر سے نظریں ہٹانے کی زحمت نہیں کی وہ سب مریم کو چھیڑ رہے تھے۔
''بھئی جو کچھ کہنا ہے مجھے کہہ لو'' نہیں کچھ نہ کہو۔'' دانیال نے مریم کے چہرے کا طواف کرتے ہوئے کہا۔
''اوہو......''
''نہیں......'' سب نے کورس میں کہا اور مریم کا جھکا سر شرم سے مزید جھک گیا۔
''بڑی اماں نے کہا ہے کہ پرسوں بقر عید

کے ٹھیک دس دن بعد دانیال اور مریم سمیت مزید پانچ بکرے اور بکریوں انسانی شکل والوں کی قربانی ہے، یعنی ان کا نکاح ہے اور جو بکرا حد سے زیادہ اتاؤلا ہو رہا ہو گا تو اس کی رخصتی بھی کر دی جائے گی۔" فائق کے اس اعلان سے ان پر شادی مرگ کی کیفیت چھا گئی اور وہ سب خوشی سے ناچتے ہوئے گانے لگے۔

☆☆☆

جبکہ لڑکیاں شاپنگ کے بارے میں بحث کرنے لگ گئیں اور انہیں یہ فکر لاحق ہو گئی کہ اتنے کم دنوں میں شاپنگ کیونکر ہو سکے گی۔

☆☆☆

آج عید الاضحیٰ تھی یعنی قربانی کی عید، حضرت ابراہیمؑ کی سنت ادا کرنے کا دن، صبح سے گھر میں گہما گہمی تھی۔

خواتین اور لڑکیوں کچن میں مصروف تھیں اور لڑکے گوشت بانٹنے پر مامور تھے اور ساتھ ہی لڑکے لڑکیوں کی نوک جھونک بھی جاری تھی، یہ گھرانہ ایک مکمل خوشحال گھرانے کی تصویر پیش کر رہا تھا، مریم رشک بھری نظروں سے ان سب کو دیکھ رہی تھی اور صدق دل سے اس گھرانے کے لئے دائمی خوشیوں کی دعا کر رہی تھی جو کہ اب اس کا بھی گھر تھا، ایک طمانیت بھرا اطمینان اس کے رگ و پے میں اتر گیا یہ سوچ کر۔

عروبہ نے بہانے سے اسے چھت پر بھیج دیا جب وہ وہاں گئی تو دانیال پہلے سے ہی وہاں موجود تھا، ہلکے براؤن کلر کے شلوار سوٹ میں بہت ڈیسنٹ اور سمارٹ لگ رہا تھا، جیسے ہی مریم کی نظر اس پر پڑی، دانیال نے جھٹ سے اسے عید مبارک کہہ دیا۔

مریم جونہی واپسی کے لئے مڑی، دانیال نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور نثار ہو جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

آج مریم نے نیوی بلو کلر کی اے لائن شرٹ اور پاجامہ پہن رکھا تھا اور بڑا سا دوپٹہ پھیلا کر لیا ہوا تھا اور سب کے کہنے پر اس نے آج اپنے لمبے سیاہ بال کھولے ہوئے تھے اور سوٹ کی ہی ہم رنگ چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں، دانیال کی بے باک نظریں اس کے حسین چہرے کا طواف کر رہی تھی جبکہ وہ شرماتی اور گھبراتی ہوئی نچلے ہونٹ کا کونہ دانتوں تلے دبائے کھڑی تھی۔

"پلیز میرا ہاتھ چھوڑ دیں، کوئی آ جائے گا۔" وہ شرم سے بوجھل لہجے میں منمنائی دانیال جیسے خواب سے جاگا۔

"چھوڑنے کے لئے تو پکڑا ہی نہیں یہ ہاتھ۔" دانیال نے جذبات سے چور لہجے میں کہا۔

"پلیز ......" وہ رو دینے کو ہو گئی بالآخر دانیال کو اس پر ترس آ گیا، دانیال نے اس کی ہاتھ کی پشت پر اپنے لب رکھ کر دھیرے سے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا۔

دانیال کی اس حرکت سے وہ اپنے آپ میں مزید سمٹ گئی۔

"کبھی کبھی محبت کی فقط ایک بوند ہی سیراب کر ڈالتی ہے اور وہ اس کے لمس سے سیراب ہوتی چلی گئی اور جھلمل آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا انہیں ان کی دائمی خوشیوں کی دعا دے ڈالی۔"

☆☆☆

"ایمان پلیز میرے ساتھ چلو ناں، سیمینار اٹینڈ کرنے میں اکیلے کیسے جاؤں گی۔" وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ایمان کی منتیں کر رہی تھی مگر مجال ہے ایمان بی بی کسی بات پر اڑ جائیں اور وہ بات پوری ہو جائے یہ تو ایسے ہی ناممکن تھا، جیسے سورج کا مغرب سے نکلنا۔

"زارا میں نے تم سے کہا ہے ناں کہ میرا دل نہیں چاہ رہا اور ویسے بھی میں کتاب پڑھ رہی ہوں اس لئے پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔" ایمان نے قطعیت سے کہتے ہوئے کتاب منہ کے آگے کر لی مگر کتاب میں چہرہ چھپاتے ہوئے وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ نہ چھپا سکی اپنی ناکامی اور ایمان کی بے مروتی پر زارا پیر پٹختی باہر چلی گئی۔

کاشان حیدر گورنمنٹ کالج میں سائیکولوجی کے پروفیسر تھے، وہ نہ صرف کالج اسٹاف کے ہر دل عزیز شخصیت تھے بلکہ پوری طلباء یونین انہیں اپنا آئیڈیل تسلیم کرتی تھی ان کی دو اولادیں تھیں بیٹا اعظم حیدر اور بیٹی زارا حیدر ان کی شریک حیات زارا کی پیدائش پہ وفات پا چکی تھی، ایمان ان کی اکلوتی بھانجی تھی جسے بہن کی وفات کے بعد وہ اپنے بہنوئی کے دوسری شادی کرنے اور بیرون ملک شفٹ ہو جانے پر خاندان والوں کی مرضی سے اسے گھر لے آئے تھے، دونوں ہم عمر اور ہم جماعت تھیں، ایمان، زارا کے بغیر اور زارا، ایمان کے بغیر اپنے آپ کو ادھورا سمجھتی تھیں، دونوں یک جان دو قالب تھیں۔

زارا ہو بہو اپنی ماں کا پرتو تھی، خوبصورت تو وہ ویسے بھی وہ بلا کی تھی اوپر سے حجاب میں لپٹی کالی سیاہ آنکھوں سے چھلکتی ذہانت دیکھنے والے کو مسمرائز کرنے کا ہنر رکھتی تھیں، لیکن اس کی خوبصورتی و ذہانت پہ جو چیز سب سے زیادہ حاوی تھی وہ تھی اس کی عدم اعتمادی، وہ اپنے آپ کو لاکھ خود اعتماد کرنے کی کوشش کرتی مگر کہیں نہ کہیں اس کی عدم اعتمادی چھلک جاتی تھی، اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی میں تقریری مقابلوں میں حصہ لینے کے باوجود ایک جھجک مانع تھی، مگر جب وہ اپنی بات کو مکمل جوش اور یقین کے پیرائے میں بیان کرنا شروع کرتی تو اس کی خود اعتمادی لوٹ آنا شروع ہو جاتی تھی، بی اے سے فراغت کے بعد چونکہ ایم اے کی کلاس اسٹارٹ ہونے میں وقت تھا سو بوریت دور کرنے کے لئے زارا نے قریبی اسکول میں ٹیچنگ شروع کر دی تھی جبکہ ایمان اپنی سادہ فطرت کی بدولت گھر داری میں مگن ہو گئی تھی اس کی خواہش تھی کہ زارا اپنی ذہانت کو اپنی عدم اعتمادی سے زنگ لگانے کے بجائے خود اعتمادی سے پالش کرے اس لئے آج اسکول میں موصول ہونے والے انویٹیشن کارڈ کے سلسلے میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی تحت ہونے والے سیمینار میں شرکت کرنے کے لئے قرعہ فال زارا کے نام نکلا تھا جس میں شرکت کرنے سے وہ کترا رہی تھی مگر مجبوراً ہامی بھرنی پڑی اور اس ہامی کے بعد وہ بطور مددگار ایمان کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی تاکہ اسے حوصلہ رہے اور وہ ایمان کے دیئے حوصلہ سے اپنا پوائنٹ آف ویو بھی واضح کر سکے، مگر ایمان کو آج موقع ملا تھا زارا کی صلاحیتیں دیکھنے کا سو اس نے مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا نتیجتاً زارا زور و شور سے ایمان کو کوستی اور جل جلال کا ورد کرتی سکول روانہ ہو چکی تھیں جہاں اسکول وین کے ذریعے ہونے والے سیمینار میں شرکت کرنے جانا تھا۔

☆☆☆

وہ جس وقت ہوٹل پہنچی سیمینار شروع ہو چکا تھا اور ہال کی ساری سیٹیں پر تھیں ماسوائے چند ایک کے اس نے اپنی ازلی کمزوری کی بدولت پچھلی سیٹیں تلاش کرنی چاہیں مگر بے سود دوسری خالی چند سیٹوں کے علاوہ باقی ہال پر ہو چکا تھا، چار و ناچار اسے وہیں بیٹھنا پڑا، چند لمحوں بعد اسے انتہائی تیز مردانہ کلون کی خوشبو اپنے حواسوں پر سوار ہوتی محسوس ہوئی تو اس نے گردن گھما کر دیکھا بلیک سوٹ میں مردانہ وجاہت کا شاہکار گرد و پیش سے بے نیاز شخص اس کے برابر بیٹھ چکا تھا، چند لمحوں تک وہ اس کی موجودگی سے کنفیوژ ہوتی رہی مگر تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنے اطراف سے بے نیاز ہو کر اپنی توجہ ڈائریکٹر کی طرف مبذول کر چکی تھی۔

وہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے مایہ ناز ڈائریکٹر تھے اور غرور ان کے لب و لہجے سے ٹپکتا محسوس ہو رہا تھا ان کے الفاظ اور مغرورانہ انداز پہ وہ بد دل ہو کر پہلو بدل رہی تھی۔

"ہم اور ہمارا ادارہ ہر تین سال بعد یا پانچ سال بعد اپنے ایڈیشن میں تبدیلی کرتے ہیں، ہمارا مارکیٹ سروے گراف گورنمنٹ کے اداروں کی بہ نسبت کافی بڑھ چکا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ آج سے بیس سال پہلے جو بچہ کتاب پڑھ کے نکلا تھا آج بیس سال گزرنے کے بعد بھی وہی کتاب پڑھائی جا رہی ہے فرق تو صاف ظاہر ہے۔" ڈائریکٹر صاحب کے الفاظ پہ ہال میں دبی دبی سی ہنسی کی آواز گونجنے لگی، مگر زارا کو ان پہ غصہ آ رہا تھا۔

"پاک ایجوکیشنل بورڈ ہر سال تعلیمی نصاب کو بہتر بنانے اور اس میں تبدیلی کا اعلان کرتی ہے مگر نتیجہ صفر یہی وجہ ہے کہ ایک گورنمنٹ اسکول سے سرٹیفکیٹ لے کر نکلنے والا بچہ ایک پرائیویٹ اسکول سے نکلنے والے طالب علم کا مقابلہ نہیں کر پاتا کیونکہ وہ نہ صرف تعلیمی لحاظ سے بلکہ شخصی لحاظ سے بھی بے حد کمزور ہوتا ہے۔" ان کے الفاظ پہ زارا نے ایک بار پھر پہلو بدلا تو اس کے پہلو بدلنے پہ برابر بیٹھے شخص نے بغور گردن گھما کر اس کا جائزہ لیا تو وہ خفت زدہ ہو گئی مگر پھر اسے رخ موڑ کر وہ سب کچھ ذہن سے جھٹک کر تقریر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اگر آج گورنمنٹ اپنے تعلیمی اداروں پہ توجہ دے اور ملک کے مایہ ناز لوگوں کی خدمات حاصل کرے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ملک ترقی کی راہوں پہ گامزن ہو گا۔" ان کی تقریر ختم ہونے پر زارا ہال میں گونجتی تالیوں تک خاموش بیٹھی رہی تالیوں کی گونج ختم ہونے کے بعد ڈائریکٹر صاحب نے کہا۔

"آپ میں سے کوئی اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہے تو پلیز موسٹ ویلکم۔" انہوں نے ڈائس پہ سے ہٹتے ہوئے پورے ہال پہ نظر ڈال کر حاضرین محفل کو دعوت دی تو ان کی دعوت پر زارا کھڑی ہو گئی اس کی کولیگ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر ڈائریکٹر کے مغرورانہ انداز و بیان نے اس کے اندر کے احساس کو جگا دیا تھا ان کے الفاظ پہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"سر! اگر آپ اجازت دے رہے ہیں تو میں اہل تقریب سے اپنے خیالات کا اظہار ضرور کرنا چاہوں گی۔"

اسٹیج پہ موجود ڈائریکٹر صاحب نے تمام لوگوں پہ نظر ڈالتے ہوئے مکمل حجاب میں لپٹی اس لڑکی کو دیکھا جس کی آنکھوں میں جرأت اور ذہانت کی چمک صاف نظر آ رہی تھی ان کا سر بے ساختہ اثبات میں ہل گیا، ان کے اثبات میں سر ہلنے پہ زارا اسٹیج کی طرف بڑھ گئی، ڈائس پہ پہنچ کر اس نے ایک نظر ہال میں موجود تمام لوگوں پہ ڈالی تو اسے کچھ ہی فاصلے پہ ایمان بیٹھی نظر آ گئی، اسے قدرے سکون کا احساس ہوا اور وہ آہستہ آہستہ

بولتی چلی گئی۔

''میں ڈائریکٹر صاحب کی باتوں کے جواب میں صرف یہ کہنا چاہوں گی۔'' اس نے ایک نظر ڈائریکٹر اور دیگر ممبران پہ ڈالی جہاں حیرت بھی تھی اور اس کے لفظوں کی سچائی پہ نا پسندیدگی بھی۔

''پاکستان بورڈ اپنے تعلیمی نصاب میں تبدیلی رائج کرنے کے لئے دس سے پندرہ سال کا عرصہ لگاتا ہے، جس طرح پودے کو سایہ دار شجر بننے میں اتنا عرصہ معاون ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح وہ اس تمام عرصے کو اپنے تعلیمی نصاب کو موثر و جامع اور مستند بنانے کے لئے صرف کرتا ہے تعلیم صرف Grammatical point of کا ہی نام نہیں بلکہ لٹریچر کا بھی ہماری زندگی میں اہم کردار ہے مگر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نئی نسل کو مادی چیزوں سے متعارف کروانے کے ساتھ صرف Grammatical point of view سے متعارف کروا رہے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اگر اپنے ارتقاء کے بارے میں نہیں جانتا تو وہ زندگی کے کسی دوسرے حصے کو کیا جان پائے گا، شیکسپیئر، ارسطو، افلاطون اور خلیل جبران جیسے مایہ ناز فلاسفر اور آرٹسٹ کے ساتھ ان مفکروں کی کامیابی ان کے لٹریچر کی ہی مرہون منت ہے، انہوں نے کسی اسکول اور کالج کی شکل نہیں دیکھی لیکن زندگی کی تلخ حقیقتوں کو ادب کے پیرائے میں ڈھال کر ہم تک پہنچایا ہے، مادی چیزوں سے بے پرواہ یہ لوگ آج ہمارے لئے آئیڈیل اور مشعل راہ ہیں۔'' اس نے قدرے رک کر ہال پہ ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پورے ہال میں ایک سکوت سا طاری تھا، ایک لمبا سانس اپنے اندر اتار کر اس نے دوبارہ بات کا سرا جوڑنا چاہا۔

''آخر میں صرف یہ کہنا چاہوں گی کہ پاکستان ایجوکیشنل بورڈ کے تمام ممبران چاہے قرآن و حدیث کے شعبے سے ہوں، تاریخ کے پھر سائنس کے ہر چیز پر مکمل عبور حاصل کرنے کے بعد ہی وہ نصاب کو مکمل اور یقینی بناتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ہائی سوسائٹی کے پروردہ نہیں بلکہ کچی مٹی پہ بیٹھ کر سورج کی تمازت برداشت کر کے اور زندگی جیسے سخت گیر استاد سے سبق حاصل کرنے والے لوگ ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پوری اسلامی دنیا میں ملک کا نام روشن کیا، مادیت کو ٹھوکر مار کر صرف وطن کے خاطر سب کچھ قربان کر دیا، عزت و شہرت اور بلند مقام دینے کا عہد کیا اور اس عہد کو نبھایا بھی ہے مگر جنہوں نے اس عہد کو نبھایا بدقسمتی سے وہ لوگ آج مادیت پرستوں کے ہاتھوں نہ صرف قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں بلکہ وہ لوگ جنہوں نے بزرگوں کی سرپرستی میں ان کے عہد کو نبھانے اور بڑھانے کی کوشش کی وہ آج الجزائز کی جیلوں میں سزائیں کاٹ رہے ہیں، پھر یہ لوگ تعلیمی لحاظ سے اور شخصی لحاظ سے کیسے کمزور ہو سکتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو وطن اور اس کی مٹی کا حق ادا کرنا جانتے ہیں اس کے برعکس ہائی سوسائٹی کا پروردہ طالب علم جس کی زندگی عیش پسندی اور دو جمع دو کرنے میں گزرے جو زندگی کی تلخ حقیقتوں کا سامنا ہی نہ کرے اور نہ کرنا چاہتا ہو، جو اپنی تہذیب اور اسلامی نظریہ حیات کو چھوڑ کر دوسروں کی طرز زندگی اپنا کر خوش ہوں، جو طالب علم بڑے فخر سے اپنے ہائی اسٹیٹس اور ہائی ایجوکیشن کے بارے میں بتاتا ہو لیکن اپنے ملک کے ساتھ ساتھ اسلام کی تاریخ سے بھی نابلد ہوں جو لیڈی گاگا اور مونٹانا کو تو جانتے ہیں لیکن محمد بن قاسم اور غازی علم دین شہید جیسے ہیروز سے نابلد ہوں وہ

اس ملک کا کون سا حق ادا کر سکتا ہے جو لوگ اپنے لٹریچر اور اپنی تاریخ کے بارے میں نہ جان سکیں اور نہ ہی زندگی کے گنجلک فلسفہ کو پڑھ سکیں وہ ملک کو ترقی کی راہوں پہ کیسے گامزن کر سکیں گے، وہ ملک کا حق ادا نہیں کرتے اس کی تکلیفوں کو محسوس نہیں کر سکتے تو وہ مایہ ناز کیسے ہو سکتے ہیں یہ آپ لوگ فیصلہ کر سکتے ہیں۔''

تالیوں کی گونج اور داد و تحسین کے لفظوں سے سرشار وہ ایمان کی طرف بڑھ گئی جبکہ تالیاں بجاتا شاہ زیب حیرت سے سیاہ حجاب میں لپٹی نازک سے لڑکی کے خیالات اور احساسات جان کر شاکڈ تھا اور اس کی نظریں اپنے اوپر مستقل مرکوز دیکھ کر ہی وہ اپنی سیٹ کے بجائے ایمان کی طرف بڑھی تھی، ایمان نے جوش و محبت سے اپنے لپٹا لیا وہ اس کی تسلی و محبت وصول کر کے اس کے پاس پڑی خالی کرسی پہ بیٹھ گئی، کچھ دیر بعد ہی ریفریشمنٹ کی اناؤنسمنٹ کے ساتھ لوگوں کو اسناد و شیلڈز اور دیگر سرٹیفکیٹس تقسیم کر کے جانے کا عندیہ دے دیا گیا تھا، وہ ہاتھ میں فائل اور سرٹیفکیٹ تھام کر کاندھے پہ بیگ لٹکائے انٹرنس کی طرف بڑھ گئی جہاں ایمان اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

وہ دونوں انٹرنس ڈور کھول کر باہر نکل رہی تھیں جبھی انہیں اپنے پیچھے اجنبی آواز سنائی دی۔

''ایکسکیوز می مس!'' زارا نے مڑ کر دیکھا وہ وہی شخص تھا جو اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا اس کے رخ موڑنے پر ایمان نے بھی اسے دیکھا اتنی دیر میں وہ قریب پہنچ چکا تھا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں کیا جان سکتا ہوں کہ آپ کس اسکول کی نمائندگی کر رہی تھیں۔'' اس نے پوچھا تو زارا نے خائف نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے نام بتا دیا۔

''The Marvallus Academy''۔

''جبھی آپ کے خیالات بھی اتنے شاندار ہیں۔'' شاہ زیب نے زیر لب کہا، مگر زارا اس کے الفاظ سن لئے۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''کچھ نہیں مجھے شاہ زیب ابراہیم کہتے ہیں میری اپنی ایک چھوٹی سی اکیڈمی ہے جسے اگر آپ جیسے اساتذہ کا ساتھ میسر آ گیا تو وہ یقیناً ایک مکمل اور جامع درس گاہ کی شکل اختیار ضرور کرے گی، کیا آپ میری اکیڈمی جوائن کرنا پسند کریں گی۔'' شاہ زیب نے تعارف کے ساتھ اپنے خیالات بھی اس کے گوش گزار کیے۔

''دماغ ٹھیک ہے آپ کا مسٹر مجھے کیا ضرورت ہے آپ کی اکیڈمی جوائن کرنے کی میں اپنی جاب سے مطمئن ہوں۔'' شاہ زیب کے حسب توقع وہ اس کے الفاظ پہ تپ گئی تھی اور ناگواری اس کی آنکھوں میں صاف نظر آ رہی تھی، ذہانت سے بھرپور کالی سیاہ آنکھوں میں چمکتے کانچ کے ٹکڑوں نے شاہ زیب ابراہیم کو اپنا اسیر کر لیا تھا۔

''مگر اب مطمئن نہیں رہیں گی۔''

''آپ کو کیا الہام ہوتے ہیں۔'' زارا اس کی قیاس آرائی پہ ایک مرتبہ پھر تپ گئی جبھی تیکھے لہجے میں بولی۔

''اسے الہام نہیں اپنی ذات کو خود اعتمادی اور اللہ پہ یقین کہتے ہیں۔'' شاہ زیب نے قدرے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جواب دیا۔

''اٹس او کے مسٹر شاہ زیب ہم آپ کی تجویز پہ ضرور غور کریں گے۔'' ایمان نے معاملہ کو

الجھتے دیکھ کر شاہ زیب کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے وزیٹنگ کارڈ لے لیا جو اس نے زارا کی طرف بڑھایا تھا اور جیسے دیکھنے کے باوجود زارا انجان بن گئی تھی ان دونوں کے جانے کے بعد شاہ زیب نجانے کیوں مسکرا دیا۔

☆☆☆

وہ صبح جس وقت سو کر اٹھی نماز قضا ہو چکی تھی اس نے جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر پہلے قضا نماز ادا کی پھر کپڑے بدل کر بال بنانے کے لئے ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ گئی، بال بناتے وقت اس کا ذہن بے اختیار کل اس اجنبی سے ہونے والی باتوں کی طرف چلا گیا اس کے لہجے کے یقین اور انداز نے زارا کے دل کو ڈگمگا دیا تھا، اسی ڈگمگاتے دل کے ساتھ جب اس کی نظر گھڑی کی سوئیوں پہ گئی تو وہ ذہن سے ہر چیز جھٹک کر کھڑی ہو گئی، وہ جس وقت اسکول پہنچی لڑکیاں اسمبلی کے بعد اپنی کلاسوں میں جا رہی تھیں وہ اسٹاف روم میں پہنچ کر عبایا چینج کر کے اپنے رجسٹرز لے کر باہر نکلی تو سامنے سے آتی ٹیچر سے ٹکراؤ ہو گیا۔

''ارے زارا کیا حال ہیں؟'' اس نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے تم سناؤ، میں تو ٹھیک ہوں مگر میڈم کے کمرے کا مطلع ابر آلود ہے اور انہوں نے فوری پیشی کے آرڈرز جاری کر دیے ہیں تمہارے لئے۔'' ساتھی ٹیچر نے مزاحیہ انداز میں اسے تفصیل بتائی وہ سر ہلاتی پرنسپل کے روم کی طرف بڑھ گئی۔

''مے آئی کم ان میم!'' اس نے پرنسپل سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

''یس کم ان!'' انہوں نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں اندر آنے کی اجازت دی تو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے زارا نے الجھتے ہوئے ان کے طنزیہ انداز کو دیکھا۔

''مس زارا میرے نزدیک میری ٹیچرز سے زیادہ اہم میرے اسکول کی ساکھ ہے۔''

''جی میڈم!'' زارا نے تھوک نگلتے ہوئے ڈگمگاتے دل کے ساتھ ان کے انداز کو دیکھا۔

''اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو سیمینار اٹینڈ کرنے بھیجا گیا تھا نہ کہ اسٹیج پہ جا کر لوگوں سے خیالات کا اظہار کرنے اور اگر آپ چلی گئی تھیں تو کیا ضرورت تھی اقبال کے نظریات اور خلیل جبران کے خیالات بیان کرنے کی۔''

''لیکن میڈم میں......'' زارا نے اپنا پوائنٹ آف ویو واضح کرنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے اشارے سے روک دیا پھر ٹیبل پہ رکھے پیڈ پہ سے صفحہ نکال کر کچھ لکھا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ آپ کا سسپینڈ لیٹر ہے، میں مزید اپنے اسکول کی ساکھ پہ مزید کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی۔'' زارا پھٹی پھٹی نظروں سے ان کے قطعیت بھرے انداز کو دیکھا اور باہر کی طرف خاموشی سے قدم بڑھا دیئے وہ مزید اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''ایک منٹ مس زارا!'' ان کی آواز پر اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

''جانے سے پہلے اکاونٹنٹ سے اپنا حساب کلیئر کروا لیجئے گا۔''

''میں خیرات نہیں لیتی میڈم یہ آپ کو مبارک ہو جو آپ بچوں سے تعلیم کے نام پر وصول کر رہی ہیں۔'' سرعت سے ان کی بات کاٹ کر کہتی وہ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

صبح کا وقت تھا سو آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی سو آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو باہر نکل

جانے دیا اب ارد گرد سے لاپرواہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ چلتی ہوئی بے دھیانی سے بیچ سڑک پہ آ گئی چونکی وہ اس وقت جب گاڑی کے ٹائر چرچرائے، اس نے تیزی سے ہاتھ کی پشت سے بہتے آنسوؤں کو پونچھا اور پیچھے مڑ کر دیکھا وہ وہی تھا جو آکسفورڈ کے سیمینار میں ٹکرایا تھا، زارا کا جی چاہا اسے کھری کھری سنائے اور بتائے کہ تمہاری پیشن گوئی نے آج مجھے اسکول سے نکلوا دیا ہے سو تم خوشیاں مناؤ، مگر اس کی تربیت نے اس بات کی اجازت ہی نہ دی کہ وہ اس شخص پہ چلائے جسے وہ جانتی تک نہ تھی۔

''کسی کی حوصلہ شکنی اور ناقدری سے مایوس ہو کر انمول موتیوں کو ضائع کرنے سے کچھ نہیں ملتا کیونکہ ہیرے کی قدر صرف جوہری کو ہوتی ہے نہ کہ لوہار کو۔'' شاہ زیب نے اس کی گیلی آنکھوں اور بے دھیانی پر چوٹ کی وہ اسے اسکول سے نکلتے دیکھ چکا تھا، زارا نے بغور دیکھا اس کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق تھی گویا وہ اسے بھولا نہیں تھا۔

''ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ہیرے رلنے کے لئے ہوتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہم وہاں نہ ہوتے جہاں کھڑے ہیں۔'' زارا نے در پردہ اپنے ساتھ اس کے اوپر طنز کیا تو وہ خفیف ہو گیا۔

''میری آفر آج بھی برقرار ہے مس، امید ہے آپ ضرور غور کریں گی۔'' شاہ زیب نے دوسرا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اسے دیا اور سیاہ گاگلز آنکھوں پہ چڑھا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا، لمحے بھر میں گاڑی وہاں سے نکل گئی اور وہ اس کے الفاظ پہ حیرت سے اڑتی دھول کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''میں یہ شادی ہرگز نہیں کروں گی۔'' زارا نے ضدی پن سے انکار کیا تو کاشان حیدر خاموشی سے بیٹی کے ہٹیلے پن کو دیکھتے رہے جو بہت نرم خو اور فرمانبردار تھی مگر اسکول کی جاب چھوڑنے کے بعد سے اس کے اندر چڑچڑا پن اور ہٹ دھرمی آ گئی تھی ان کی خاموشی پہ ایمان کو غصہ آ گیا اس نے ایک دھموکا زارا کی کمر پہ جڑ دیا۔

''سوچ سمجھ کر خیر کے کلمات منہ سے نکالا کرو۔''

''آہ ابو جی مجھے اسرائیلی جارحیت سے بچائیں۔'' وہ ایمان کو اپنے مخالف دیکھ کر دہائیاں دیتی اس کے دھموکے سے کرسی سے جان بوجھ کر نیچے گر گئی اس کے انداز اور لفظوں پہ کاشان حیدر کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی ان کی مسکراہٹ دیکھ کر زارا نے ایمان کو شرارت سے آنکھ ماری تو اس کے مسخرے پن سے آنکھ مارنے اور کاشان حیدر کے مسکرانے پہ اپنی بات کو بے اثر ہوتا دیکھ کر جلتی واک آؤٹ ہونے پہ بھنتی کچن کی طرف بڑھ گئی، اس کے پیر پٹخنے پر زارا کی مسکراہٹ قہقہہ میں بدل گئی تھی اتنے میں تھکا ہارا اعظم کمرے میں داخل ہوا تو زارا کی رگ ظرافت ایک بار پھر پھڑک اٹھی۔

''اعظم تم آ گئے؟'' اس کے انجان بن کے سوال پوچھنے پہ حسب توقع اعظم تپ گیا۔

''نہیں ابھی راستے میں ہوں۔'' اس نے جل کر جواب دیا اور سامنے پڑی کرسی پہ بیٹھ گیا جو اس کے بیٹھنے پر اپنی ایک ٹانگ کمزور ہو جانے کے باعث سبحان اللہ کا ورد کرنے لگی تھی مگر وہ غصے میں اس بات پر دھیان ہی نہ دے سکا۔

''تو کیا کرسی پہ اعظم کا بھوت بیٹھا ہے ابو جی۔'' اس نے کاشان حیدر کی طرف دیکھتے

ہوئے شرارت سے آنکھیں پٹپٹائیں، اعظم کی خفگی کے خیال سے انہوں نے زارا کو جواب دینے کی بجائے چہرے کے آگے اخبار کرلیا مبادا کہیں اعظم بھی خفا ہو کے نہ چلا جائے۔

''اچھا اگر کرسی پہ میرا بھوت بیٹھا ہے تو جبھی میں کہوں کمرے میں پچھلے پیری کی موجودگی سے اندھیرا کیوں بڑھ گیا ہے۔'' اعظم نے اس کے سیاہ کپڑوں کے ساتھ گندمی رنگت پہ چوٹ کی۔

''اعظم آئی ویل کل یو۔'' حسب توقع زارا خونخوار بلی کی طرح دونوں ہاتھ پنجوں کی شکل میں لئے اس کے چہرے کی طرف بڑھی اعظم اپنا چہرہ بچانے کے لئے پیچھے کی جانب جھکا تو نتیجتاً سبحان اللہ کا ورد کرتی کرسی سمیت اعظم زمین پہ تھا اب حالت کچھ یوں تھی کہ اعظم کا سر زمین پہ اور ٹانگیں اوپر تھیں زارا جو اس سے بدلہ لینے کے لئے اس کی طرف بڑھی تھی اس کی حالت پہ بے تحاشہ ہنسنے لگی اور اعظم کو غیر متوقع حالت میں دیکھ کر کاشان حیدر کے ساتھ کمرے میں چائے لاتی ایمان بھی اپنی مسکراہٹ نے روک سکی تھی۔

☆☆☆

میں ہوں مغرور لیلیٰ ، چاند کا نور لیلیٰ
پھول سی دلنشین ہوں ، سب کہیں مہ جبیں ہوں
کسی کے ہاتھ نہ آئے گی یہ لیلیٰ

ناخن فائل کرتی زارا اونچے سروں میں گنگنا رہی تھی سامنے ہی ایمان اپنی قمیض سی رہی تھی، کمرے میں داخل ہوتے اعظم نے بغور اسکی گنگناہٹ سنی اور ہاتھوں کی حرکت دیکھی تھی۔

''واقعی صحیح کہا ہے کسی نے تم کسی کے ہاتھ آنے والوں میں سے ہو بھی نہیں جو بھی تمہیں قابو کرنے کی کوشش کرے گا منہ کی کھائے گا بیچارہ۔'' اعظم نے کف افسوس ملتے ہوئے سینٹر ٹیبل لگا پڑا اور کوک صحت مند جسم پہ چوٹ کی ساتھ ہی ایمان کو گلاس اور پلیٹیں لانے کا اشارہ بھی کردیا۔

''تم اعظم تم۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے شہادت کی انگلی اٹھائی گویا اسے طبل جنگ نہ بجانے پر وارن کیا۔

''اوہ ایمان سوسیڈ، سو بیڈ بچاری کی بولتی بند ہو گئی آئی ایم ویری گریٹ اینڈ Soo peraish یار مجھے تو پتا نہیں تھا۔'' شاپر زمیں سے روسٹ اور بڑا نکالتے ہوئے اعظم نے فرضی کالر اکڑا اکرا سے مزید جلایا تو ان دونوں کی نوک جھونک پہ سامنے کھڑی ایمان سے اپنی ہنسی روکنا دشوار ہونے لگا وہ ہنسی ضبط کرنے کے چکر میں سرخ ٹماٹر ہو چکی تھی اور زارا ایمان کی مسکراہٹ دیکھ کر اعظم کا ساتھ دینے پر گویا جلتے توے پہ جا بیٹھی تھی، ایمان ہنسی ضبط کرنے کی شدت میں بے حال ہو رہی تھی اور اعظم فرضی کالر اکڑا کر اسے جس طرح زچ کر رہا تھا وہ سب اس کی برداشت سے باہر تھا، وہ پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی اس کے پیر پٹخ کر ناراض ہو کے جانے پہ ایمان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے قریب تھا کہ وہ تیزی سے اس کے پیچھے جاتی اعظم نے کلائی سے اسے پکڑلیا۔

''مانا کہ وہ تمہیں بہت عزیز ہے مگر میری بہن ناں کبھی یہ محبتیں مجھ غریب کو بھی عنایت کر دیا کرو۔'' اس کے کلائی پکڑنے کے ساتھ اعظم کی لو دیتی نگاہوں نے ایمان کو صحیح معنوں میں چھکے چھڑا دیئے تھے وہ ہراساں نظروں سے کبھی اس کو دیکھتی کبھی سامنے کمرے کی جہاں زارا گئی تھی اس کے ہراساں ہونے پہ اعظم سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

''یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا۔'' اس کی کلائی چھوڑ کر اعظم واپس صوفے پہ ڈھے گیا اور ایمان کسی ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی کمرے کی طرف گئی اور اعظم جانتا تھا جب تک وہ زارا کو منا نہیں لے گی ایک لقمہ منہ میں نہیں رکھے گی سو اس نے آرام سے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

دونوں کا بی اے کمپلیٹ ہو چکا تھا اور بقول اعظم کے بی اے کے فوراً بعد ان دونوں کا بیاہ ہو جانا چاہیے، بھائی آنکھوں میں لو دیتی ایمان کی محبت زارا سے چھپی نہ تھی یہی وجہ تھی کہ بی اے کے فائنل میں ہی اس نے نہایت شور مچا کر کاشان حیدر کو اعظم اور ایمان کی منگنی پر رضامند کرلیا تھا اور اب ان دونوں کا بی اے بھی کمپلیٹ ہو چکا تھا، جبھی کاشان حیدر کے ایک اسٹوڈنٹ کا زارا کے لئے پرپوزل آیا، انہوں نے شاہ زیب ابراہیم کا پرپوزل بنا کسی تردد کے قبول کرلیا تھا کیونکہ وہ ان کے کالج کے انتہائی بریلینٹ اسٹوڈنٹ ہونے کے علاوہ اپنی فرمانبرداری کی وجہ سے پوری اسٹاف کا بھی منظور نظر تھا اور شاہ زیب کا پرپوزل ان کی نظر میں زارا کے لئے خوش قسمتی کا شاخسانہ تھا وہ چاہتے تھے کہ اس کا نصیب بھی کسی اہل علم سے ہی جڑے، خدا نے ان کی دعا قبول کرلی تھی۔

شاہ زیب کی اپنی چھوٹی سی اکیڈمی تھی جس کا کاشان حیدر کو یقین تھا وہ اپنی محنت و ذہانت اور قابلیت کے بل بوتے پر ایک ہائی اسکول میں تبدیل کرلے گا مگر۔

وہ زارا ہی کیا جو کسی کے ہاتھ آجائے جس شاہ زیب کے گھر والوں کو آنا تھا اس دن اس نے بھوک ہڑتال کردی مگر جب کاشان حیدر نے ان کے ہاتھ شاہ زیب کی تصویر بھیجی تو وہ دیر دیکھ کر چونک گئی، اس پہلی ملاقات کا تاثر یاد کرنے کے علاوہ اس نے کاشان حیدر کا اسٹوڈنٹ ہونے کے ناطے پرپوزل او کے کردیا تھا، وہ باپ کی رضامندی اور بھائی آنکھوں میں شاہ زیب ابراہیم کے لئے پسندیدگی دیکھ چکی تھی۔

ایمان بھی اسے پہلی مرتبہ گھر میں دیکھ کر پہچان چکی تھی اسے وہ پرخلوص شخص بہت پسند آیا تھا اور اب زارا کے حوالے سے تو اس کی پسندیدگی بھی بڑھ چکی تھی سو اس نے بھی تصویر دیکھتے ہی پرپوزل او کے کردیا تھا اور اس کے پرپوزل او کے کرنے کے بعد شاہ زیب ابراہیم کی خواہش پہ ان دونوں کا نکاح سادگی سے کردیا گیا، نکاح شاہ زیب کی خواہش تھی وہ زارا کے تمام جملہ حقوق اپنے نام کروا کے مضبوطی لانا چاہتا تھا اور سادگی زارا کی خواہش تھی وہ صرف کہنے کی حد تک نہیں بلکہ عملاً مسلمان کہلوانا چاہتی تھی سو زارا کی ایماء پر چند لوگوں کی موجودگی میں ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا گیا تھا۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا اور زارا خلاف معمول فجر کی نماز کے لئے اٹھ گئی تھی، نماز پڑھ کر اس نے قرآن پاک پڑھا اور دعا مانگ کر باہر آگئی، ایمان کی طبیعت کل رات سے خراب تھی سو وہ اس وقت دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی، کمرے سے باہر آئی تو پورا گھر سناٹے اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، کاشان حیدر اور اعظم رات کسی شادی میں شرکت کر کے دیر سے آئے تھے سو اس وقت وہ لوگ سو رہے تھے زارا نے لاؤنج کی لائٹ جلائی اور تھکے تھکے قدموں سے لاؤنج کے کونے میں رکھی ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ گئی ذہن کی پرواز بلا ارادہ ہی شاہ زیب ابراہیم کی طرف چلا گیا، جو کل تک اس کے لئے ایک اجنبی تھا مگر وہ کالی سیاہ آنکھیں

جنہیں دیکھ کر اس کا دل ڈگمگایا تھا آج بے اختیار ان کالی سیاہ آنکھوں کو سوچ کر دل نے اعتراف کر ڈالا تھا کہ شاہ زیب ابراہیم اب صرف اس کا شوہر اور محرم راز ہی نہیں بلکہ اس کے دل کا مکین بن چکا ہے اس کی سیاہ آنکھوں نے اپنے طلسم سے زارا کو جکڑ لیا تھا کیونکہ ”محبت تو ایسا طلسم کدہ ہے جس میں اگر انسان پھنس جائے تو پھر ساری زندگی رہائی کے لئے تڑپتا ہے مگر زارا کی محبت بھی عجیب تھی، وہ سوچ رہی تھی شہر دل کے موسم بھی عجیب ہوتے ہیں کبھی تو برسوں نہیں بدلتے اور کبھی لمحوں میں دل کی دنیا بدل دیتے ہیں محبت ایسی ہی ہوتی ہے امبر کی طرح دل پہ چھا جاتی ہے جس طرح شاہ زیب ابراہیم کی محبت زارا حیدر کے پورے وجود سے چھا گئی تھی۔“

☆☆☆

ایمان کی صحت یابی کے بعد زارا کے اصرار اور اعظم کی خواہش پر ایمان اور اعظم کی شادی طے کر دی گئی تھی، وہ ایمان اور اعظم کی شادی میں دل بھر کے خوش ہونا چاہتی تھی کیونکہ اعظم اگر اکلوتا بھائی تھا تو ایمان اکلوتی بہن اور اکلوتی دوست بھی تھی، سو اس کی ایماء پر پہلے اعظم کی شادی رکھ دی گئی تھی ورنہ کاشان حیدر کا ارادہ اعظم کے ولیمے والے دن اسے بھی رخصت کرنے کا تھا، گھر میں خوب ہنگامہ برپا تھا زارا تو ویسے ہی ہلے گلے کی شوقین تھی، افراتفری میں بری اور جہیز کی تیاریاں ہو رہی تھی، کاشان حیدر نے ایمان کو ایک باپ کی طرح اس کی خوشیوں کا خیال کیا تھا تا کہ وہ زندگی کے اس نازک موقع پر باپ کی کمی محسوس نہ کرے سو زارا اس کے جہیز کے ساتھ اس کی بری بھی تیار کر رہی تھی جو اعظم نے اس کے سر اپنی پسند سے بناؤ کہہ کر ڈال دی تھی، کاشان حیدر کے حکم پر اس کے جہیز میں سوئیوں سے لے کر کراکری اور فرنیچر تک میں اعلیٰ سے اعلیٰ جہیز کا انتظام کیا گیا تھا، باوجود اس کے ایمان نے ہر چیز خریدنے سے منع کر دیا تھا مگر کاشان حیدر نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی وہ دنیا کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے، ان کے انکار اور بے حساب محبت پر ایمان سوائے رونے کے اور کچھ نہیں کر رہی تھی۔

زارا نے اپنے کزن کو بلا کر دس دن پہلے ہی ڈھولک رکھوالی تھی اب حال کچھ یوں تھا کہ زارا بیگم دن بھر بازاروں کے چکر لگاتیں رات کو نت نئے گانوں کی تانیں لگتیں نتیجہ یہ ہوا کہ مہندی والے دن نہ صرف اس کی آواز بیٹھ چکی تھی بلکہ ہلکا ہلکا بخار بھی شروع ہو گیا تھا مگر وہاں فکر کسے تھی ایمان کو مایوں بٹھا دیا گیا تھا اور اب اس کا اعظم سے باقاعدہ پردہ شروع ہو گیا تھا، اعظم اس رسم پہ بہت تلملایا مگر کاشان حیدر کے حکم پر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ دو دن بعد تو وہ پوری اس کی ہو گی مہندی کا فنکشن گھر کے لان میں ہی کیا جا رہا تھا، سبز رنگ کی فٹنگ والی لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں وہ تمام ہتھیاروں سے لیس ہو کر ایمان کے پاس آئی تو ایک لمحے کو تو ایمان بھی ٹھٹھک گئی، ہر پل سادہ رہنے والی زارا حیدر اس پل پہچانی نہیں جا رہی تھی، ایمان نے شرارتی انداز میں گھوم پھر کر زارا کا خوب جائزہ لیا تو وہ کنفیوژ ہو گئی۔

”خیر ہے تمام ہتھیاروں سے لیس ہو کر کس کو چاروں شانے چت کرنے کا ارادہ ہے، اچھا! شاہ زیب ابراہیم کو چت کرنا چاہتی ہو۔“

”وہ تو ویسے ہی گھٹنے ٹیک چکا ہے تمہاری محبت میں۔“ ایمان نے شرارت سے پھر آنکھیں گھمائیں۔

”تم۔“ زارا نے دانت کچکچائے تو ایمان اس بار اس کی آواز پہ غور کر کے منہ سے آواز کے بجائے گڑگڑاہٹ نکلنے پر ہنسنے لگی۔

”ویسے زارا سچ کہہ رہی ہوں آج تم بالکل بھی مت بولنا ورنہ تمہارا سارا امپریشن اور خوبصورتی بیکار ہو جائے گی۔“ ایمان نے اسے ڈرانا چاہا۔

”زیادہ ٹرٹر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کل تمہاری شادی ہے اور منہ تمہارا بند ہونا چاہیے اتنی منہ پھٹ دلہن پہلی بار دیکھی ہے۔“ اسے ایکدم کچھ دیا آیا تو ٹیبل پہ گجرے اٹھا کر اسے تھمائے۔

”پکڑو اسے اعظم نے زور ڈالا ہوا تھا، زارا سب کے لئے گجرے آ گئے ایمان کے لئے تو آئے نہیں۔“ اس نے اعظم کے انداز میں کہہ کر نقل اتاری تو ایمان کی ہنسی نکل گئی۔

”بطور خاص جا کر موصوف لے کر آئے ہیں شادی ہوئی نہیں ابھی اور ابھی سے اشاروں پہ ناچ رہا ہے بعد کا تو خدا ہی حافظ ہے۔“ زارا نے لڑاکا نندوں کے انداز میں ہاتھ چلا کر ایمان کو جلانا چاہا مگر وہ اسکی اور اعظم کی محبتوں سے آگاہ تھی سو مسکراتی رہی۔

”پلیز زارا آئی ریکوسٹ یو مت بولو ایسا لگ رہا ہے آثار قدیمہ سے کوئی موٹر سائیکل نکل کے چل رہی ہے یا پھر کسی غار میں بہت سارے پتھر لڑھک رہے ہیں۔“ ایمان کے دوبارہ تنبیہ کرنے پر زارا نے اسے ایک تھپڑ رسید کیا اور خود باہر کی طرف بڑھ گئی اور پھر پوری مہندی میں ایمان کی ہدایت کے پیش نظر اسے خاموش رہنا پڑا وہ جب بھی بولنے کی کوشش کرتی اول تو آواز حلق میں پھنس کر رہ جاتی اور کبھی جو اتفاق سے وہ بولنے میں کامیاب ہو جاتی تو سامنے والا اس کے آگے ہاتھ جوڑتا کہ وہ خاموش ہی رہے کیونکہ جس طرح خاموشی میں ہی کائنات کا سارا حسن ہوتا ہے اسی طرح زارا حیدر کا حسن بھی اس وقت اس کی خاموشی میں ہے۔

اسٹیج پر اعظم کے ساتھ شاہ زیب ابراہیم کو بیٹھا دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے رک گئی، مبادا کہیں اس کی پھٹی ہوئی آواز اسے شرمندہ ہی نہ کروا دے، اسے اسٹیج کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھتے ہی اس سوچ نے اسے واپس پلٹنے پہ مجبور کر دیا اور ایمان کی طرف جاتے ہوئے جو وہ یہ سوچ رہی تھی کہ شکر ہے وہ شاہ زیب ابراہیم کی نظروں میں آنے سے بچ گئی تو یہ اس کی غلط فہمی تھی کیونکہ شاہ زیب اسے دیکھ چکا تھا اور وہ اسے پورے فنکشن میں خاموش رہنے اور پھر اسٹیج سے واپس پلٹ جانے پہ حیران تھا۔

☆☆☆

بارات والے دن سرخ رنگ کی پشواز کے ساتھ سلور چوڑی دار پاجامے میں اس کی گندمی رنگت خوب دمک رہی تھی آدھی آستین کے ساتھ کلائی میں ڈھیروں سرخ اور سلور چوڑیاں ڈالے وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی اس وقت استقبالیے میں وہ اپنی کزنز کے ساتھ آنے والے مہمانوں کو ویلکم کہنے کے لئے کھڑی تھی، جبھی نیلے رنگ کی ساڑھی میں سیاہ گھنے بالوں کا جوڑا بنائے ایک گریس فل سی خاتون شاہ زیب کے ساتھ اندر داخل ہوئیں تو وہ انہیں دیکھتے ہی پہچان گئی وہ مسز ابراہیم تھیں، اس کے قریب کھڑی کزن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”واہ اتنا ہی گریس فل ہونا چاہیے کیا خیال ہے زارا!“ توصیفی انداز میں انہیں سراہنے کے بعد اس نے زارا کو ٹہوکا مار کر تائید مانگی تو وہ مسکرا بھی نہ سکی، وہ جو ان کے گریس میں منہمک تھی ان کے قریب آنے اور شاہ زیب کی سرگوشی کرنے پر یکدم بوکھلا گئی اب پھٹی ہوئی سائلنسر کے بغیر والی

آواز سے سلام کرنا بھی مشکل تھا سو اشارہ سے سلام کر دیا انہوں نے سلام کا جواب نہایت محبت سے دے کر اس کی پیشانی چومی تو ممتا کا گہرا لمس اس کے اندر تک سرائیت کر گیا وہ پسندیدگی سے ان کے سراپے کو دیکھنے لگی جبکہ وہ باقی لڑکیوں سے سلام دعا کرنے کے لئے آگے بڑھ گئی تھیں، شاہ زیب نے بغور اسے دیکھا اس پل زارا کی آنکھوں میں چھپی تشنگی شاہ زیب ابراہیم سے چھپی نہ رہ سکی تھی، جبھی شاہ زیب کے بغور دیکھنے پر زارا نے آنکھوں میں امڈتی نمی کو چھپانے کے لئے رخ موڑ لیا۔

نکاح ہو چکا تھا، ہر طرف مبارک سلامت کا شور تھا اعظم ہر کسی سے مبارکباد وصول کر رہا تھا، جبھی اسے کونے میں کھڑی زارا نظر آئی جو آنکھوں سے بہتے آنسوؤں سے بے پرواہ اسے ہی دیکھ رہی تھی، نکاح کے وقت جہاں اسے ماں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی وہیں ماں جائی کے پرایا ہونے کا سوچ کر آنسو جھر جھر بہہ رہے تھے گو کہ ایمان اس کی سگی بہنوں سے بڑھ کر دوست اور کزن تھی مگر دل آج کسی بھی شواہد کو قبول نہیں کر رہا تھا وہ یک ٹک اسٹیج پہ مبارکباد وصول کرنے اعظم اور دلہن بنی ایمان کو دیکھ رہی تھی اس کے اس طرح حسرت سے دیکھنے پر اعظم تیزی سے اسٹیج سے اتر کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

"زارا کیا ہوا ہے؟" اعظم نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے اس کا رخ اپنی طرف موڑا تو وہ خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی، یکدم نجانے اسے کیا ہوا وہ اعظم کے شانے پہ سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اعظم اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا، اس نے تحفظ کا مان سونپنے کے لئے اسے ننھی بچی کی طرح بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا، ماں کی کمی اس پل اسے بھی بہت شدت سے محسوس ہو رہی تھی مگر وہ مرد تھا سو ضبط کر گیا لیکن زارا اس پل ماں کی جدائی کے کڑے مراحل سے گزرنے کی کوشش کر رہی تھی حالانکہ اس نے ماں کو صرف تصویروں کی حد تک دیکھا تھا لیکن مسز ابراہیم کے ممتا بھرے لمس نے اس کے وجود کی عمارت کو اپنی محبت سے کمزور کر دیا تھا، زارا کے اس طرح رونے پر کاشان حیدر کے ساتھ مسز ابراہیم بھی شاہ زیب کے ساتھ ادھر آ گئیں، ان لوگوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ جلدی جلدی آنسو صاف کرنے لگی ان لوگوں کے قریب آنے پر اعظم اسے چیئر اپ ہونے کا اشارہ دے کر اسٹیج کی طرف بڑھ گیا جہاں صوفے پر بیٹھی ایمان، زارا کو روتے اور سب کو وہاں یکجا دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

"ارے زارا بیٹا آپ کیوں رو رہی ہیں؟" انہوں نے اسے بغور دیکھا تو آنکھوں میں ٹھہرے آنسو اور گلابی ہوتے ڈوروں نے اس کا بھید کھول دیا۔

"کاشان صاحب میرا تو خیال ہے آج اعظم کے ساتھ میں اپنی بیٹی کو بھی رخصت کروا لیتی ہوں کیا خیال ہے۔" مسز ابراہیم نے زارا کو دیکھ کر بیٹے کی آنکھوں میں مچلتے جذبوں کو زبان دی تو شاہ زیب ماں کے لفظوں پہ یکدم خفت زدہ ہو گیا اور کاشان حیدر ان کے لفظوں پہ یکدم بوکھلا گئے۔

"ارے مسز ابراہیم آپ تو ہتھیلی پہ سرسوں جما رہی ہیں سب کچھ انشاء اللہ اپنے وقت پر ہی ہو گا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ زارا کو اس وقت بھنک بھی پڑے کہ وہ مسز ابراہیم کو رخصتی کی تاریخ دے چکے ہیں، ویسے بھی شاہ زیب مجھے اعظم کی طرح ہی عزیز ہے سو اس لئے بے فکر رہے زارا

آپ ہی کی بیٹی ہے۔"
"میں فالتو ہوں ناں جو آج بابا اپنی بیٹی ماننے سے بھی انکاری ہیں۔" اس کا دل کرلایا مگر خاموشی بھی مجبوری تھی۔
"کاشان صاحب ویسے ایک بات تو آپ کو آج تسلیم کرنی پڑے گی۔" انہوں نے پراسرار طریقے سے کہا تو کاشان حیدر نے اچنبھے انداز میں انہیں دیکھا۔
"میری بیٹی ماشاء اللہ بہت شرمیلی اور کم گو ہے ورنہ آج کل کی لڑکیاں کتنا پٹر پٹر بولتی ہیں۔" انہوں نے توصیفی انداز میں کہا تو جہاں کاشان حیدر حیرت سے اسے دیکھنے لگے وہیں شاہ زیب ابراہیم اپنی بے ساختہ مسکراہٹ نہ روک سکا کیونکہ مسز ابراہیم اگر اسے کم گو سمجھی تھیں تو کیا ہوا کاشان حیدر تو آشنا تھے اپنی بیٹی کی کم گوئی سے بھی اور کم خوئی سے بھی۔
"بیٹا آپ کو اس رشتے پہ کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں۔" نہ جانے کس خیال کے تحت انہوں نے سوالیہ انداز میں جھک کر اس سے پوچھا مگر ان کے سوال پر کاشان حیدر کا دل دھڑکنا بھول گیا کیونکہ وہ اپنی بیٹی کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔
"جی نہیں......" وہ چیخ چیخ کر کہنا چاہتی تھی کہ وہ نہ کم گو ہے اور نہ شرمیلی اور یہ کہ وہ اپنے باپ بھائی کی محبتوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتی مگر ہائے آواز جو عین وقت پر دغا دے گئے تھے اور مسز ابراہیم اس کے منہ سے نکلے "جی" پر ہی نہال ہوگئی تھیں سو خوشی خوشی اسٹیج پہ بیٹھے اعظم اور ایمان کو خوشخبری سنانے چل دیں اس نے خاموش کھڑے اپنے باپ کو دیکھا جو بیٹی کی عادتوں سے آگاہ تھے، کاشان حیدر بے شک اس کے باپ تھے مگر ساری زندگی انہوں نے اپنی اولاد سے دوستانہ رویہ رکھا کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا، اس کے منہ سے نکلنے والے حرف کو حرف آخری سمجھا جاتا تھا، پھر اسے کیا حق تھا کہ وہ اپنے محبت کرنے والے باپ کو اپنی ذات سے دکھ دیتی بھی سوان کا مان رکھ کر اس نے شاہ زیب ابراہیم کو قبول کرلیا تھا اور پھر جب کوئی اتنی چاہ سے آپ کو مانگے تو انکار کفران نعمت کہلاتا ہے اور وہ مسز ابراہیم و شاہ زیب ابراہیم کی محبتوں سے منہ موڑ کر کفران نعمت نہیں کرنا چاہتی تھی سو انہیں رضامندی سونپ کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

☆☆☆

شادی کے ہنگامے سرد پڑ چکے تھے، مگر کاشان ہاؤس کے مکینوں کی محبت جوں کی توں تھی، ایمان کی طرف سے اس کے خدشات بے جا ثابت ہوئے تھے اس وقت بھی وہ اپنی سوچ پہ شرمندہ شام کی چائے کے ساتھ پکوڑے اور فرنچ فرائز بنا رہی تھی، ایمان اپنے کمرے میں تھی، کاشان حیدر کے ہدایت کے پیش نظر اب وہ روزانہ شام کو اعظم کے آفس سے آنے سے قبل تیار ہو کر باہر آتی تھی وہ ہر وقت سادہ رہتی تھی مگر کاشان حیدر کا خیال تھا کہ نئی شادی شدہ لڑکیوں کی طرح وہ ہر وقت نہیں تو کم از کم شام میں ضرور تیار ہو جایا کرے کیونکہ ملنے ملانے والوں کا سلسلہ تا حال جاری تھا زارا نے تھرماس میں چائے ڈالی اور ٹرے میں تمام لوازمات رکھ کر کچن سے باہر نکل کر ایمان کو آواز دیتی لان کی طرف بڑھ گئی جہاں حسب معمول کاشان حیدر صبح کا اخبار اس وقت پڑھ رہے تھے چونکہ صبح کالج اور پھر دوپہر میں واپسی پر کھانے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ کچھ دیر کے لئے قیلولہ کرتے سو صبح کا اخبار اس وقت پڑھا جاتا تھا۔

"السلام علیکم بابا جان!" کاشان حیدر کو سلام کرتی وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھوڑی دیر بعد گاڑی کا ہارن بجنے پر وہ گیٹ کھول کر ایمان کو بلانے اندر کی طرف بڑھ گئی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کاشان حیدر کو لان میں بیٹھا دیکھ کر وہ سیدھا لان میں ہی آئے گا کچھ باپ سے شرم مانع تھی پھر باپ کی محبت کو مقدم جانتے ہوئے وہ سیدھا کاشان حیدر کی طرف ہی بڑھا تھا، اعظم کی اس فرمانبرداری اور محبت پر جہاں کاشان حیدر کے دل میں پھول کھل اٹھتے وہیں شریک حیات کی کمی ان کی آنکھیں نم کر دیتی، زارا جس وقت کمرے میں داخل ہوئی ایمان لپ اسٹک کو آخری ٹچ دے رہی تھی، سرخ رنگ کے کڑھائی والے سوٹ میں کلائی میں ڈھیروں چوڑیاں ڈالے وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی، اس کو دیکھ کر زارا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
"ماشاء اللہ کتنی خوبصورت لگ رہی ہو ایمان تم۔" زارا اس کے قریب آئی تو ایمان کھلکھلا کے ہنس دی یہ سچ تھا کہ وہ خوبصورت تھی مگر اعظم کی محبتوں نے حسین تر بنا دیا تھا۔
"کیا مطلب لگ رہی ہو مابدولت ہیں ہی خوبصورت۔" اس نے فرضی کالر اکڑائے۔
"ہنہ منہ دھو رکھو یہ تو میرے بھائی کی محبتوں کا اعجاز ہے جو تم اتنی حسین ہوگئی ہو۔" زارا نے اسے چھیڑا۔
"کیوں تمہارا بھائی کیا پرنس آف ویلز ہے۔" ایمان نے مصنوعیت سے ناک چڑھائی تو ایمان کے ناک چڑھانے پہ زارا کی ہنسی نکل گئی۔
"زارا ایمان کہاں ہو بھئی تم دونوں حد ہوتی ہے انتظار کی، یہاں بھوک سے میرا برا حال ہے اور تم لوگوں کو باتوں سے ہی فرصت نہیں ہے۔"

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

اعظم جھنجھلاتے ہوئے بولتا کمرے میں آیا تو ایمان کو دیکھ کر اس کے قدم تھم گئے بلاشبہ وہ اس وقت کسی کا بھی ایمان لوٹ سکتی تھی اپنے حسن سے، اس کے ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے پر زارا نے مصنوعی کھانسنا شروع کی تو یکدم بہن کے سامنے اپنی بے اختیاری پہ جھینپ گیا اور ایمان کا تو مارے شرم کے برا حال تھا اس کے جھینپنے پر زارا داخلی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''میرے خیال سے پکوڑے ٹھنڈے ہو کر اب شہادت کے درجے پہ فائز ہو چکے ہیں چلو خیر ہے ویسے بھی لوگ تو یہاں پہلی نظر میں ہی گھائل ہو گئے تھے۔'' شرارت سے کہتی وہ جھپاک سے باہر نکل گئی اور اس کے باہر نکلنے کے چند سیکنڈ بعد ہی ایمان اور اعظم بھی باہر آ گئے۔

☆☆☆

The Marvallus Academy

اب اکیڈمی سے بڑھ کر ہائی اسکول میں تبدیل ہو گئی تھی، شاہ زیب ابراہیم اس کے خیالات اور خواہشات سے آگاہ تھا اسے زارا کے الفاظ آج بھی یاد تھے مگر اس نے ظاہر نہیں کیا وہ اس نازک سی لڑکی کے خیالات کو سن کر بہت خوش تھا کیونکہ وہ اس کی ہمنوا تھی اور اس کی ہمراہی میں شاہ زیب کو اپنا خواب شرمندہ تعبیر ہونا ممکن لگ رہا تھا جبھی اس نے زارا کے جملہ حقوق اپنے نام کروا لیے تھے، اس نے اپنی اکیڈمی میں کام کروانے کے ساتھ اکیڈمی کو ہائی اسکول کے درجہ دینے کی کوشش شروع کر دی تھی، وہ زارا کا ممنون تھا کہ اس نے شاہ زیب ابراہیم کی چھوٹی سی اکیڈمی کو اسکول میں بدلنے کے لئے صرف اپنے الفاظ سے شاہ زیب ابراہیم کو اپنا اسیر کر لیا تھا، آج زارا حیدر کی بدولت شاہ زیب ابراہیم کا خواب پورا ہوا تھا مگر وہ انجان بھی۔

عمارت کی تعمیر اور اسکول کا فرنیچر تقریباً مکمل ہو چکا تھا، سو شاہ زیب ابراہیم کی خواہش پر زارا حیدر سادگی سے زارا ابراہیم بن گئی، دلہن بنی زارا جہاں من پسند شخص کی ہمراہی پا کر خوش تھی وہیں باپ سے جدائی محسوس کر کے ایک دم پھر نم ہونے لگیں، دروازے پہ کھٹکے کی آواز پر اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلا اور اپنے آپ کو کمپوز کر کے بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم!'' شاہ زیب نے قریب آ کے سلام کیا، زارا نے جھکے سر کے ساتھ زیر لب جواب دے دیا۔

''آئی کانٹ بلیو اٹ یار تم وہی زارا ہو ناں جو سیمینار میں اپنے دھواں دار خیالات کا اظہار کر کے مجھ مسکین پہ بھی برس پڑی تھی پھر آج یہ خاموشی چہ معنی دارد۔'' شاہ زیب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''زارا کچھ تو بولو۔'' شاہ زیب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا میری ہمراہی پسند نہیں آئی۔'' تو زارا نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو مسز شاہ زیب ابراہیم آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔'' شاہ زیب نے اسے چھیڑا تو وہ یکدم گھبرا گئی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا مجھے آپ کی ہمراہی قبول تھی جبھی تو آج آپ کے سامنے ہوں۔'' شاہ زیب اس کے گھبرانے پہ مسکرا کر رہ گیا۔

''تو پھر اس ہمراہی کی خوشی میں یہ قبول فرمایئے۔'' شاہ زیب نے آگے بڑھ کر سائیڈ دراز سے میرون کلر کی فائل نکالی اور اس کی گود میں رکھ دی۔

''یہ کیا ہے اور آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔'' زارا نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

''یہ تمہارے خیالات اور میرے خواب ہیں جنہیں ہم دونوں نے مل کر شرمندہ تعبیر کرنا ہے۔'' اس کے مبہم الفاظ پہ زارا نے فائل کھولی تو کاغذات اس کی گود میں آ گرے وہ اس کی اکیڈمی کے وہ پیپرز تھے جنہیں ہائی اسکول میں بدلنے کے بعد زارا کے نام کر چکا تھا، ایڈمنسٹریٹر کے خانے میں زارا ابراہیم لکھا دیکھ کر اس کی آنکھیں چھلک گئیں، اس نے بھیگی آنکھوں سے شاہ زیب ابراہیم کو دیکھا کتنا پیارا شخص عطا کیا تھا خدا نے جو نہ صرف اس کا محبوب تھا بلکہ اس کے خوابوں کا وہ خاموش امین تھا اور آج خوشی کے اس موقعہ پر اس نے وہ امانت زارا ابراہیم کو دی تھی جو ایک خواب کی صورت اس کے دل سے بندھی تھی اور خوابوں کی یہ ڈوری اس کے باپ اور بہن جیسی دوست سے بھی چھپی تھی مگر اس کے لفظوں کے خوابوں کا بھید شاہ زیب ابراہیم کے سامنے کھول دیا تھا، جو آج تعبیر کی شکل میں اس کے سامنے تھا، شاہ زیب نے اس کے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''زارا ہمیں ان پودوں کی بنیاد رکھنی ہے جو بڑے ہو کر آج کا صلاح الدین ایوبی کہلائے اور نئی نسل کے لئے قائد کے ان تمام اصولوں کو اجاگر کرنا ہے جن پر عمل کر کے وہ نہ صرف پوری دنیا میں کامیاب ہوئے بلکہ ہمارا وطن بھی سازشی کافروں سے واپس دلوا دیا، آج ہماری سرزمین کو ضرورت ہے جناح کی و صلاح الدین ایوبی کی، محمد بن قاسم کی اور عامر چیمہ جیسے لوگوں کی ہمیں ایسی نسل کی بنیاد رکھنی ہے جو دین اور دنیا دونوں لحاظ سے کامیاب ہوں، جو صرف دنیا کا نہ ہو جسے مونیکا اور مونٹانا تو یاد ہوں مگر غازی علم دین، جامعہ حفصہ کی غیور طالبات اور خلفائے راشدین جیسے عظیم حکمران یاد نہ ہوں، آج ہم بیج بوئیں گے تو کل پھل کھا سکیں گے اگر ہم نے اب بھی اخلاص و امن اور محبت کا بیج نہ بویا تو جو زہر فحاشی اور جہاد سے دوری کا زہر کفار اور مشرکین ہماری نسل کی رگوں میں اتار رہے ہیں وہ کل کو لاعلاج بن چکا ہو گا اور پھر کہیں ہماری داستان بھی نہ ہو گی داستانوں میں، آج قدم بڑھائیں گے تو کل قافلہ چل پڑیگا مجھے یقین ہے تم میری ہم قدم ہو بس قدم کی بنیاد رکھنی شرط ہے۔'' شاہ زیب کے خیالات سن کر اس کے بہتے آنسوؤں میں روانی آ گئی اس کے خیالات تو زارا کے خیالات سے بھی زیادہ بلند اور عظیم تر تھے، اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ جھک کر بوسہ دیا اور بیڈ سے اترنے لگیں شاہ زیب نے حیرت سے اسے دیکھا اس کی پیش قدمی پہ شاہ زیب کی آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی زارا نے بیڈ سے اتر کر اسے سلیوٹ کیا تو شاہ زیب جہاں کا تہاں رہ گیا اسے سلیوٹ کرتا دیکھ کر وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکا تھا اپنے لئے یہ عظمت و احترام اس کے دل اور حرکتوں سے ظاہر ہوتا دیکھ کر اس نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اس کے بازوؤں میں سمٹ کر زارا بے پایاں خوشی کے زیر اثر ہچکیوں سے رو دی ان دونوں کے خیالات اور محبت دیکھنے اور سننے کے بعد کھڑکی کے پار مسکراتا چاند ان کے ملن اور ثابت قدمی کی دعا دے کر سرمئی بادلوں میں چھپ گیا۔

☆☆☆

دستک صبح امید کا

فوزیہ غزل

پچھلی قسط کا خلاصہ

گوتم کی تعلیمات و عقائد اور بدھ مت کے رسم و رواج کا مطالعہ کرتی ماریا اسے اپنانے کی تگ و دو میں بدھ مرکز جانے لگتی ہے، تو گوتم کے دھیان گیان اور موجودہ بدھ ازم کے رسم و رواج اس میں واضح تفاوت اسے تکلیف دیتی ہے۔

رضا مند نہ ہونے کے باوجود محض والدین کی عزت و مان کے لئے سنعیہ بحالت مجبوری شادی پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

وہاج کے انکار سے ٹوٹی بکھری اریبہ کو طیبہ حوصلہ ہمت دینے کے ساتھ ایک گھر میں بطور ٹیوٹر جاب کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔

بدھ مت سے مایوسی کے باوجود ماریا پر امید ہے کہ اسے سیدھا اور سچا راستہ ضرور ملے گا اسی امید کے ساتھ وہ انڈیا ٹوئر پر تیار ہو جاتی ہے۔

سنعیہ، شہریار کو جتا دیتی ہے کہ یہ صرف مجبوری و مصلحت کا سودا ہے، وہ خود کو کسی خوش فہمی کا شکار ہونے سے باز رکھے۔

وہاج اپنی پروموشن کی خبر اریبہ کو دینے آتا ہے تو اسے کسی غیر مرد کی گاڑی سے اترتے دیکھ کر تحیر و تعجب اور شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

بائیسویں قسط

وقت ہوتا کہ میرا بخت عناں گیر سو ہے
تجھ سے ملنے میں یونہی تاخیر ہوئی تھی سو ہے
میں ستاروں کی سفارش بھی اگر لے آتی
یہی لکھی تھی میرے خوابوں کی تعبیر سو ہے

یہ نہیں تھا کہ وہ بڑے خوابوں، خیالوں میں رہنے والی لڑکی تھی یا بہت آئیڈیلسٹک فیلنگز رکھتی تھی، مگر پھر بھی تھی تو آخر ایک لڑکی اور ہر لڑکی خواہ وہ کسی طبقے سے ہو اندر سے ایک عورت ہوتی ہے عام عورت جو بقول پروین شاکر یہی سوچتی ہے۔

عام سی لڑکی ہوں عام سی سوچیں ہیں
اک گھر ہو، دریچہ ہو، پھول سا بچہ ہو

بہت زیادہ نہ سہی کچھ تو وہ بھی سوچا کرتی تھی اپنے میرڈ لائف پیریڈ لائف پارٹنر کے لئے اور اس سوچ میں شہریار کا گزر یقیناً کہیں نہ تھا یہ تعلق رشتہ سب عجیب تھے اور اس سے بھی عجیب تر اس کے رویے وہ ڈیٹ فکس ہونے سے پہلے جتنی تلخ مزاج ہوتی تھی، خفگی کے موڈ میں رہتی تھی بعد میں قطعاً سنجیدہ بلکہ فارمل بہت حد تک نارمل دکھتی ہلکے پھلکے انداز میں ہنستی بولتی چلتی پھرتی مگر اس سب میں اک کمی دکھتی اس کی آنکھیں ہزار ہنسنے کی کوشش کے باوجود ساتھ نہ دیتیں چہرے پر اک گہری خاموشی ہر وقت غالب رہتی ان میں اور اس سکوت کا سبب کیا تھا، شائستہ بے طرح پریشان تھیں۔

''کہیں ایسا نہ ہو کل کو یہ فیصلہ پچھتاوے کا سبب بن جائے۔'' یہ سوچتے ہوئے وہ شہریار سے اپنی پریشانی شیئر کرنے لگیں۔

''اس کی خاموشی بے معنی نہیں ہے شہریار میری بیٹی ہے وہ میں جانتی ہوں اس کے اندر کیسے جوار بھاٹے اٹھ رہے ہوں گے، وہ اپنی شکست اتنی آسانی سے کبھی تسلیم نہیں کرتی دیکھو بیٹا تمہیں بھی اولاد سے بڑھ کر چاہا اور محبت سے پالا ہے اور ہم سعیہ سے زیادہ تمہاری بہتری کے خیر خواہ ہیں، ایسے حالات میں جبکہ وہ تم سے خفا ہے، رشتے پر راضی نہ تھی مارے باندھے ہاں کہہ دی رخصتی کے بعد رہے گی بھی ہم سے علیحدہ محبت جو پہلے ناپید ہے پھر کہاں ہوگی، مجھے کوئی خاص یقین نہیں ہے وہ بخوشی اس رشتے کو نبھا پائے گی، ایسا نہ ہو کل کلاں کو وہ مزید مسائل بنا دے اور تم خوامخواہ پریشان ہوتے پھرو۔''

''مما آپ کیا سمجھتی ہیں وہ چھٹانک بھر کی لڑکی مجھے کتنا پریشان کرے گی۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''بیٹا بات پریشانی کی ہے جن حالات میں وہ شادی کے لئے ایگری ہوئی ہے اور پہلے جو رویہ رہا اب جو صورتحال ہے، میں ماں ہوں اس کی طرف یہ سوچ رہی کہ کل کو میری بیٹی کی زندگی کو یہ فیصلہ کسی پچھتاوے کا شکار نہ بنا دے۔'' وہ ممتا بھری تشویش لئے بولیں۔

''مما پلیز وہ آپ کی بیٹی ہے تو میں بیٹا ہوں، مجھ پر اعتماد رکھیں ایسا کچھ نہیں ہوگا اگر مجھے یہ خدشہ ہوتا کہ میں یا وہ کل پچھتائیں گے تو شاید اس سے پہلے میں خود انکار کر دیتا مگر وہ صرف جذباتی ہے اور ہر شے کو اوپری نگاہ سے دیکھنے کی عادی یہی اجنبیت اسے کسی نئے تعلق یا رشتے کو سمجھنے سے روکتی ہے، آپ جانتی ہیں میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جسے نبھانے کی سکت اور اہلیت رکھوں، اسے میری زندگی میں شامل ہونے دیں، اس کے بعد اگر آپ کو کوئی شکایت ہوتی ہے تو مجھے بلیم دے سکتی ہیں، مگر پہلے یہ تذبذب یا پریشانی ٹھیک نہیں۔''

''مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے شہری مگر جب وہ قائل نہ تھی سمجھ نہ پا رہی تھی اب ایکدم سے رضا مند ہو گئی کیا خبر اندر سے بدظن ہے تم سے یا سب اور یہ پہلو بہت فکر انگیز ہے۔''

''مما میں اس کی غلط فہمیاں دور کر دوں گا وہ نہ بدظن رہے گی نہ خفا اور یقین رکھیں وہ بہت خوش رہے گی اس کی خوشیوں کی ضمانت میں دیتا ہوں آپ کو کیا اپنے بیٹے پر بھی یقین نہیں۔''
شہریار نے ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو شائستہ بیگم نے بے اختیار اس کی فراخ پیشانی پہ بوسہ دیا۔

''جیتے رہو اللہ لمبی عمر دے خوشیاں دکھائے تمہاری یہی عادت مجھے پسند ہے کہ تم انتہائی مایوسی کے حالات میں بھی اپنی سوچ مثبت رکھتے ہو ہمیشہ بات کا روشن پہلو دیکھتے ہو اور حوصلہ نہیں ہارتے بس اللہ سوہنا اس بیوقوف لڑکی کو بھی سمجھ عطا کرے۔'' شہریار بڑا مطمئن سا مسکراتا ہوا بولا تھا۔

''جو تعلق بننے جا رہا ہے ناں وہ کتنا صحیح ہے یہ آنے والا وقت بتائے گا اسے۔''

''اور میری دعا ہے کوئی بڑا مسئلہ کھڑا ہونے سے پہلے یہ وقت آ جائے۔''

''یقیناً اللہ لائے گا بس آپ پریشان نہ ہوں اس بات کو لے کر کیونکہ آنے والے دنوں کی فکریں آنے والے دنوں پہ چھوڑ دینا ہی اچھا ہوتا ہے ایک تو خوامخواہ کے اندیشوں سے مسائل جنم نہیں لیتے پھر انسان خود کو ریلیکس محسوس کرتا ہے۔''

''کہتے تو تم ٹھیک ہو مگر رشتوں میں بھی توازن تبھی آتا ہے جب محبتوں کے ساتھ پذیرائیاں بھی ہوں خود کو اور دوسروں کو بیوقوف بنانا اتنا آسان نہیں جتنا تم دونوں اپنی اپنی جگہ سمجھ رہے ہو۔'' وہ ذرا سا مسکراتے ہوئے بولیں۔

''مما پلیز نو مور جوک۔'' وہ ذرا خفا سا بولا۔

''تم دونوں یہی سمجھتے ہو ناں کہ جادو کی چھڑی گھماؤ گے بس اور سب کچھ تمہارے اختیار میں ہو گا۔'' وہ کچھ ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

''نہیں مما جادو کی چھڑی نہیں، محبت کا اسم اعظم ہاتھ میں ہے اور اسے لئے جس طرف سے بھی گزر رہو قدموں سے لپٹے راستے خود بخود منزل پر پہنچا دیں گے۔''

''اپنے مزاج کے مطابق تم ہر بات کو بہت لائیٹ لے رہے ہو، خود کو ریلیکس رکھنے کے لئے یہ انداز اچھا ہے مگر سعیہ جیسی غیر مدبر لڑکی کا سوچو جو بنا سوچے سمجھے ہر بات پٹاخ سے منہ پہ مارنے کی عادی ہے، وہ ابھی زندگی کو برتنے کے انداز بھی سیکھنے نہیں پائی موڈی، ضدی کچھ حساس اور تم بہت سلجھے ہوئے متوازن مزاج کو آپریٹو انسان، دو متضاد عادات کے انسانوں کا ایڈجسٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

سعیہ کے جن اعتراضات کو وہ یکسر رد کر چکی تھیں اب شہریار کے سامنے انہی کو بطور حوالہ پیش کر رہی تھیں۔

''مما آپ جانتی ہیں ہم اس تعلق سے پہلے تک بہت اچھے دوست پلس کزنز رہے ہیں اور میں اس کے مزاج کے موسموں تک رسائی رکھتا ہوں، لمحوں پر گرفت ہو جانے دیں سارے وقت تابعدار ہونگے۔'' وہ شرارت سے مسکرایا۔

''گویا ضبط آزمانا چاہتے ہو۔''

''ہرج کیا ہے اگر نتائج حسب منشاء اور اپنے حق میں نکلنے کا یقین ہو تو ضبط کو آزمانا چاہیے۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''یہ ضبط محبت کا ہے یا ہمدردی کا۔'' وہ جیسے سارے راز اگلوانے کے موڈ میں تھیں۔

''آپ کی بات پر میں احتجاج کر سکتا ہوں۔'' وہ کچھ نروٹھے پن سے گویا ہوا پھر ذرا توقف سے بولا۔

''ہمدردی میں کوئی بیوقوفیوں کی گٹھڑی عمر بھر سر پہ لادنے کا عہد نہیں کرتا یہ محبت اور صرف محبت ہے اس دنیا میں محبت سے بڑی اور سچی حقیقت اور کوئی نہیں ہے بڑی قوت ہے اس میں بڑے بڑے شہ زوروں کو مات کر دیتی ہے وہ تو پھر ایک نازک سی لڑکی ہے سدھر جائے گی۔'' اپنی سحر طراز نگاہوں کی جنبش دیتا وہ بڑی دلکشی سے مسکرایا تھا۔

''پھر بھی سوچ لینا یہ محبت کی ناؤ ہے اتنی آسانی سے بھی پار نہیں لگتی۔''

''مشکل کاموں سے نبرد آزما ہونا ہی اپنا شیوہ ہے ویسے بھی فیض نے کہا ہے نا کہ۔''

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

''ہاں، کیونکہ محبت کو شہ او مات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔'' وہ اس کے چہرے پر حد درجہ سکون دیکھتے ہوئے بولیں۔

''محبت کے زندہ رہنے کو یہ حقیقت ہی کافی ہے کہ وہ محبت ہے، اب وہ پذیرائی کرے نہ کرے، چاہے نہ چاہے میں جو فیصلہ کر چکا ہوں اس سے منحرف نہیں ہونگا مجھے آپ کی عزت بہت عزیز ہے اور میں کسی کو اس گھر پہ انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دے سکتا۔'' سعدیہ سے محبت سے قطع نظر اس کے جذبات و احساسات کی ثقافیت صاف چھلک رہی تھی اس کے لہجے اور انداز سے۔

''میں بہت خوش قسمت ہوں مجھے اتنا فرمانبردار بیٹا دیا ہے میرے مولا نے۔'' شائستہ بیگم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی پھر کتنے ہی آنسو ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے۔

''پلیز مما میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں آپ کے بیٹے کے لئے یہ بہت معنی رکھتے ہیں آئندہ ان آنسوؤں کو بہنے مت دیجئے گا۔'' وہ ان کے آنسو اپنی پوروں سے پونچھتا بولا، شائستہ بیگم آنکھوں کے کناروں کی نمی کو ہاتھ سے پونچھتی مسکرا دیں۔

''سویٹ سمائیل۔'' وہ دل سے ہنسا پھر بولا۔

''آپ کو ویسے بھی خوش ہونا چاہیے بیٹا بہو دونوں جنتی ہیں، وہ اس رشتے کو صبر کے ساتھ قبول کر رہی ہے اور میں شکر کے ساتھ اور صابر و شاکر دونوں جنت کے حقدار ہیں۔'' انداز شرارتی تھا شائستہ بیگم بے اختیار ہنس کر اس کا رخسار تھپک گئیں اور شہریار دلکشی سے مسکراتا سر ان کی گود میں

سر رکھ کر لیٹ گیا۔

☆☆☆

خواب خواہش واہمہ ہے زندگی
اک بھیانک حادثہ ہے زندگی
آج تک یہ مسئلہ سلجھا نہیں
میں خفا ہوں کہ خفا ہے زندگی

اریبہ اشفاق اور وہاج حسن آمنے سامنے تھے دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی ایک کے چہرے پر تحیر و استعجاب تھا دوسرے کی نگاہوں میں شک کے پھن لہراتے ناگ، بے یقینی اور اشتعال آمیز کیفیت۔

''وہاج تم باہر کیوں کھڑے ہو اندر آ جاؤ۔'' خود کو بولنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی وہ اس کے تیوروں سے خائف ہلکے سے بولی اور وہاج جیسے ایکدم نیند سے بیدار ہوا تھا۔

''میرے ذرا سے خفا ہوتے یا شادی سے ابھی ناں کہنے کی دیر تھی تم نے نئے مصرف ڈھونڈ لئے۔'' اندر تک کاٹتی نگاہیں اور وار کرتا لہجہ وہ جیسے لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ واقعی سمجھ نہیں پائی وہ کیا کہہ رہا تھا۔

''یہی کہ تم مجھ سے فرار کے راستے تلاش کر چکی ہو، تم جیسی مادہ پرست لڑکی سے ایسا کچھ بعید بھی نہیں شکر ہے کہ میں بہت دیر دھوکے میں نہیں رہا۔'' عجیب سکوت تھا اس کے لہجے میں اور اس کے الفاظ اریبہ کے لئے یقیناً کسی دھماکے سے کم نہ تھے، وہ اسے ساکت دیکھتی رہ گئی۔

''یہ الجھنیں، مسائل، بے کار کے الجھاؤ سب بہانہ تھے، قصور تمہارا بھی نہیں اکثر مفلسی گناہ کی راہ پر لگا دیتی ہے مگر تم نے میری محبت کا تو سوچا ہوتا۔'' اس کی آنکھوں سے اس لمحے عجیب شعلے نکل رہے تھے، کیسی آنکھیں تھیں جن میں محبت کی ہلکی سی رمق نہ تھی اور کیسا لہجہ تھا تکلیف پہنچاتا۔

''مجھے تم سے شدید نفرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے اپنی محبتیں اپنے جذبات تم جیسی بے حس اور ناقابل اعتبار لڑکی پہ ضائع کیے، صرف چند سال کا انتظار تھا اور تم چند دن بھی نہیں ٹھہر سکیں۔'' وہ سختی سے اس کا بازو دبوچ کر بولا اور اس کی دھڑکنیں گم صم ہوا سے ہراساں وہ اشکبار آنکھیں لئے بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہی تھی جو بنا کچھ سنے بغیر پوچھے اسے صفائی کا موقع دیئے بغیر سزا سنا رہا تھا، حد جرم نافذ کر رہا تھا، کتنا برا کر رہا تھا وہ اس کے ساتھ۔

''میں بہت دنوں سے تمہاری خود سری کے قصے سن رہا تھا مگر مجھے یقین نہ آتا تھا آج آنکھوں سے دیکھ کر پچھتاوا ہو رہا ہے کہ اپنی توجہ محبت تم پہ کیا کچھ لٹایا تم پھر بھی میری وفادار نہ رہ سکیں، روپے کی بھوک تھی تمہیں بے تحاشا روپے کے پیچھے بھاگیں تمہارے لئے کسی کے جذبات و احساسات کوئی معنی نہیں رکھتے تمہارے لئے اہم ہے تو صرف دولت کی ہوس اس کے لئے خواہ تمہیں گناہ کے راستے پر کیوں نہ چلنے پڑے تم چل پڑی ہو۔'' کس قدر خشک اور سخت لہجہ تھا، اس قدر گھٹیا الفاظ اتنی کھلی تذلیل، اریبہ کے چہرے پر کرب آ رکا تھا کتنے ہی آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر خاموشی سے بکھرتے چلے گئے بہت مشکل سے اسے نے کہا تھا۔

"جو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں اس پہ مجھے وضاحت مانگنے کی ضرورت نہیں اور اگر تم صفائی دے بھی رہی ہو تو بہت بودی اور فضول کوشش ہے یہ۔"

"تم محبت کرتے ہو مجھ سے یہ محبت ہے تمہاری کہ بنا کسی لوجک کے تم بلاوجہ شک کے کٹہرے میں مجھے کھڑا کیے، ناحق تہمت دیئے جا رہے ہو۔" وہ بھیگے لہجہ میں بولی۔

"محبت مفادات کو لے کر نہیں چلتی، اغراض کے پیچھے نہیں بھاگتی اور تم نے خودغرضی کے پیچھے خالص محبت کھو دی اور یہ سچ ہے مجھے تم سے محبت نہیں یہ سب دیکھنے کے بعد تو گزشتہ محبتوں والے جنون پہ بھی تاسف ہو رہا کہ تم اس کے لائق نہ تھیں۔" وہاج حسن کا لہجہ کتنا سفاک اور بے تاثر تھا اریبہ کی حیرت، دکھ حد سے سوا ہو چکا تھا۔

محبت بے پناہ محبت کا دعویدار تھا اس سے یہ شخص، وعدے کرتا تھا عمر بھر ساتھ نبھانے کے، عہد باندھتا تھا محبتوں کو پائیدار کرنے کے اسے خواہشوں، تمناؤں اور خوابوں کے خوشنما لفظ تھمایا کرتا تھا اور اب محض اک نظر، اک نظر کے دھوکے میں اسے سربازار سنگسار کر رہا تھا گلی میں آتے جاتے لوگ بچے یا کسی دروازے سے جھانکتی عورت سب متجسس انداز میں اس کی تذلیل و تضحیک کا تماشا دیکھ رہے تھے اور وہ اتنے دکھ کے عالم میں تھی کہ اس کے آنسو تک خشک ہو چکے تھے، وہ بتا نہیں سکتی تھی کہ وہ ضبط کے کتنے زاویوں سے گزر رہی تھی۔

جویریہ جو چھت سے کپڑے اتار رہی تھی انہیں گلی میں کھڑے تلخ کلامی کرتے دیکھ کر تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتری اور ان کے پاس چلی آئی۔

"یہ ایک شخص تو میں نے دیکھا ہے اس سے پہلے جانے کس کس کے ساتھ کب کب کیا کیا کرتی پھرتی ہو گی۔" اریبہ کو یوں لگا اس کی پیشانی گرم سلاخ سے کسی نے داغ دی ہو، اس کی سرمئی آنکھیں پھر سے پانی سے بھرنے لگیں جویریہ نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے تھے اور پوچھا تھا۔

"آپی کیا بات ہے کیا ہو رہا ہے یہ سب؟" اور آنکھوں میں رکا پانی پلکوں کے کنارے توڑ کر نکلا تھا اس کا چہرہ بھیگتا چلا گیا انداز میں عجب بے بسی تھی وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر بول نہ پائی۔

"یہ کیا بتائے گی مجھ سے پوچھ نوکری کے بہانے تمہاری بہن کیا گل چھرے اڑاتی پھر رہی ہے۔"

"شٹ اپ وہاج بھائی شٹ اپ، مزید کچھ بھی کہنے سے بہتر ہو گا آپ یہاں سے چلے جائیں۔" جویریہ نے اپنی ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے غصے سے کہا تو وہ لمحہ بھر کو اسے سخت نگاہ سے دیکھتا وہاں سے نکلتا چلا گیا اریبہ بھیگی آنکھوں سے چپ چاپ اسے دیکھتی چلی گئی۔

کسی لڑکی سے مت کہنا
کہ اس سے پیار کرتے ہو
اگر بے دھیانی میں بھی یہ اقرار کر بیٹھے
کسی سے پیار کر بیٹھے
تو پھر وعدوں کی ڈوروں میں الجھ کر ٹوٹ جاؤ گے

تمہارے پیار کا اگر اس کو احساس ہو جائے
تو ہو سکتا ہے کہ تم اس کا رنگ و روپ بن جاؤ
محبت کے سفر میں شاید ایسا موڑ آ جائے
کہ تم اپنی ناراضگی کا برملا اظہار کر بیٹھو
کوئی انکار کر بیٹھو
تو یہ سمجھو، کوئی شیشہ، کوئی دل ٹوٹ جائے گا
کہ ان کے دل بہت نازک ہوتے ہیں
کسی لڑکی کے دل کو ٹوٹنا بھی موت ہوتی ہے
کسی لڑکی سے مت کہنا

"آپ یہ پانی پئیں اور خود کو سنبھالیں پلیز۔" جویریہ نے اسے گھر لا کر چارپائی پہ بٹھایا۔

"میں بری ہوں، بہت بری نہ اچھی بہن بن سکی نہ اچھی بیٹی نہ اچھی انسان، میری ذات سوائے مشکلات بڑھانے کے کچھ نہیں کر رہی، بیچ بازار میں تماشہ بنا گیا ہے وہ مجھے مجرم بن گئی ہوں میں، سب کی نگاہوں سے گر چکی ہوں کہاں جاؤں میں، میرے لئے تو کوئی جائے پناہ بھی نہیں، کتنی بے بس، کتنی شکست خوردہ ہوں، کیسے بتاؤں کہ میں کتنی کمزور ہوں بہت مسائل و دکھوں سے تھک چکی ہوں، ان سے نکلنے کی دوسری راہ بھی نہیں۔" وہ مدھم لہجہ میں آنسوؤں کے درمیان بولی تو جویریہ کا دل کٹ کر رہ گیا کتنا کرب تھا اس کے لہجے و الفاظ میں۔

"کیوں سوچتی ہیں ایسا، آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ خود کو مجرم سمجھیں۔" جویریہ تڑپ کر بولی۔

"وہ تو کہہ گیا نا جس پہ شاید دنیا میں سب سے زیادہ اعتبار تھا مجھے، لمحوں میں دو کوڑی کا کر دیا اس نے مجھے اور میں، مجھے کچھ سوجھا نہیں، کیا کہتی میں۔" جویریہ کے شانے پر سر رکھے آنسو بہاتے وہ بولی تو جویریہ کے اندر کئی طوفان سر اٹھانے لگے۔

اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ بہن کو حوصلہ ہی دے سکتی اور اریبہ وہ بھی قیامت کی زد میں تھی، عجب جاں تھا وہ وہاج کے تند و تیز انکشافات سے نہیں نکل پا رہی تھی، عجب سانحے رونما ہو رہے تھے کہ سوچنے سمجھنے کی ساری ہمت جیسے سلب ہو گئی تھی، بعض اوقات صورتحال اتنی تیزی سے بدلتی ہے کہ فوری طور پر کوئی سدباب نہیں ہو پاتا وہ تو پھر ابھی اپنے مسائل اپنے اندر کی جنگ سے الجھنے میں لگی ہوئی تھی کہ وقت اسے بھی اور آزمائش میں ڈال گیا اور وہ ساکت سی بیٹھی اس لمحے کو فوری سدباب کے بارے میں سوچ رہی تھی مگر کیسے کہاں؟ زندگی نے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان اس کے آگے کھڑا کر دیا تھا۔

عمر بھر کی چاہت کو
آسرا نہیں ملتا
خاموشی کے وقفوں میں
بات ٹوٹ جاتی ہے اور سرا نہیں ملتا

معذرت کے لفظوں کو روشنی نہیں ملتی
لذت پذیرائی پھر کبھی نہیں ملتی
پھول رنگ وعدوں کی
منزلیں سکڑتی ہیں
راہ مڑنے لگتی ہے
بے رخی کے گارے سے
بے دلی کی مٹی سے
فاصلوں کی اینٹ سے اینٹ جڑنے لگتی ہے
واہموں کے سائے سے عمر بھر کی محنت کو
پل میں لوٹ جاتے ہیں
اک ذرا سی رنجش سے
ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
بھیڑ میں زمانے کی
ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں
دوست دار لہجوں میں سلوٹیں سی پڑتی ہیں
اک ذرا سی رنجش سے
شک کی زرد ٹہنی پر پھول بدگمانی کے
اس طرح سے کھلتے ہیں
زندگی سے پیارے بھی اجنبی سے لگتے ہیں

☆☆☆

پرشاد کے تمام پیکٹ کیتھرین نے اکٹھے کر کے پولی تھین بیگ میں رکھے پھر قدرے گہرے کھڈ میں پھینک دیے، یہ کام انجام دینے کے بعد وہ ہاتھ جھاڑتی اپنے ساتھیوں سے بولی۔

"کیا خیال ہے یہاں تک آئے ہیں تو ہندوؤں کے بھگوان کے درشن ہو جائیں اور گھوم پھر کر مندر دیکھا جائے۔" کیتھرین کے خیال کی تائید کرتے وہ سب آگے بڑھے۔

اور مندر کے اندرونی حصے میں آ گئے، مندر کی دیواروں پر مورتیوں، دیوتوں اور دیویوں کے بڑے بڑے پورٹریٹ جو انتہائی محنت سے بنائے گئے تھے حصے کو دیکھتے ہوئے وہ سب حیران تھے اگر مجسمے کاریگروں کے کمالِ فن کا نمونہ تھے تو مصوری بہترین مصوروں کی شاہکار مگر اس کے باوجود کسی دیوتا یا دیوی کی مورتی خوبصورتی کے کسی بھی شعوری معیار پر پورا اترنے نہ پائی تھی، کسی دیوتا کے تین سر ہیں تو کسی دیوی کے دو، تو کسی کے بازو چار ہیں تو کسی کی ٹانگیں دو سے زیادہ، کسی کی زبان کئی فٹ باہر کو لٹکی اور سیاہی بھری، کسی کے دانت خونخوار۔

"یہ دیویاں، دیوتاؤں نے جن کی اپنی صورتیں اس قدر خوفناک اور وحشت زدہ کر دینے والی ہیں اور یہ جو اپنی شکلیں نہیں سنوار سکتے کائنات کو کیسے سنواریں گے۔" ماریا کا ذہن تاسف سے

سوچ رہا تھا، یہی بات وہ کسی نہ کسی طریقے سے سب سوچ رہے تھے۔

"ایک زمانہ وہ تھا کہ کوئی غیر ہندو مندر تو دور کی بات ہے کسی ہندو کے برتن میں کھا پی نہیں سکتا تھا، جس چیز کو کسی غیر کا ہاتھ چھو جاتا ہندو اس کو ضائع کر دیتا اگر وہ مندر کے پاس سے گزر جاتا تو اس جگہ کو پاک کیا جاتا۔" ماریا نے انہیں حاصل شدہ معلومات دیں۔

مگر آج کیسا اتفاق تھا کہ وہ سب غیر ہندو تھے اور ایک ہندو کی دعوت پر مندر میں گھوم پھر رہے تھے، مندر سے باہر نکلے تو مناجی ہر مورتی کے سامنے پرنام کر رہے تھے، خواتین کی تھی بہت زیادہ جو مورتیوں کو پوجنے ہاتھوں میں سجی تھالیاں اٹھائے آ رہی تھیں وہ حیران ہوئے کہ ہندوستان میں مردوں کے مقابلے میں خواتین میں مذہبی جذبات کا زور زیادہ ہے، ایک مناجی انہیں بتا رہا تھا۔

"اب صورت حال یوں بھی ہو گئی ہے، جو مالدار ہندو صبح کے وقت مندروں میں نہیں جا سکتے اپنے اپنے گھروں میں ہی پوجا استھان بنا چکے ہیں جہاں بھگوانوں کی مورتیاں رکھی ہوتی ہیں، صبح اٹھ کر اشنان کر کے خود ٹیکہ لگا لیتے ہیں پھر صندل لگا کر پوجا کر کے آرتی اتار لیتے ہیں، مالدار ہندوؤں نے اپنے گھروں میں خصوصی کمروں میں قائم پوجا استھان بنا کر اپنے بھگوانوں کی بڑی بڑی فریم شدہ روغنی تصاویر یا مورتیاں رکھی ہوتی ہیں، وہ افراد ان کمروں کے آگے سے گزرتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہیں چاہے دن میں کتنی بار گزر ہو، بتوں اور تصاویر پر روزانہ گیندے کے پھول چڑھائے جاتے ہیں اور ان کے چرنوں (قدموں) میں پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جاتی ہیں، مورتیوں کو قیمتی لباس اور زیورات پہنائے جاتے ہیں قدموں میں پیسے رکھے جاتے ہیں، جبکہ اکثر ہندو اپنے مرے ہوئے پیاروں کی تصاویر بھی بھگوانوں کے قریب مالا چڑھا کر رکھ چھوڑتے ہیں، لوبان اور اگربتیاں سلگائی جاتی ہیں، صبح کے اوقات میں گھر میں جو فرد پراتھنا والے کمرے میں داخل ہو وہ پیتل کی گھنٹی بجا کر بھگوان کو جگاتا ہے، پھر اسے نہلا کر کپڑے تبدیل کیے جاتے ہیں۔"

"اگر پتھر کی یہ مورتیاں بقول ہندوؤں کے کچھ طلسم یا خدائی طاقت رکھتی ہیں تو انہیں نہانے کی حاجت یا خواہش ہونی چاہیے کیونکہ خدا بلاشبہ ان جملہ حاجات سے پاک ہے۔" ماریا اور کیتھرین نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"تم یہ اندازہ کرو جو اپنی شکل وصورت درست کرنے پہ قادر نہیں وہ دوسروں کے مقدر کیا سنوار سکتے ہیں مگر یہ بھی انتہائی جہالت کی نشانی ہے کہ اپنے ہاتھ سے مٹی گارے یا پتھر کے مجسمے بنا کر انہی کو بھگوان کا درجہ دے کر پوجا، پراتھنا شروع کر دیتی۔"

"اور اس جہالت میں بھی ایک ارب سے زائد لوگ مشغول ہیں۔" ایک ڈاکٹر نے تنفر سے کہا۔

"بھارت ایک سیکولر ملک ہونے کے ساتھ ابھی تک ہندوانہ رسم و رواج کا اسیر ہے بھارت کے تقریباً ہر شہر میں کوئی نہ کوئی مقام ایسا ضرور ہے جو ہندو رسم و رواج کے لئے مخصوص ہے اور ان سب میں سے مقدس مقام بنارس کہلاتا ہے جہاں بھارت بھر سے ہندو اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے

آئے ہیں۔" گائیڈ نے بتایا۔

جن سڑکوں سے وہ گزر رہے تھے وہاں راستے میں جہاں کہیں مندر آتا تو گاڑی، رکشہ، سائیکل یا بائیک پہ موجود بندہ رک کر ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتا اور آگے بڑھ جاتا، یہ چیزیں انوکھی اور حیران کن تھی ان کے لئے۔

جبکہ سڑکوں پر جگہ جگہ صحت مند گائے، مگر ان کی وجہ سے نہ صرف ٹریفک کے مسائل پیدا ہو رہے تھے بلکہ لوگ زخمی بھی ہو رہے تھے، وہ سب ہندوانہ رسم و رواج اور عقائد پر تاسف کرتے واپس ہوٹل میں آ چکے تو ایک اچھے کھانے سے لطف اندوز ہونے کے بعد انہوں نے لمبی نیند لی کہ صبح صبح اٹھ کر ناگ پنچمی کا تہوار دیکھنے جانے کو انہیں اپنی میٹھی نیند کی قربانی دینا پڑی تھی۔

اگلے دن ان کے میڈیکل وفد کو ایک اہم سیمینار میں شرکت کرنی تھی جو دہلی کی مقامی یونیورسٹی میں ہو رہا تھا ہیپا ٹائٹس اے بی اور سی سے متعلق اپنے تحقیقی و معلوماتی مقالے، اس سے بچاؤ کے اقدامات اور علاج کے طریقے ان موضوعات پہ پیش کرنے تھے اور سب ڈاکٹرز، میڈیکل آفیسرز اپنے اپنے مقالہ جات لئے وہاں جانے کو تیار تھے کیتھرین کو ماریا کی فکر تھی کہ وہ ہوٹل میں تنہا کیا کرے گی کیونکہ ماریا نے ان کے ہمراہ جانے سے بہتر ہوٹل میں رہنا سمجھا تھا۔

"میں پہلے بھی ہندوستان میں پورا ایک ماہ گزار کے گئی ہوں میرے لئے یہ جگہ اور ماحول اجنبی نہیں، تم فکر مت کرو میں تنہا بھی اچھا وقت گزار سکتی ہوں۔"

"ہر جگہ ایسے نہیں چلتا چین میں تمہیں تاشی مل گئی تھی میں چلی بھی جاتی تھی تو مجھے اطمینان ہوتا تھا کہ پیچھے تمہیں ایک ساتھی میسر ہے اور تمہارا وقت اچھا گزرے گا، مگر یہاں معاملہ یکسر الگ ہے۔"

"کم آن کیتھی تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو، یار میں ایک اچھی نیند لے لوں گی، ٹی وی دیکھ لوں گی۔"

"نہیں تم ہمارے ساتھ چلو یہ سیمینار اٹینڈ کرنا، مجھے اچھا لگے گا کہ تم ہماری آگہی مہم میں ہمارا ساتھ دے رہی ہو بھلے کچھ دیر کے لئے بیٹھنا سہی۔" وہ بصد اصرار بولی تو ماریا کو ماننا پڑا اور کچھ دیر میں بلیک پینٹ شرٹ پہنے وہ تیار کھڑی تھی بہت اچھے سے میک اپ کے ساتھ اونچی پونی ٹیل بنائے بلاشبہ اچھی لگ رہی تھی۔

کیتھرین کے اصرار پہ وہ سیمینار اٹینڈ کرنے آ تو چکی تھی مگر یہاں آ کر ڈاکٹرز کی خشک باتوں میں نیند کے جھونکے آ رہے تھے یا بیزاری بڑھ رہی تھی، وہ مارے باندھے حد ادب میں کچھ دیر تو بڑے صبر سے خود کو بٹھائے رہی پھر بوریت بڑھی تو کیتھرین باہر جانے کا اشارہ دیتی باہر نکل آئی بڑے آرام سے کھلی ہوا میں چلی آئی، ہوٹل کی لابی سے گزرتے ہوئے اس نے چند غیر ملکی ٹورسٹ دیکھے تھے۔

ماریا محض ٹائم پاس کو ان کے پاس آئی اور ان کے ہمراہ ہندوستان کے متعلق ویوز جاننے لگی، آپسی انٹروڈکشن کے بعد اس گروپ میں شامل ایک خاصے خوش گفتار بندے نے کہا تھا، اگر صرف سیاحتی اعتبار سے دیکھا جائے تو تجربہ اچھا ہے کہ تاج محل، جامع مسجد دہلی اور مسجد فتح پوری، یا

بھارت کی پہچان غالب کی حویلی اور مقبرہ اچھے لگتے ہیں مگر صرف دور سے قریب جانے پہ ان کی حالت زار دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کیونکہ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب ان کا حسن گہنا جا رہا ہے، جبکہ عوام کے عقائد اور طرز زندگی کے بارے میں جو معلومات ملیں وہ صحیح نہیں۔

"یہ تو واقعی درست ہے۔" ماریا نے بے ساختہ کہا۔

"ہندوستان کا آئین سیکولر جمہوری ہے جو بظاہر ہر مذہبی اور معاشرتی حقوق کی ضمانت دیتا ہے، مگر ہندوؤں کی بڑی تعداد کی خواہشات کا آئینہ دار نہیں، اس کی بنیادی وجہ قیادت پر برہمن کا قبضہ ہے اس طرح یہ مذہب آئین اور سیاست کے درمیان الجھا ہوا ہے۔"

"اور اس سسٹم پہ کوئی احتجاج بھی نہیں کرتا۔" ایک شخص بولا۔

ماریا ذرا سا مسکراتے ہوئے بولی۔

"احتجاج اس لئے نہیں ہوتا کہ ہندوؤں کی مقدس مذہبی کتاب برہمناس اور بھگوت گیتا کے مطابق برہمن کا فرض ہے کہ وہ شودروں سے انصاف نہ کرے بصورت دیگر وہ پاپی شمار ہوگا، برہمن شودر سے نفرت کرے، اس کو مندر میں داخل نہ ہونے دے، باورچی خانے کے پاس نہ آنے دے ورنہ پرماتما ناراض ہوگا اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے مطابق جب برہمن اور شودر برابر آ گئے تو قیامت آ جائے گی، اب قیامت روکنے کا یہی طریقہ ہے کہ شودروں کو حقوق نہ دیئے جائیں۔"

"آپ کی معلومات حیران کن ہیں لگتا ہے کافی گہرا مشاہدہ ہے ہندوستانی مذہب و معاشرہ پر۔"

"مشاہدہ کے متعلق بہت تحقیقی کام کیا تھا تبھی مجھے پتا چلا تھا کہ یہاں تو ہم پرستی بہت زیادہ ہے لوگ برہمن کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ کو رام اور کرشن کی زبان سے نکلا ہوا لفظ خیال کرتے ہیں اور اس پر ایمان لانا اپنا فرض مذہبی فرض خیال کرتے ہیں۔"

"شاید اسی لئے بدن پر مختصر لباس پہنے اور ماتھے کو سرخ و سفید لکیروں سے رنگے سادھو نما برہمن لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے خوشی غمی کی ہر تقریب میں موجود ہوتے ہیں۔" پہلے والے خوش گفتار شخص نے کہا۔

"اور ہر ہندو امیر ہو یا غریب ہر کام شروع کرنے سے پہلے اپنی سادھو نما پنڈتوں سے "شبھ گھڑی" یعنی مبارک ساعت ضرور نکلواتا ہے، شادی بیاہ کے لئے بھی پنڈت کی مہورت ضروری سمجھی جاتی ہے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا زائچہ بنایا جاتا ہے پھر اس کا نام رکھا جاتا ہے اسے "جنم کنڈلی" کہتے ہیں اسی طرح سفر، نیا کاروبار غرض یہ کام سے پہلے یہ "شبھ گھڑی" نکالنا ان کے مذہب کا لازمی جزو ہے۔"

"پھر تو بڑی روایات و خرافات یا توہمات پہ مبنی ہے ہندومت اور یہ معاشرہ آپ کا اتنا عمیق تجزیہ بھی قابل حیرت ہے۔"

"میری دیگر مذاہب اور معاشروں کے متعلق معلومات بھی اسی قدر ہیں کیونکہ میں نے کئی سال لگا کے ان پہ تحقیقی کام کیا ہے۔" وہ متانت سے مسکرائی۔

"پھر تو آپ سے ملنا اچھا رہا یقیناً ہم پھر بھی مل سکیں گے۔"

""ضرور مگر اتفاقاً کیونکہ میرا شیڈول بہت ٹف ہے اور مجھے کل ہندوؤں کا مقدس مذہبی مقام بنارس دیکھنا ہے جو میں اب تک دیکھ نہیں سکی۔""

""تو کیوں نہ ہم بھی بنارس چلیں۔"" وہ لوگ آپس میں تائیدی انداز میں بولے اور پھر ان سب کا یہ پروگرام فائنل ہو چکا تھا۔

☆☆☆

شاپنگ وہ بھی سعیہ کے لئے اس کی موڈی و حساس طبیعت، نفیس سا ذوق و شوق اور کچھ ہائی لیول کے سٹیٹس کا خیال کرتے ہوئے سب اعلیٰ سے اعلیٰ اور بہتر سے بہترین لینا ایک مشکل مرحلہ تھا مگر نمٹ ہی گیا اور شادی چونکہ پہلی اور آخری تھی خان ولا میں شہریار اور سعیہ اکلوتے لاڈلے ہونے کے ساتھ واحد بچے تھے گھر کے اور سیل جول والے عزیز و اقرباء بھی سا سمجھے و ایک تھے سو شادی کی تمام رسمیں اور فنکشن کے تمام ایونٹس خشر کے طور پر ہو رہے تھے، آج مہندی مایوں کی رسم تھی۔

ڈھولک رکھی جا چکی تھی سردیوں کے موسم کی ہلکی ہلکی بوندا باندی نے ماحول میں بہت لطیف سا تاثر قائم کر رکھا تھا، سعیہ بارشوں کی دیوانی تھی مگر اس وقت ڈھلتی رات اور نرم پھواروں، ڈھولک کی تھاپ سے بے نیاز وہ بیزار سی اوپری سیڑھیوں کے عین درمیان میں بیٹھی تھی جب کسی کام سے اوپر جاتے شہریار نے چونک کر لحہ بھر اسے بہ غور دیکھا۔

""کیا ہوا ہے تمہیں یوں کیوں بیٹھی ہو؟"" لہجہ دوستانہ اور نرم انداز تھا۔

""تمہیں کیا تکلیف ہے میں جیسے مرضی بیٹھوں۔"" سعیہ چیخ کر بولی۔

""میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا تم جو اتنے دنوں سے فرار حاصل کر رہی تھیں مجھ سے مگر ملا نہیں اور اس کی بیزاری تمہارے چہرے پر صاف نظر آ رہی ہے۔"" وہ آرام سے کہتے ہوئے اس سے قدرے فاصلے پر اسی سیڑھی پر آ بیٹھا تو سعیہ کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔

""زندگی کے ہر رخ کا سامنا بہادری سے کرنا مجھے آتا ہے، بزدلوں کی طرح، فرمانبرداری کا لیبل خود پہ لادنا مجھے پسند نہیں۔"" وہ اسے سنانے کو بولی تو شہریار زیر لب مسکرا دیا پھر قدرے توقف کے بعد رسانیت بھرے لہجے میں بولا۔

""اچھی بات ہے اس بہادری کا مظاہرہ پھر نظر بھی آنا چاہیے تا کہ کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملے، بھلے یہ فیصلہ اپنے بڑوں کی خاطر ہی تم نے مانا ہو مگر رشتوں کا بھرم بھی کوئی چیز ہے۔"" کتنے غیر متوقع طور پہ وہ اسے وقت کی نزاکت کا احساس دلاتا مسکراتا ہوا چلا گیا تھا، سعیہ کی پیشانی تپ اٹھی احساس پشیمانی و حیرانی سے۔

خود کو کسی کے سامنے کھلے عام ظاہر کرنا، اپنا بھرم گنوانا، بیچارگی و بے بسی میں گھرنا یہ سب کب وہ تو اپنے جذبات و احساسات کو سو پردوں میں چھپا کر رکھنا جانتی تھی پھر موضوع خاص و عام کیسے بنتی، جانے انجانے شہریار کی باتوں نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ خوش نہیں تھی، مگر اسے خود کو خوش ظاہر کرنا تھا، وہ بہت سادہ لڑکی تھی ایک خالص زندگی گزارتی آئی تھی اور اب نئی زندگی کی شروعات میں بناوٹ سے کام لینا تھا، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی

ایک ڈرامے کا حصہ بن چکی تھی اور قدم قدم پر جھوٹ بولنا تھا، ہر ایک کو مطمئن رکھنا تھا اپنے کردار، جھوٹ سے، ایک دھوکہ خود پہ طاری رکھنا تھا، ایک دھوکہ دوسروں پہ طاری کرنا تھا، اس قدر ڈراموں ڈھونگ سے بھری مشروط زندگی، جسے سوچتے ہوئے وہ دکھ اور تاسف کا شکار ہونے لگی۔

اسے اس شادی میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا، مگر اپنوں کی خوشی کی خاطر بہت کچھ ان چاہی بھی کرنا پڑتا ہے، یہ رشتہ مجبوری تھی اور وہ اس مجبوری کو نبھانے کی پابند، ایک پل میں جیسے آندھیوں کا شور اسے چھو کر گزر گیا۔

""یہ میرے نصیب کا لکھا ہے سو مجھے ہی بھگتنا ہے بہت سی مجبوریوں کو ہرا کے مہر بہ لب کر دیا ہے مگر دل کے فیصلے تو اٹل ہیں، تم اس دل کی راکھ لاکھ کریدو مگر کوئی شعلہ تو کیا ننھی سی چنگاری تک نہ پاؤ گے۔"" اس نے تنفر سے سوچا۔

""یہاں بیٹھ کر سوگ منانے اور سب کی نظروں میں آنے سے بہتر ہے تم یہ ناٹک اپنے کمرے میں بیٹھ کر پورا کر لو۔"" شہریار اوپر سے واپس آتا اسے دیکھ کر پھر سے ناگواری سے بولا۔

وہ قطعاً اپنی کمزوری کسی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی، سمجھوتے اور مصلحتوں کا پابند کرنے کے باوجود خود کو چھپا چھپا کر رکھنا اس کی انتہائی کوشش تھی، جسے وہ شخص بار بار ناکام کرنے جا رہا تھا۔

""میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے میرے معاملات میں دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہیں آپ کو اور ادب و آداب مجھے آپ سے زیادہ معلوم ہیں۔"" وہ بھیگتے لہجے میں بولی اور اس بے بس سی کیفیت نے شہریار کو بہت محظوظ کیا تھا اس کی پلکوں پر اٹکے موتی کو دیکھتے وہ مسکرا دیا۔

""تمہارا پرابلم کیا ہے سویٹی مجھے سمجھ نہیں آتی اپنی مرضی سے اقرار پھر یہ رونا اداسی۔""

""وہ اقرار میری منشا نہیں میرے پیرنٹس کی خواہش کا احترام تھا، ایک جبر پہ مجبوری ایک انتہائی مشکل اقدام جسے میں بہت ناخوشی سے انجام دے رہی ہوں، مگر یاد رکھنا ایک دن سب حقیقت میں بڑوں کے سامنے لا کر رہوں گی۔"" وہ جیسے پھٹ پڑی۔

""کیا اچھا جوک ہے خان انڈسٹریز کی اکلوتی وارث، بے انتہا بینک بیلنس رکھنے والی سعیہ علی بھی مجبور ہو سکتی ہے۔"" وہ کھل کر ہنسا تھا۔

""قسمت کسی کو کہیں بھی مجبور کر سکتی ہے تمہیں بھی کرے گی تب تمہیں احساس ہو گا۔""

""میرا کون سا تم سے مفاد وابستہ ہے کہ تقدیر مجھے مجبور کرے۔"" شہریار متاسفانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

""یہ شادی کر ہی تم غرض و مفاد کے لئے رہے ہو، یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے دل میں آپ کی کوئی جگہ ہے نہ آئندہ اس حوالہ سے کوئی جذبہ پنپ سکتا ہے۔"" وہ تلخی سے بولی۔

""سعیہ میں اپنے سے وابستہ ہر رشتے کی بہت عزت کرتا ہوں خواہ وہ رشتہ تم سے ہو یا مما پپا یا کسی اور سے اور یہ تعلق بھی تکریم و احترام کا ایک حوالہ بنا ہے اس میں نہ تو کوئی مفاد پوشیدہ ہے نہ بدلہ لینے احسان چکانے کی بات، تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کی اگر کوئی ذاتی توجیہہ ہے تو صرف محبت، تم کھلے دل و دماغ سے خود کو جانبدار رکھ کے سوچو تو سب واضح ہو جائے گا۔"" وہ بہت نرمی اور ملائمت سے بولا۔

"اگر تم رشتوں کی نزاکت وعزت کے اتنے پاسدار ہوتے نا تو اس رشتے پر میری ناراضگی کے باوجود حامی نہ بھرتے، یہ ساری لفاظی بے کار ہے کیونکہ میں تمہاری حقیقت سے واقف ہوں، داستانیں سنا کر انہیں متاثر کرو جو تم سے واقف نہیں۔" سر جھٹکتے ہوئے وہ تیزی سے بھیگتی آنکھوں کو نم ہونے سے بچاتی بولی۔

"وقت، موسم، حالات کچھ بھی تمہارے بس میں نہیں پھر بھی ایسا طظنہ خود کو اذیت پسند کیوں بنا رہی ہو۔" وہ جیسے سمجھاتے ہوئے بولا اور سنعیہ خان جواب تک بڑے ضبط وحوصلہ سے اپنے حواس قائم رکھے ہوئے تھی غم وغصہ سے پھٹ پڑی۔

"میرے اختیار میں کیا ہے کیا نہیں تم اسے چھوڑ کر خود غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں کے محل سے نیچے اتر آؤ، کیونکہ جن جہانوں میں تم آباد ہو وہاں بیٹھے تم قطعاً وہ شخص نہیں ہو، جس کے ساتھ کی کوئی لڑکی تمنا کرے، تم نہ تو اچھے انسان ہو نہ اچھے ہم سفر ثابت ہو سکتے ہو، ایک جیون ساتھی کی کوئی خصوصیت یا خوبی تم میں نہیں، تم تکلیف دہ ہو دوسروں کے لئے تمہیں لے کر کسی خوشی کا سوچنا ہی انتہائی بیوقوفانہ عمل ہے کجا کہ پوری زندگی گزارنا، اگر میں اپنے پیرنٹس کے مان کو سلامت رکھنے کو خود کو قربان گاہ پر چڑھا رہی ہوں تو اسے میری کمزوری یا بے بسی نہ سمجھیں، سچ تو یہ ہے شہریار کہ تم گلے پڑا ڈھول ہو جسے بجانا صرف مجبوری ہے اور کچھ نہیں۔" اپنی بھیگتی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتی مڑی اور شہریار ساکت کھڑا رہ گیا اس کے الفاظ ذہن پر ہتھوڑوں کی مانند برس رہے تھے چہرہ ضبط سے انتہائی سرخ ہو رہا تھا۔

"کیا کہہ گئی یہ لڑکی، جس کے لئے وہ اپنے دل کو ہمیشہ نرم پاتا تھا۔"
جس کا نازک کومل سا وجود اسے دنیا بھر سے عزیز تھا
جس کا ہونا اسے زندگی کی خوبصورتی کا احساس بخشتا تھا

جس کی معصومیت وسادگی نے اسے محبت کرنا سکھایا تھا، جس کا مسکراتا چہرہ خیالوں کو جلا بخشتا تھا، وہ اسے معتوب ٹھہرا رہی تھی اس سے نفرت کر رہی تھی، اس کی سچی محبت کو پامال کر رہی تھی اور شہریار خان اتنا بڑا انڈسٹریلسٹ اور رئیس ہونے کے باوجود کتنا مجبور تھا اپنے دل کے ہاتھوں کہ چاہنے کے باوجود اپنی محبت کو معتوب نہیں کر سکتا تھا، اپنے محبوب کو کھوٹ زدہ نہیں کہہ سکتا تھا، محبت سنعیہ علی سے بے انتہا محبت اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔

محبت تم نے کب کی ہے؟
محبت میں نے کی ہے
تم نے تو بس خامشی کی اوٹ میں رکھ کر
کچھ اپنے لمس کے مصرعے
میرے دل میں اتارے ہیں
لب نم ساز کے غم میں
کئی نظمیں بھگو کر میرے شانوں پر
بکھیری ہیں

محبت تم نے کب کی ہے؟
محبت میں نے کی ہے
جان جاں تم سے تمہاری آرزو سے
جن کے ریشم سے
تمہاری سرمئی خوشبو نے گرہیں باندھ رکھی ہیں
یہ گرہیں ہاتھ کی پوروں میں آ آ کر
پھسلتی ہیں مگر کھلتی نہیں جاناں
طلسم خامشی ٹوٹے
تو یہ گرہیں بھی کھل جائیں
جو آنکھیں ہجر کی مٹی میں
مٹی ہو رہی ہیں وہ بھی کھل جائیں
محبت تم نے کب کی ہے؟
محبت میں نے کی ہے
تم نے تو اپنی آنکھوں
دور تک اسرار میں ڈوبی ہوئی
اک شام جیسی
سرد آنکھوں میں مجھے تحلیل کرنا تھا
سو میں بھی ایک بے وقعت
سے لمحے کی طرح اب تک تمہارے پاؤں کی
مٹی سے لپٹا ہوں
نہ تم نے پاؤں کی مٹی کو جھٹکا ہے
نہ اس بے وقعت بے مایہ لمحے کو
اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھا ہے
تمہاری خامشی کی اوک میں
مرے لئے کیا ہے؟
سب ہی کچھ ہے مگر اقرار کی جھلمل نہیں ہے
سمندر موجزن ہے اور کوئی ساحل نہیں ہے

☆☆☆

کبھی کبھی زندگی سے ہمیں بہت سی چیزوں کی امید نہیں ہوتی خلاف توقع وہ وقوع پذیر ہوتی ہیں تو نفسیاتی طور پر دل ودماغ کو عجیب دھچکا لگا ہے محبت کرنے والوں کے نصیب میں تو ویسے بھی اچانک عذاب اترتے ہیں، مگر منتشر ہونا، بکھرنا اور شکستہ ہونے کا دکھ ایسا ہے کہ جس کا کوئی سدباب نہیں وہ ہزار ہا اضطرابیوں کو خود پہ جھیلتی حوصلہ مندی سے حالات کا سامنا کرنے کو خود کو تیار کرتی اور

وقت ایک نیا حادثہ لئے منتظر ملتا، پھر سمجھ ہی نہ آتی کیا کرے، کہاں جا چھپے اور کیسے خود کو بچائے تقدیر سے فرار کسے تھا، تقدیر جس کی تیرہ شبی سے انجان وہ خواب بنا کرتی تھی۔

کسی کے ساتھ کی شدت سے تمنا کرتی تھی، وہاج حسن جس کو اپنے سنگ سوچتی تو زندگی کے گزرتے لمحات کچھ اور بھی دلفریب ہو جاتے اور ان لمحوں کی ساری دلکشی سارے رنگ اسے اپنے سنگ دکھتے تو روح تک مہک اٹھتی، ایسے میں وہاج بے ساختہ کہہ اٹھتا۔

''تمہاری آنکھوں میں بکھری چمک مجھے بہت اچھی لگتی ہے جب محبت کے تفخر سے تمہارا چہرہ مسکراتا ہے تو میرے اندر باہر رنگ اترنے لگتے ہیں اور اس لمحے تم مسکرائی، بہت بھلی لگتی ہو، تمہارا چہرہ تمہاری مسکراہٹ بہت خوبصورت ہے۔'' اس کے رخسار پر جھولتی لٹ کو وہ آہستگی سے چھوتا تو اریبہ اس گھڑی اور بھی نکھر جاتی۔

''کبھی کبھی یہ سمجھ دھوکا بھی دے جاتی ہے۔'' وہ اترائے ہوئے بولی۔

''تمہارے معاملے میں، میں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتا کیونکہ تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں تمہارے کہی ان کہی کے سارے بعید، ادھوری باتوں کے مفہوم وہ سب جو تم کہنا چاہتی ہو اور جو کہہ نہیں پاتیں سب مجھ پہ منکشف ہے۔'' کتنے مان سے بولا تھا وہ اور اب۔

''کہاں گیا وہ مان، اعتماد، اعتبار، مجھے مجھ سے زیادہ جاننے کا دعویٰ تم سب مس کر چکے ہو، تم ہی وہ شخص تھے جو زندگی کا محور تھے میں اپنے ساتھ گزرنے والے ہر سانحے اور حادثے سے سنبھل کر اٹھ کھڑی ہوتی تھی تو اس لئے کہ تم میرے ساتھ تھے، تمہارا یقین مجھے حاصل تھا، اس یقین کو گنوا کر میں کیسے جیوں گی۔'' کتنے نمکین پانی کے قطرے اس کی پلکوں کا بند توڑ کر نکلے تھے۔

''میں سمجھتی تھی کہ میں تمہیں بہت جانتی ہوں تمہارے سارے انداز، تیور مجھ پہ عیاں ہیں مگر نہیں وہاج شاید میں تمہیں بالکل بھی نہیں جانتی ابھی تم سے منگنی ہوئی ہے محبت کا تعلق ہے تم اتنے روڈ ہو تمہارا رویہ بھی اسے ایسا ہے لمحوں میں بے توقیر کر دینے والا تو بعد میں تم کیسا برتاؤ رکھو گے، سب کے سامنے ارزاں کر دیتے ہو، کوئی مان کوئی مقام نہیں دیتے یہ کیسی محبت ہے۔''

اسے وہ واقعہ یاد آیا تو نئے سرے سے اہانت کا شکار ہونے لگی سر میں اچانک درد اٹھا تھا اور آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی، دل جیسے مٹھی میں بھینچ گیا تھا، اس کی کوئی غلطی نہ تھی پھر بھی وہ خمیازہ بھگت رہی تھی، اسے کچھ نہ کرنے کے باوجود احساس جرم ستا رہا تھا۔

اپنی اہانت کے شدید احساس سے اس کی آنکھیں جلنے لگیں، چاہے وہ پیدل آتی مگر اکیلی آ جاتی اک ذرا سی بے احتیاطی اسے عمر بھر کا روگ دے گئی تھی وہ تو اس سچویشن اور وہاج کی گفتگو تک کو سوچنا نہیں چاہتی تھی اس کی باتوں کا خیال آتا تو ساری محبت، اعتبار اور وفا زیاں لگتی۔

''ابھی تو بہت زندگی گزارنا ہے وہاج حسن تمہارے ساتھ اور تم نے مجھے ابھی سے تیز دھوپ میں کھڑی کر دیا، یہاں تک، طنز و تشنیع کی ملامت سے سارا وجود جھلس رہا ہے، سانس لینے کے لئے ہوا بھی نا کافی ہے تمہاری بے اعتباری کی گرفت میں میرا دم گھٹ رہا ہے، مجھے احساس گناہ ستا رہا ہے ہر کسی کی نگاہیں الزام دیتی لگ رہی ہیں صرف تمہارے باعث میرے ساتھ ایسا کیوں کیا تم نے؟'' اس کے لہجے میں عجب وحشت اور بے بسی تھی بہت کرب تھا اس کے الفاظ میں بہت

نڈھال لگ رہی تھی وہ۔

''وہ سمجھتا ہے میں پتھر اور بے حس لڑکی ہوں بہت آرام سے سب جھیل جاتی ہوں جو قسمت کرتی ہے جو لوگ کرتے ہیں، سو اس نے بھی کر دیا میں بھلے لاکھ ضبط کروں ہر معاملہ میں، مگر اپنے کردار پہ انگلی کیسے اٹھنے دوں وہ بھی اس کی جس پر مجھے سب سے زیادہ بھروسہ تھا اور اسے اس بات کا احساس تک کیسا سنگدل اور خود غرض شخص ہے وہ جسے میرے ٹوٹنے بکھرنے کا عمل دیکھ کر بھی ترس نہیں آتا، میں اس کے سامنے بڑے ضبط سے اپنے اوپر لگے الزام کو سنتی رہی میں اسے بتا ہی نہیں سکی کہ میرے ساتھ ایسا نہ کرو بہت کچھ جھیل سکتی ہوں سب برداشت کر سکتی ہوں مگر اپنے اوپر اتنا رکیک الزام نہیں، میں اندر سے کمزور ہو چکی ہوں بے حد کمزور۔'' بہت سا پانی اس کی آنکھوں کے کنارے توڑ کر نکلا تھا اور چہرہ بھیگتا چلا گیا، طیبہ تاسف سے دیکھتی رہ گئی۔

''لوگ ڈرتے کیوں نہیں تہمت لگاتے، میں تو کسی کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل نہیں رہی کتنا بے اعتبار کر دیا ہے اس نے مجھے۔'' وہ طیبہ کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

''اریبہ تم کیوں خود کو مجرم سمجھ رہی ہو، تم نے ایسا کچھ نہیں کیا جس پہ شرمندگی ہو، جس شخص کا تم پہ اعتبار اور اتنی کمزور ہے تم اس کے لئے رو کر کیوں خود کو تکلیف دے رہی ہو، اس سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا، صرف تم ڈپریشن کا شکار ہو کے خود اذیتی میں مبتلا ہو گی اور تمہارا یہ رویہ کسی کو نہیں صرف تمہیں نقصان دے گا، تم ڈپریشن کے باعث پہلے بہت مشکلات سے گزری ہو، اب یہ رویہ تمہارے لئے کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے، جانتی ہو نا تم بلکہ تمہیں کوئی سنبھالنے والا بھی میسر نہیں ہے۔''

''تم نہیں جانتی ہو طیبہ مجھے اپنا وجود کتنا مجرم لگ رہا ہے میں سب کی نظروں سے گر گئی ہوں۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان بولی تھی۔

''تم ایسا کیوں سوچتی ہو جبکہ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے، تم نے محض ایک شخص کے غلط تجزیے کو خود پر حاوی کر لیا ہے جبکہ تمہیں یہ سوچنا تھا کہ یہ تجزیہ ایک بیمار ذہن کی نشانی ہے اور کچھ نہیں۔''

''مجھے اس کے رویے میں تبدیلی نظر آ رہی ہے وہ پہلے جیسا نہیں رہا، تم جانتی ہو پہلے وہ ایسا نہیں تھا بہت اچھا کیئرنگ، بونگ تھا ہر چیز کو مثبت انداز میں دیکھنے والا لیکن اب وہ بہت جلد ٹمپر لوز کر جاتا ہے بے اعتبار ہو جاتا ہے، غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے قصور وار گردانتا ہے کیوں ہو گیا ہے وہ ایسا؟'' دکھ اس کی آنکھوں سے ہی نہیں لہجے اور آواز سے بھی جھلک رہا تھا طیبہ اک متاسفانہ سانس کھینچ کر رہ گئی۔

''کتنی بدقسمت ہوں میں، کتنی کمزور کتنی شکستہ ایک اس کے اعتبار نے بہادر بنا رکھا تھا مجھے میں ہر مشکل ہر کڑے وقت ہر دکھ کی تمازت سے اس لئے نکلتی تھی کہ مجھے وہاج حسن کا خود پہ بھروسہ، اعتماد حوصلہ دیے رکھتا تھا اور اب اس کا بے وجہ شک مجھے سچ مچ مجرم بنا گیا ہے، اس نے کہا تھا تو کچھ اور کہہ دیتا کسی اور انداز سے غصہ، گلہ کا اظہار بھلے مجھے مار دیتا مگر اتنا رکیک الزام، اتنے مشکوک الفاظ مجھے میری نظروں سے گرا گئے، اپنی ساری محبت سارا یقین شک کے اک لمحہ میں بھی گنوا دیا، مجھ سے بڑھ کر بدنصیب کون ہے۔ رشتے محبت تقدیر سب سے مات کھا رہی ہوں میں۔''

کتنے ہی آنسو شکستہ خوردہ لہجے کے ساتھ اس کی آنکھوں سے بکھرتے چلے گئے۔

''اریبہ بدنصیب تم نہیں وہ ہے جو تم جیسی خالص لڑکی کو کھو رہا ہے، تم تو بہت سچی اور اچھی لڑکی ہو۔'' انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے طیبہ نے نرمی سے کہا تو وہ ملتجی انداز میں اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''میں اسے کھونا نہیں چاہتی وہ اتنا کچھ کھو چکنے کے بعد میری زندگی کا واحد راستہ ہے واحد خوشی، اکلوتی تمنا، انتہا کی محبت جو پل پل میرے دل میں دھڑکتی ہے، لہو کے ساتھ لمحہ لمحہ رواں ہے میرے لئے وہ میری سانسوں سے بھی زیادہ اہم ہے، اسے کہو وہ میرے ساتھ ایسا نہ کرے، یہ تکلیف دہ رویہ نہ اپنائے۔'' ایکدم ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو طیبہ نے کسی قدر پریشانی سے کیمپس کے لان میں جگہ جگہ بکھرے بیٹھے سٹوڈنٹس کو دیکھا پھر اریبہ کو رسان اور سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''پاگل مت بنو اریبہ تم اس شخص کے لئے رو رہی ہو جس نے اپنے غلط رویے پہ تم سے معذرت کا اک لفظ تک نہیں کہا اور کہے گا بھی نہیں، کیونکہ وہ تمہیں اہمیت نہیں دیتا اگر اس کی نگاہ میں تمہاری اہمیت ہوتی تو تم پہ شک کرنے یا کچھ کہنے سے قبل وہ ہزار بار سوچتا۔''

''اہمیت وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' وہ سرگوشی کے سے انداز میں سسکی۔

''کرتا تھا، شاید اب نہیں کرتا اور ہو سکتا ہے جن خوشیوں کی تم اس سے آس لگائے بیٹھی ہو وہ تمہیں کبھی نہ دے سکے، تم حقیقت پسند بنو، وقت کو، انسانوں کو پرکھنا سیکھو، ورنہ بہت کچھ ہار دو گی اور تمہیں زندگی کو ہارنا نہیں حیرت کو دکھانا ہے اپنے اوپر بہادری بے حسی بے خوفی کا خول چڑھا کے جیسے بڑے لوگ چڑھاتے ہیں۔'' طیبہ کے الفاظ پر بہت آہستگی سے کئی قطرے آنکھوں سے گرے تھے۔

''محبت کرنے والوں کا دل بہت بڑا ہوتا ہے بہت گنجائش ہوتی ہے اس میں سب غلطیاں کوتاہیاں کمیاں کجیاں چھپا لیتا ہے خود میں، میں بھی اس کی ہر بات ہر رویہ بھلا سکتی ہوں صرف محبت کے نام پر۔'' اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا، وہ اپنی ہی رو میں بولی تو طیبہ سر پکڑے محبت کی اس جنونی لڑکی کو دیکھ کر رہ گئی، جسے کہنے کے لئے اس گھڑی تسلی کا کوئی لفظ بھی نہ تھا اس کے پاس بس اک اداسی اور تاسف کی کیفیت آنکھوں سے عیاں تھی۔

وہی چشم نم مجھے ڈھونڈتی
وہی ہاتھ میرے طلب زدہ
وہی ہونٹ مجھے پکارتے
وہی لمس جادو اثر تیرا
تجھے شب کے ساتھ تھا لوٹنا
مگر آہ دل کا یہ فیصلہ
ہوا اعتماد الم زدہ
اے میرے عظیم طلسم گر

مجھے اذن دے دے رہائی کا

☆☆☆

''بھارت ایک سیکولر ملک ہونے کے باوجود ابھی تک ہندوانہ رسم و رواج کا اسیر ہے بھارت کے تقریباً ہر شہر میں کوئی نہ کوئی ایک مقام ایسا ضرور ہے جو ہندو رسم و رواج کے لئے مخصوص ہے اور ان سب میں سے مقدس مقام بنارس کہلاتا ہے جہاں ہندوستان بھر سے ہندو اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے آتے ہیں، اگرچہ بھارت میں عورت کو بہت آزادی مل چکی ہے وہ کھلے عام سڑک پر موٹر سائیکل چلاتی ہے اور گاڑی ڈرائیو کرتی ہے مگر اب بھی ایسی ہندو خواتین موجود ہیں جو اپنی روایات کے مطابق بیوہ ہونے پر زندہ درگور ہو جاتی ہیں اور موت کی منتظر رہتی ہیں۔''

ان کا ٹورسٹ گائیڈ بنارس کے سفر کے دوران انہیں ہندوستانی رسم و رواج کے بارے میں معلومات دے رہا تھا، جسے وہ حیرانی سے سن رہے تھے۔

''ستی کی رسم ہندوستانی معاشرہ میں شروع سے چلی آ رہی ہے یعنی اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو اس خاتون کو اس کے خاوند کے ساتھ ہی جلا دیا جاتا ہے اس رسم کو چتا جلانا کہتے ہیں، کہنے کو وہ عورت اپنی مرضی سے شوہر کے ساتھ جلنا چاہتی ہے، مگر حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''

''حیرت ہے کہ لوگ اس کے خلاف مزاحمت نہیں کرتے۔'' کیتھی تاسف سے بولی۔

''نہیں چونکہ اسے مذہب کا باقاعدہ بنا دیا گیا ہے اس لئے کبھی اس رسم کے خلاف کسی قسم کا احتجاج دیکھنے میں نہیں آیا مگر پچھلے کچھ عرصہ سے الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کی ترقی اور ترویج کے باعث اکا دکا ایسی رپورٹس سامنے آنے لگی ہیں بلکہ کئی موویز میں بھی اس رسم کے غلط ہونے کو ہائی لائیٹ کیا گیا ہے۔''

ٹورسٹ گائیڈ انہیں تفصیلاً بتا رہا تھا، اور تبھی قدرے گنجان علاقہ سے گزرتے ہوئے ان کے کانوں میں کسی کی دلدوز چیخیں گونجنے لگیں، آواز ایسی دردیلی اور دل دہلا دینے والی تھی کہ وہ سب لوگ بے ساختہ خاموش اور متجسس ہو کر اندازہ لگانے لگے جبکہ اپنی تھرلنگ طبیعت سے مجبور ماریا نے فوراً ڈرائیور کو گاڑی اسی طرف موڑنے کا اشارہ کیا تھا جدھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد گاڑی رکی تو ان کی نظریں جیسے نظر آتے منظر پہ ساکت ہو گئیں، ایک سترہ اٹھارہ سالہ خوبصورت نوجوان لڑکی جسے اس کی سسرال والے شوہر کی چتا کے ساتھ جلانے کے لئے آگ کی طرف دھکے دے رہے تھے، مگر اس کا بوڑھا باپ اسے بچانے کی کوشش میں مار کھا رہا تھا، صندل کی لکڑیوں سے تیار کی گئی چتا پر اس لڑکی کو مردہ وجود کے ساتھ آگ دی جا رہی تھی، ماریا اور کیتھرین عورت ہونے کے ناطے جذبہ انسانی ہمدردی کے تحت اپنے حواس کو حاضر کرتی ہوئی آگے بڑھیں چتا ان سے کافی دور تھی اور پوری طرح آگ نے اسے گھیرا ہوا تھا وہ لڑکی جو شاید حاملہ بھی تھی رو رہی تھی تڑپ رہی تھی اس کا پورا وجود آگ میں گھرا ہوا تھا وہ چتا سے اترنا چاہتی تھی مگر وہاں موجود لوگوں نے ناریل چڑھاوے کے طور پر چتا پر پھینکنے شروع کر دیے تو آگ نے زور پکڑ لیا، لڑکی کا کمزور وجود کتنی مزاحمت کر سکتا تھا اس کی چیخیں بلند سے بلند ہونے لگیں، وفد کے سب ارکان اس تک پہنچ چکے تھے لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی چتا پر ایک مردہ اور دو زندہ وجود ایک

ساتھ جل رہے تھے وہ لڑکی اور اس کا ہونے والا بچہ ماحول میں انسانی گوشت کے جلنے کی بڑی خوفناک بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

شاید کسی مذہب یا معاشرے میں کہیں کسی قانون یا رسم و رواج میں عورت کو بیوہ ہو جانے پر زندہ درگور کرنا یا اس سے زندگی کا حق چھین لینا رائج نہیں نہ اسے اچھا سمجھا جا سکتا ہے مگر ہندو مذہب کے مطابق بیوہ ہو جانے والی عورتیں یا تو خود کو ستی کر کے زندگی سے جان چھڑا لیتی ہیں یا خود پر ہر خوشی ترک کر کے زندگی گزارتی ہیں، جو واقعہ وہ لوگ دیکھ چکے تھے اس نے ان سب کے قلب و ذہن پر بڑا برا اثر ڈالا تھا، گاڑی میں واپس بیٹھنے اور بنارس گنگا کنارے پہنچنے تک وہ سب ماؤف دماغ اور ساکت چہروں کے ساتھ خاموش رہے، شاید اس افسوسناک امر پہ بولنے یا کہنے کو ان کے پاس کچھ نہ تھا الفاظ گم تھے تو احساسات بوجھل۔

صبح بنارس کا لفظ انہوں نے اکثر سنا تھا مگر گنگا کنارے بنے بڑے گھاٹوں پر پہنچے تو اندازہ ہوا صبح ہوتے ہی بیوہ خواتین جو بنارس کے آشرم (خیراتی ادارہ) میں قیام پذیر ہوتی ہیں سفید رنگ کی ساڑھیوں میں ملبوس (وہ رنگین ساڑھی نہیں پہن سکتیں نہ ہی سنگھار کر سکتی ہیں) بنارس میں گنگا کے کنارے بنے کیدار گھاٹ پر اکٹھی ہوتی اور اپنے مذہب کے مطابق پوجا پاٹ کرتی ہیں، جس کے بعد دریا کے پانی میں برتن اور کپڑے دھوتی ہیں، ہندو اس دریا کے پانی کو بہت پاک اور مقدس خیال کرتے ہیں جبکہ اس میں تمام شہر کا کوڑا کرکٹ بھی شامل ہوتا ہے، ہندو عقیدے کے مطابق بنارس میں مرنے والا زندگی، موت اور پنر جنم (دوبارہ زندگی) سے آزاد ہو جاتا ہے، جو ہندو مالی استطاعت رکھتے ہیں وہ زندگی کے آخری ایام یہاں گزارتے ہیں تاکہ ان کی راکھ بنارس کے گھاٹ میں بہا دی جائے، جن کی چتا کسی اور شہر میں جلائی جاتی ہے ان کی راکھ بھی بنارس لا کے بہائی جاتی ہے، اس لئے بیوہ خواتین بھی اپنی زندگی کے باقی ایام بنارس میں موت کے انتظار میں گن گن کر گزارتی ہیں، ان کی مرضی ہو یا نہ ہو مگر ان سے امید یہی کی جاتی ہے کہ وہ بقیہ زندگی شوہر کی یاد میں گزاریں، ان بیوہ خواتین کی زندگی آشرم اور گھاٹ تک محدود ہوتی ہے، دنیا میں زندہ ہونے کے باوجود لاتعلق اور موت کا انتظار کرتی ہیں، شوہر کی یاد میں بھی یہ زندگی صحت کے برابر ہے کہ بیرونی دنیا سے ان کا ہر رابطہ کٹ چکا ہوتا ہے نہ تو وہ کسی خوشی کی تقریب میں شامل ہو سکتی ہیں نہ کسی سے مل سکتی ہے بال سنوارنا تک ان پہ حرام ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اکثر خواتین کے سر منڈے ہوئے ہوتے ہیں۔

ماریا الجھ چکی تھی بری طرح ڈپریسڈ تھی اپنے پہلے دورہ بھارت اور موجودہ ہندوستان میں رہتے ہوئے مذہب و رسم و رواج کے نام پہ انسانیت خاص کر عورت کی یہ کھلی تذلیل اسے کسی طور قبول نہ تھی مگر وہ بے بس تھی کچھ بھی کرنے سے اور بے بسی کا یہ احساس اتنا شدید تھا کہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کسی دیوار سے سر ٹکرا لے انسان جب کسی غلط کام پہ احتجاج نہ کر سکے یا برا نہ کہہ سکے تو غم و غصہ سے پاگل ہونا اک فطری سا عمل ہے۔

"کیا ہر مذہب عورت کے حقوق کا غاصب ہے؟ کیا کوئی معاشرہ، کوئی مذہب عورت سے جینے کا حق یوں چھینتا ہے؟ ایسا مذہب کون سا ہے جو عورت کو سر اٹھا کر جینے کا پورا فخر اور آزادی عطا

کرتا ہے؟ وہ معاشرہ جو عورت کی خوشیوں اور حقوق کے تحفظ کا داعی ہے اس دنیا میں کہیں موجود ہے، ہر مذہب و قانون میں عورت کو پسند کیوں رکھا اور سمجھا جاتا ہے؟ یہ وہ بات تھی جو بے تحاشا سوچ کر بھی اسے سمجھ نہ آئی تھی، وہ خود کو ہر پریشانی سے بچا سکتی تھی مگر انسانی جذبہ ہمدردی جو بلا تخصیص مذہب و نسل اس کے اندر زندہ تھا اسے نہیں مار سکتی تھی اور شاید دنیا کی بقاء بھی اسی جذبے میں مضمر ہے، اس کا ذاتی خیال تھا کہ یہ کائنات احتیاج و انحصار کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، انسان خود بھی اسی فطرت کا حصہ ہے اور فطرت بذات خود بری نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ انسان بھی طبعاً اور فطرتاً برا نہیں ہے پھر دنیا میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ سب کس کی کارستانی تھی کیا شیطان کی اس میں انسان اس کا کتنا مددگار تھا؟"

یہ وہ نقطہ تھا جس پہ آ کے اس کا ذہن رک گیا اور وہ اپنے الجھے ذہن کے خلفشار میں پھنسی کیتھرین کے پاس آ بیٹھی یہاں اپنے وفد کے اراکین کے ساتھ وہ ہندو مذہب میں عورت پر ناروا سلوک کے حوالے سے بات چیت میں مشغول تھی اسی گفتگو میں ماریا بھی شامل ہوئی اور پھر یہ باتیں شروع ہوئیں تو مختلف مذاہب کے غلط رسوم و رواج اور صنف نازک سے غیر انسانی سلوک سے ہوتی سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور آیت اللہ خمینی تک جا پہنچیں، اسلام میں عورتوں پر مبینہ جبر جیسے موضوعات پر بھی گفتگو کرتے رہے اور آخر میں ان کا لب لباب یہی تھا کہ جو آزادی و سکون مغرب و معاشرے میں نہیں اور وہ سب ماریا کو قائل کر رہے تھے کہ ہر مذہب میں کیسی تنگیاں اور تفرقے ہیں کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم عیسائیت جیسے بین الاقوامی مذہب سے برگشتہ ہو کر اپنی آخرت و دنیا دونوں تباہ کر رہی ہو، کیا عیسائیت واقعی ہر مذہب سے اچھی روحانی و ذہنی بالیدگی کا اہتمام نہیں کرتا ہے۔

ماریا جوزف نے کچھ نہیں کہا تھا اس کا ذہن جیسے کچھ نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر تھا، وہ سمجھ ہی نہ پا رہی تھی یہ مذاہب کا گورکھ دھند اور کارزار حیات کی الجھنیں سب کا اصل کیا ہے، وہ اس معمے کو بارہ سال کی عمر سے حل کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور ناکام ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ہے ازل سے ملاپ روحوں کا
پیار کب آزما کے ہوئے ہیں
بجلیاں پوچھ کر نہیں گرتیں
حادثے کب بتا کے ہوتے ہیں

بہت خوبصورت دلفریب اور ٹھنڈی شام کا حسن ایک پر رونق جگمگاتی اور ہنگامہ پرور رات کے جوبن پر تھا، ہر طرف ہنسی، قہقہے، شوخیاں اور موتیے گلاب کے پھولوں کی مہکار، سکھیوں، کزنز کی پر لطف چھیڑ چھاڑ اور اس کے پھیلے ہاتھوں پہ بنتے نازک اور خوبصورت عربی سٹائل مہندی کے ڈیزائن۔

زرد رنگ کے مہندی کی مناسبت سے تیار کیے گئے شرارہ سوٹ میں ملبوس کھلے بالوں کے بیچ اجلا چاند چہرہ لئے سہیلیوں کے ہجوم میں وہ مہندی لگوا رہی تھی، بیوٹیشن کے ماہرانہ انداز سے چلتے

ہاتھ اور کچھ دور بجتی ڈھولک کی تھاپ پہ پڑتا فقرہ۔

ساڈا چڑیاں دا چنبہ اے
وے بابل اساں اڑ جانا

اس کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی تھی اور اس نے بے اختیار م سامنے پھرتے اپنے پپا کو دیکھا تھا جن کے پیار و شفقت کی چھاؤں میں وہ اتنے ناز و نعم سے پلی بڑی تھی، ان کی محبتوں کے زیر سایہ ہی کسی اور کی ہونے جا رہی تھی، اس کے ہاتھوں پر لگنے والی مہندی کوئی عام مہندی نہ تھی بلکہ شگن کی مہندی تھی کسی کے نام کی مہندی جس کے خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے۔

لیکن وہ خواب اور ان کی تعبیر یقیناً خوشی، اطمینان اور سکون سے سرشار کر دینے والی ہو گی جبکہ اس کے اندر تو اک گہرا سکوت تھا سناٹے تھے جن سے وہ باہر نہ نکل پا رہی تھی اور شاید یہی اس کی قسمت تھی قسمت جو اسے کچھ من چاہا نہ دے رہی تھی جس سے وہ بہت ناراض اور شاکی تھی۔

"میرے خوابوں کا اعزاز کیا یہی کچھ تھا۔" اس نے بہت دلگرفتگی سے سوچا تھا اور سوگوار آنکھوں میں ہزار ہا سمندر آن رکے تھے، صبا نے اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے بڑی نرمی سے ٹوکا تھا۔

"اونہہ روتے نہیں خوشی کا موقع ہے اور خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں بنا مانگے بنا کوشش کیے بلاتردد خوشیاں ملتی ہیں اور تم انہی خوش قسمت لوگوں میں سے ہو۔" سنعیہ نے سر اٹھا کے بھیگی آنکھوں سے اپنی واحد راز دار دوست کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شائستہ سامنے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں مگر اپنی آنکھوں کی نمی پہ قابو دانستہ آگے نہیں بڑھیں بلکہ صبا کو اشارہ کر کے اسے چپ کروانے کا کہا تھا تو نزہت بولیں۔

"کتنی بری بات ہے سو نو خوشیوں کو ہنس کر سنبھالتے ہیں رو کر نہیں اور تم کوئی واحد لڑکی ہو جس کی شادی ہو رہی ہے، نبیوں، ولیوں سے لے کر ہر انسان نے یہ فریضہ انجام دیا ہے، پھر اب رونے کا کہاں دستور رہا ہے تم بھی خوامخواہ خود کو ہلکان مت کرو۔" مگر وہ نہ تو ان کی بات پہ متوجہ ہوئی تھی نہ اس کے بہتے اشک رکے تھے، صبا نے بہت نرمی سے اسے تھپکتے ہوئے ملائمت سے کہا تھا۔

"سنعیہ، شہریار بھائی بہت اچھے ہیں بس تم اپنے دل کو سنبھالو اور تم خود اپنے بارے میں غلط سلط سوچنا بند کرو تو زندگی کے راستے بہت سہل لگیں گے۔"

"صبا آج کا دن مجھ پہ کیا بہت رہی ہے میرے دل پر کیا گزر رہی ہے کوئی نہیں جانتا سب نے مجھ سے میری ذات کا اختیار چھین لیا اور ایک حق بیٹی ہونے کا چند گھنٹوں بعد وہ بھی پرایا بن جائے گا، اس لمحے میں کتنی بے رقعت ہوں۔" آنسو بہت تیزی سے اس کی آنکھوں سے بہتے گئے تھے صبا چند ثانیوں تک اسے دیکھتی رہی تھی اسے سمجھ نہ آیا وہ اسے کیسے تسلی دے، اس کی اپنی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"اپنی مرضی کا خیال رہا سب کو، میرے لئے کسی نے ایک پل کو نہیں سوچا۔" اسی وقت شائستہ چلتی ہوئی اس کے پیچھے آن رکی تھیں۔

"سنعیہ سب تمہارے اپنے ہیں تمہارے لئے اچھا سوچنے اچھا چاہنے والے اور تمہاری خواہشوں، خوشیوں کے خواہاں تمہیں ہنستے مطمئن دیکھنے کی تمنا رکھنے والے اور اس کا اندازہ تمہیں بہت جلد ہو جائے گا۔" شائستہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"خدانخواستہ تم میں کوئی عیب یا خامی نہیں کہ ہم تمہیں بوجھ سمجھ کر بنا سوچے سمجھے اٹھا کر پھینک دیں تم ایک پرفیکٹ لڑکی ہو اتنی پیاری اور اچھی کہ کوئی بھی اسے ٹھکرا نہیں سکتا اور تمہاری خوش قسمتی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو گا جب شہریار جیسا بہترین بندہ تمہارا ہاتھ تھام رہا ہے۔" انہوں نے نرمی سے اس کا چہرہ چھوا تھا۔

"ماما پھر بھی یوں، ایسے یہ سب؟" وہ ٹوٹے بکھرے انداز میں بولی الفاظ اتنے مدہم تھے کہ صرف وہی سن سکتیں۔

"یہ زندگی بھر کے فیصلے ہیں، جلد بازی میں نہیں ہوتے اور ہم نے بھی بڑا سوچا تھا میں کبھی اپنی بیٹی کو کسی کے سامنے نظر جھکائے دیکھنا نہیں چاہتی نہ تم یہ سمجھو کہ......" وہ کچھ کہتے کہتے یکدم اردگرد دیکھتے ہوئے چپ کر گئیں۔

"تمہارے سامنے خوشیاں رقصاں ہیں چاند، ستارے، جگنو، تتلیاں اور رنگ سب تمہارے قدموں سے لپٹے ہیں، انہیں ہاتھ بڑھا کر دامن میں رکھ لو اور رونا نہیں۔"

"مما پلیز مجھے نہ بیاہیں، اپنے پاس اسی گھر میں رکھ لیں۔" شائستہ نے بے اختیار اسے اپنے سینے میں چھپا لیا تھا اور ہچکیوں سے رونے لگیں۔

محبتوں جیسا چاہت سا دکھ ہے
سکون کی طرح راحت سا دکھ ہے
یہ دکھ ہجرت کا مسافت کا دکھ ہے
فصیل جاں میں ٹھہرتا ہوا سا
رکتا سا دکھ ہے
اجنبی دیسوں کے لئے اذن سفر ہے
کہ اجنبی چہروں کا ساتھ ہو
یہ ہر شہر کا دکھ ہے
یہ ہر گھر کا دکھ ہے
بہار کے موسم میں رونے کا
خزاں میں ہنسنے کا دکھ ہے
یہ ہر تتلی کا دکھ ہے
یہ ہر بیٹی کا دکھ ہے

☆☆☆

طیبہ کے لاکھ سمجھانے اور مجبور کرنے کے باوجود اس نے ٹیوشن چھوڑ دی تھی اور اسے بڑی امید تھی کہ یہ خبر ملتے ہی وہاج حسن ضرور آئے گا، معذرت کے الفاظ معافی تلافی کچھ نہ کچھ کہے گا

مگر بہت سے دن گزرنے کے باوجود نہ آیا اس کے دل کا کہا درد ہو گیا تھا، امی کا پاگل پن کتنا بڑھ گیا تھا یا شہباز جیل سے آچکنے کے بعد پھر انہی عادتوں پہ لوٹ چکا تھا، گھر کا خرچ ایک بار پھر شدید تنگی و عسرت کا شکار تھا۔

مگر اسے کچھ خبر نہ تھی وہ اپنے غم میں نڈھال پوری رات سو نہیں پائی تھی دن بھر اضطراب زدہ انداز میں بے چین پھرتی، خالہ سے بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی، اڑتی اڑتی باتیں پہنچی تھیں کہ وہاج کی نہ صرف ترقی ہو چکی تھی بلکہ اسے خوبصورت اور تمام آسائشوں سے مزین گھر بھی مل چکا تھا جویریہ نے یہ ساری باتیں اِدھر اُدھر سے سن سنا کر اتنا یقین نہیں کیا تھا، جتنا خود دیکھ کر آیا تھا نیا گھر پوش ایریا میں تھا اور بہت عالی شان تھا بلکہ ایک ملازمہ ایک مالی ایک چوکیدار اور باہر کے کاموں کے لئے ایک لڑکا بھی رکھا جا چکا تھا، جویریہ آ کر ہر بات تفصیل سے بتا رہی تھی۔

وہ سب کچھ جو اس کی ماں بہنوں کے خواب تھے جو اریبہ کی آرزوئیں تھیں جس خوشحالی و ترقی کے لئے وہ دعائیں مانگا کرتی تھی، محنت و جانفشانی کے بعد یہ مقام حاصل ہو گیا تھا مگر وہ یہ خوشخبری سننے کے قابل بھی نہ تھی۔

''پہلے بے روزگاری اور تنگدستی معمولی ٹیوشنز اگر میں چپکے چپکے مدد نہ کرتی تو گزارہ نہ ہو پاتا اور معمولی نوکری کے بعد اچھی جاب پھر ترقی کامیابی مگر میں کیا اتنی بری تھی کہ تم نے مجھے یہ بتانا بھی گوارہ نہ کیا میں تو تمہاری خوشیوں کی متمنی اور تمہاری کامیابی کی سب سے بڑی آرزومند تھی۔'' وہ مضمحل سی ہو گئی چہرے پہ ایک دم سناٹے پھیل گئے۔

''سچ آپی اتنا پیارا اور بڑا گھر ہے اور گاڑی اتنی شاندار اوپر سے ثمن ہما اور آمنہ نے ایسے اچھے اور قیمتی کپڑے پہنے تھے کہ کیا بتاؤں ان کا تو رہن سہن اور انداز ہی بدلے ہوئے ہیں ایکدم سے امیر لوگوں والا حلیہ و طریقے۔'' اپنی دھن میں بولتی جویریہ اس کی آنکھوں میں ابھرتی اداسی اور چہرے پہ آتے تاثرات کو جان ہی نہ سکی، پھر چونک سی گئی اریبہ کا چہرہ ستا ہوا تھا آنکھوں کی شفاف سطح میں سرخی اور نمی جھلک رہی تھی، اسے ایکدم سے پتا چلا تھا کہ وہ کیوں اتنی چپ اور اداس ہے۔

''میں نے کہا تھا ثمن سے کہ ہمیں لوگوں سے پتا چلا تم نے بتایا ہی نہیں گھر بدلنے یا وہاج بھائی کی ترقی کا تو بولی۔''

''بس کچھ نئے گھر میں سامان کی سیٹنگ پھر سب اتنا جلد ہوا موقع نہیں ملا، اب میلاد کروانا ہے تو تم سب کو بلاوا دینے گھر آئیں گے۔'' جویریہ اب قدرے تاسف سے بتا رہی تھی۔

''کچھ بھی ہوتا ہم کون سا دشمن تھے ہمارا پہلا حق تھا اس خوشخبری پر۔'' ربیعہ نے کہا۔

پھر نہ ثمن آئی نہ ہما میلاد بھی ان کے بغیر منعقد ہو گیا، خالہ ایک دن آئیں سرِ شام کھڑے کھڑے امی کا احوال پوچھا نہیں گھر آنے کا کہا نہ بیٹھیں نہ کچھ کھایا پیا اور چلی گئیں، کتنا پیار کرتی تھیں وہ اریبہ کے ساتھ بیٹی بیٹی کہتے زبان تھکتی ہمیشہ اسے ''میرے وہاج کی دلہن کہہ کر مخاطب کرتیں اور آج انہوں نے اتنا بھی نہ پوچھا، کیسی ہو، اس کے چہرے پہ چھائی افسردگی، آنکھوں سے جھانکتی پریشانی اور وجود پہ کھنڈتی زردی، کچھ بھی تو انہیں نظر نہیں آیا، کیوں وہ پوری رات ایک

لمحے کو پلکیں نہ جھپکا سکی۔

''کیا روپیہ پیسہ ہی معیار و اخلاق کی کسوٹی تھا، ان کے دن برے تھے تو کیا ہوا خالہ لوگ خود بھی تو ان حالات سے گزرے تھے پھر وہ تو ان کے بیٹے کی منگیتر تھی ان کی سگی بھانجی، اگر ان کے پاس بہت دولت ہوتی تو کیا خالہ پہلے جیسی اپنائیت لئے ملتیں۔''

وہ پوری رات جاگی تھی سوچتے ہوئے، پریشان وہ آج نہیں تھی تکلیف بھی نئی نہ تھی، بلکہ اسے بہت دنوں سے وسوسے ڈرا رہے تھے بہت کچھ سوچ کر ذہن پہلے سے پراگندہ اور ڈسٹرب تھا، کیونکہ خالہ کے گھر کی آسائشیں اور ان کی بدلتی ذہنیت کے قصے آہستہ آہستہ خاندان میں پھیلتے جا رہے تھے اور وہ سب سنتی رہتی تھیں، مگر وہ اس سے بھی بیگانگی برت سکتی ہیں، اس انکشاف نے جیسے دل و دماغ کو چیر کر رکھ دیا تھا، وہاج کے مشکوک الفاظ اور تحقیرانہ لہجے کا صدمہ کم نہ ہوا تھا کہ درد اور سوا ہو گیا، اپنی فکریں، پریشانیاں اسے مزید بڑھتی محسوس ہونے لگیں، صبر و ضبط بہت سا چاہیے تھا خود کو دلاسہ دینے کو مگر کہاں سے حوصلہ لاتی وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی، جی چاہتا تھا، وہاج سامنے آتا تو اور وہ اس کا منہ نوچ لیتی، کتنی دعائیں کرتی تھی وہ اس کے لئے کتنا رویا کرتی تھی اپنے رب سے اس بندے کے لئے آسانیاں مانگتے، آسائشات چاہتے اور اس کی دعائیں مستجاب ہو گئیں تو وہ شخص اس سے ملنا گوارا نہ سمجھتا تھا بلکہ گھر والے تک اجنبیت برتنے لگے تھے، یہ دکھ کم نہ تھا حالانکہ خدا گواہ تھا اس نے اس گھر کے مخدوش حالات میں ہمیشہ بنا کسی لالچ اور غرض کے ان کی ہر ممکن مدد کی تھی اور یہ شخص اس پہ بہت بھار تھا، اس کے جذبوں، محبتوں، اعتماد، وفا اور یقین کا جو اپنے دل کی گہرائیوں میں اس کے لئے بے پایاں محبتیں اور شدتیں چھپائے بیٹھی تھی، جس نے دن رات دعائیں کی تھیں اس کی اچھی ملازمت کے لئے اور بہت سی منتیں مرادیں مان رکھی تھی اس کی ترقی کے لئے۔

اب وہ ایک خوشخبری کی روادار نہ سمجھی گئی وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی مگر آنکھوں سے امنڈتے آنسوؤں کو بہنے سے روکنے میں ناکام ہو رہی تھی اور خود کو اس بیدرد کے لئے سوچنے سے بھی نہ منع کر پا رہی تھی۔

آسمان دیکھ لے!
یہ وہی دل ہے
جس نے ہمیں رسوا کیا
آج ہم بولتے ہیں تو سنتا نہیں
ہم ذرا یہ جھوٹی تسلی کی خاطر
کوئی خواب لا کر اسے دیں
یہ ہلتا ہی نہیں

(باقی اگلے ماہ)

صائمہ حجاب سحر

یونیورسٹی کے اس ڈیپارٹمنٹ میں سب سے افراتفری کا سماں تھا وجہ آج ہونے والا خصوصی فنکشن جو مختلف وجوہات کی بناء پر آج منعقد کیا گیا تھا، ایک وجہ عید ملن پارٹی تھی جو کہ آج عیدالضحیٰ کے چند روز بعد منائی جا رہی تھی جس میں عید کی خوشیاں بانٹنا، دوسرا سب سے بہترین استاد کی میرج ود برتھ ڈے، تیسرا ایک ہونہار کلاس فیلو کی صوبہ لیول کی کامیابی پر ایک ابھرتے ہوئے ہردلعزیز ریڈیو جوکی کو مدعو کرنا تھا جو کہ تمام طلباء وطالبات کی پرزور فرمائش تھی، سو اس طرح سر افتخار اقبال، ہونہار طالب علم احمر نجم اور آر جے دانی مہمان خصوصی قرار پائے گئے۔

تمام اسٹوڈنٹس مختلف اور دیدہ زیب ڈریسز زیب تن کیے بہت پرجوش تھے، حیا بھی سفید اور کالے امتزاج دلکش گھیراؤ اور فراک ود چوڑی پاجامہ ہمیشہ کی طرح پیاری لگ رہی تھی، عمر یہاں ہوتا تو اس کی نظر ہٹتی ہی نہ تھی اس پر سے۔

چونکہ دو مہمان تو یہیں سے تھے سو سب تیسرے اور موسٹ فیورٹ مہمان خصوصی کا انتظار کر رہے تھے، مگر حیا کی تو گویا نظریں گیٹ پہ جمی تھیں، دل بھی عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا، دل کی دنیا کا مالک ہوا کی لہروں پہ سفر کر کے دل میں اتر جانے والا جانے کیسا ہوگا؟ وہ سوچ رہی تھی کہ ندا اسے بلانے چلی آئی۔

کچھ دیر بعد دور اسے عمر نظر آیا مگر وہ اسے دیکھنا نہیں چاہ رہی تھی کم از کم وہاں نہیں تھا اور جہاں وہ اس وقت تھا۔

☆☆☆

اسٹیج نہایت مہارت اور خوبصورتی سے سجایا گیا تھا، تمام گیسٹ آچکے تھے سو کچھ ہی دیر میں تقریب باقاعدہ شروع ہو گئی، چند اساتذہ کے درمیان اسٹیج پہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے براجمان آر جے دانی ہاتھ ہلا کر سب کو وش کر رہا تھا۔

اچانک ہی سیل وائبریٹ ہوا عمر کا نمبر اسکرین پہ جگمگا رہا تھا اس نے بے ساختہ ساتھ بیٹھی اپنی بہترین دوست ندا کو دیکھا جو کہ حیرانی کا لبادہ اوڑھے اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر کچھ کہہ نہیں سکی۔

''میں اپنے اس اسپیشل گیسٹ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا، سو سب سے پہلے میں آر جے دانی سے گزارش کروں گا کہ وہ یہاں ڈائیس پہ تشریف لائیں اور اپنے فینز، اپنے سننے والوں سے لہروں کی بجائے آمنے سامنے ہم کلام ہوں So boys er girls put your hands togather for the one er only rj dani۔'' اسٹیج سیکرٹری نے پرجوش انداز میں کہا تو سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا کال مسڈ کال میں تبدیل ہو چکی تھی اور ایسا پہلی دفعہ تو نہیں ہوا تھا اکثر ہی عمر کی کال حیا سے ایسی ہی عزت افزائی پاتی تھی، کچھ بھی مختلف نہ تھا مگر سب مختلف تھا یا پھر صرف حیا کو اپنے دل میں رہنے والے کو سامنے دیکھ کر ایسا فیل ہو رہا تھا مگر جو بھی تھا اس مختلف نے اسے اندر سے جھنجھوڑ ڈالا، وہ سیل اور بلیک پاؤچ ندا کو پکڑا کر ہال سے نکل آئی، باہر نکلنے تک عمر کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا، ایسا ہمیشہ ہی تو ہوتا تھا عمر ہی کی نگاہیں اسے تلاشتیں رہتی اس سے رابطہ کرتا پیغام کا پہروں انتظار کرتا مگر جواب نہ پا کر پھر سے خود رابطہ کر کے اپنی بے قراری اس پر عیاں کرتا اور وہ ہر بار کچھ نہ کچھ تلخ کہہ جاتی، اس کی لاکھ بے اعتنائی کے باوجود عمر کسی طرح بھی حیا سے

دستبرداری کے لئے تیار نہ تھا۔

"Though you are my listener but i wanna to see you۔" چند دن پہلے ہی تو دانی نے کہا تھا۔

بڑی جدوجہد کے بعد اس نے آر جے دانی کا پرسنل نمبر حاصل کیا تھا اور پھر اسے فون پر رابطہ کیا تھا جو بڑھتے بڑھتے فرینڈشپ میں تبدیل ہو گیا تھا چنانچہ آج دانی کے اس کو کہا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔

"حیا کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ تم مجھ سے مسکرا کر بات ہی کر لو۔" عمر کے الفاظ اس کی یادداشت میں ابھرے۔

"حیا آئی فیل میں آپ میں انٹرسٹڈ ہوں۔" دانی کے کہنے پر اس سے دل کی دھڑکن قابو کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"حیا میری دنیا تم سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔" اب عمر کہہ رہا تھا، اس اقرار کو ڈائیلاگ گردانتے ہوئے اسے اپنی بیزاریت بھی یاد آ گئی۔

آج عمر اور آر جے دانی دونوں اس کے سامنے تھے مگر وہ تو گویا ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی، عقب میں آر جے دانی کی سحر انگیز آواز کے ساتھ عمر کی مچلتی نگاہیں اور ایک بے قرار دل تھا جبکہ اس کے پاس فقط ماضی وہ تلخیاں اور حقیقتیں تھیں جنہیں آج اس لمبی شاہراہ پہ چلتے ہوئے سوچنا تھا اور یہ کام شاہراہ پہ آتے ہی بڑی سرعت سے شروع ہو چکا تھا۔

☆☆☆

"حیا تم میرے ساتھ ایسا کیوں کرتی ہو، میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔"

"کرتے ہو تو کرو مگر ہر وقت پیار کا راگ مت آلاپا کرو عمر۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"تو پھر کیا کروں میں تمہارے معاملے میں بہت بے بس ہوں۔" وہ جذبات کی بھرپور سچائی لئے تھا جبکہ وہ بے زار زاویے چہرے پہ سجائے مروتاً ہی اس سے بات کر رہی تھی، ہاں مگر کہہ نہیں سکتی تھی، ایک دفعہ خود سے دور جانے کا کہہ کر وہ اسے ہاسپٹل تک پہنچا چکی تھی سو اب وہ اس بات کی روادار نہ تھی کہ مزید کوئی ایسی نوبت آئے اور بات پھیلے، بھلے وہ اس کی چاہت نہ تھا مگر تایازاد تو تھا ہی اور اوپر سے گھر ہی ساتھ ساتھ واقع تھے۔

☆☆☆

کانوں میں ہینڈفری ٹھونسے یونیورسٹی کے لان میں وہ ندا کے سنگ بیٹھی مزے سے ایف ایم سن رہی تھی۔

"اف ٹریجک اینڈ یار یہ لڑکیاں لڑکوں پہ اعتبار کیوں نہیں کرتیں؟" ندا نے ڈائجسٹ بند کرتے ہوئے حیا سے استفسار کیا، اس نے کان سے ائیرفون نکالتے ہوئے بات دوبارہ پوچھنی چاہی تھی مگر سیل نے بج کر اس کی نوبت ہی نہیں آنے دی، حیا نے گویا نمبر دیکھتے ہوئے کالر کو گھورا۔

"اف اس شخص کو مجھے کال کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں، سکون سے ایف ایم بھی نہیں سننے دیتا۔" عمر کی کال تھی حیا کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔

"یار کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ ایک تو وہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے اور ایک تم ہو کہ بات کرنے سے یوں کتراتی ہو جیسے وہ کوئی دشمن ہو۔"

"بات کرنی آتی نہیں اور آیا بڑا محبت کرنے والا ذرا سا وجیہہ ہے اور بس۔"

"لیکن پہلے تو تمہیں پسند تھا اب کیا ہوا، جو اس کی کال پر چڑ جاتی ہو۔" ندا نے آڑے ہاتھوں لیا۔

"سچ یار دور ہی کے ڈھول سہانے نزدیک جا کر صرف ڈم ڈم۔"

"اف آئی تھنک مجھے آج تمہاری دماغی و ذہنی، کیفیات، جذبات و خدشات سے آگاہی حاصل کرنا ہو گی، ایک دفعہ بات کو لو پھر پوچھتی ہوں۔"

"تم کہو یار جو کہنا ہے کیونکہ اس شخص کو کال کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تایا جان ابراڈ سے ہر ماہ اس کے اکاؤنٹ میں پیسے جمع کرواتے ہیں اور اسے ضائع کرنے کے لئے میں مل گئی ہوں۔" الفاظ میں بیزاریت عیاں تھی۔

"یار تمہیں کالز اس لئے کرتا ہے کہ وہ تم سے پیار کرتا ہے تمہیں ہر پل اپنے پاس محسوس کرنا چاہتا ہے اور ایک تم ہو کہ......"

"ہاں ایک میں ہوں کہ لبرل مائنڈ ہوں اور وہ بے تحاشا وسائل ہوتے ہوئے بھی اس قدر تنگ نظر کہ اللہ معافی۔"

"یہ بھلا کیا بات ہوئی تم مجھے ایگزیکٹ ریزن بتاؤ اس کے نزدیک جا کر دور ہونے کی یا پھر اسے کیسا دیکھنا چاہتی، یا چاہتی کیا ہو؟"

"یار سمپل مجھے اپنی طرح کے شوخ لڑکے پسند ہیں، جو آزاد پنچھی ہوں جو زندگی کے ہر پل میں خوشی تلاش کریں زندگی کو کھل کر جئیں یار ندا۔" اس نے اپنے دل کی بات بتائی۔

"میں تو کزن کی حیثیت سے اس سے بات کرتی تھی اب اس میں میرا کیا قصور کہ اسے مجھ سے محبت ہو گئی، بات کرنے کا اسے سلیقہ نہیں، کتنی دفعہ تم نے بھی سنا ہے وہ کیسے عجیب سے لہجے میں بات کرتا ہے، ندا جذبات ہی سب کچھ نہیں ہوتے، زندگی گزارنے کے کچھ طریقے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور مجھ جیسی لڑکی یو نو کہ کتنی کانشس ہوتی ہے، بولنے، اوڑھنے پہننے میں، سیدھی سی بات ہے وہ میرا آئیڈیل نہیں۔"

"تو پھر تمہارا آئیڈیل کیسا ہے، یہ بھی ارشاد فرما ہی دو۔" ندا جل کر بولی۔

"یار میرا دل کرتا ہے مجھ سے وہ شخص محبت کرے جو کئی دھڑکنوں کا مالک ہو بہت سے لوگ اسے جانتے ہوں وہ بہت فیم رکھتا ہو، وہ ایک ریڈیو جوکی ہو، وہ آر جے فر فر بولنے والا، فل اسپیڈ، اسٹائلش لائیک می......" وہ گویا اسے تصور میں محسوس کر کے مسکرا رہی تھی۔

"چلو اللہ ہی حافظ ہے مل گیا تمہیں تمہارا آئیڈیل اور ویسے بھی یہ آئیڈیل وغیرہ کچھ نہیں ہوتے انسان آئیڈیل کو تلاشتے زندگی گزار لیتا ہے اور ملتا وہی ہے کو قسمت میں ہوتا ہے سو میری مانو تو عمر کو رشتہ بھیجنے دو اور......"

"اف ندا چھوڑو مجھے اندازہ ہو گیا ہے تمہاری ہر تان رشتے پہ آ کر ٹوٹے گی سو اس موضوع پر پھر ڈسکس کریں گے فی الحال تو تم بھی پروگرام سنو شروع ہو گیا ہے۔"

"ہوپ سو آپ نے یہ گانا انجوائے کیا ہو گا جن جن لوگوں نے ہمیں ابھی ٹیون ان کیا انہیں کہوں گا خوش آمدید، ویلکم تے ست بسم اللہ اور جو لوگ پروگرام کے شروع سے ہمارے ساتھ ہیں ہوا کی دوش پہ یہ سانگ ان سب کے نام۔" ندا کی کہی گئی مزید کوئی بات وہ آر جے کی آواز کے باعث قطعاً نہیں سن سکی، اب وہ مکمل طور پر پروگرام سننے میں محو تھی۔

☆☆☆

چند دن بعد رمضان المبارک شروع ہوا تو اس نے ایف ایم سننا ذرا کم کر دیا، رمضان میں عمر کی کالز بھی کم ہو گی اور پھر آہستہ آہستہ کالز آنا

بالکل بند ہو گئیں شاید وہ بزی تھا مگر محبت بھرے میسجز اسی تواتر سے جاری تھے ہر روز تقریباً چار پانچ میسجز تو ضرور آتے وہ بھی جذبات سے بھرپور گویا کالز کی کسر ایس ایم ایس میں نکل جاتی، اس نے کالز نے آنے پر شکر کیا مگر پھر پریشانی نے آ گھیرا، جب عید کے روز بھی نہ اس نے کال نہ ہی کوئی وش کارڈ اور نہ ہی ملنے آیا، ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا تو پھر اب کیا ہوا؟

اس دن وہ فارغ ہی تھی کہ تائی جان نے بلا لیا، کوئی اور دن ہوتا تو وہ معذرت کر لیتی مگر اب تو یہ بھی جاننا تھا کہ عمر نے اپنا رویہ کیوں بدل لیا ہے انسانی فطرت ہے جب کوئی اسے اگنور کرے تو وہ اسی طرف لپکتا ہے، تائی جان سے ملنے کے بعد عمر کو ڈھونڈنے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔

''یار تو پاگل ہے جو جذبات اس پہ ضائع کر رہا ہے اور وقت بھی، وہ تجھ میں انٹرسٹڈ نہیں اور نہ کبھی ہو گی۔'' اس کا بہترین دوست فائق، عمر کو کہہ رہا تھا جبکہ اس کے کمرے کے دروازے کو ناک کرتے حیا کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔

''یار دنیا میں اک وہی تو لڑکی نہیں رہ گئی نا عمر میری جان زندگی انجوائے کر، نکل آ اس محبت کے خول سے باہر، کچھ حاصل نہیں۔''

''نائمہ نے کتنا اچھا مشورہ دیا تھا تمہیں۔''

''سیدھی طرح کہو نا کہ جیسے نائمہ کے کہنے پر کالز ختم کیں ہیں ایسے ہی میسجز کرنا بھی چھوڑوں حیا کو۔'' وہ دھیرے سے عجب انداز میں مسکرایا۔

''کیا یہی ہے اس کی چاہت دوسروں کے کہنے پر رابطہ ختم کرنا، میں ہی پاگل تھی جو پریشان ہو کر ملنے چلی آئی دوستی کے لحاظ سے، ہونہہ۔'' وہ الٹے قدموں لوٹ گئی اور پھر گھر آتے ہی پہلا کام عمر کو میسج کرنے کا کیا۔

''عمر آج کے بعد مجھ سے کسی قسم کا رابطہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہمیشہ کے لئے خدا حافظ سنا تم نے بائے فار گڈ۔'' بنا کسی وضاحت و تمہید کے اس نے میسج بھیج کر گویا سب ختم کر دیا، عمر کافی دن تک رابطہ ختم کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر بے سود، کیونکہ حیا کو اب مزید کوئی رابطہ نہیں چاہتی تھی۔

عمر گھر آتا تو کمرے ہی سے نہ نکلتی اور اس گھر تو جانا مکمل بند کر دیا، آخر وہ بھی خاموش ہو گیا ویسے بھی جذبات کی توہین آخر کوئی کب تک برداشت کر سکتا ہے۔

☆☆☆

''السلام علیکم اینڈ السلام علیکم ٹو آل لیسنرز۔ امید کرتا ہوں میرے تمام سننے والے ہونگے بالکل ٹھیک ٹھاک، ہنستے مسکراتے زندگی کے ہر پل کو انجوائے کرتے ہوئے جہاں جہاں سنی جا رہی ہے میری آواز سب کو ویلکم۔''

''ہم گھڑی کی سوئیاں رات کے دس بجا کر چھ منٹ کا عندیہ دے رہی تھیں، ویوز پہ سفر کرتی اتر رہی ہے آپ کی سماعتوں کے آپ کے دل میں آر جے میری یعنی آر جے دانی کی آواز آپ اور ہم مل کر ان دو گھنٹوں کو بنائیں گے خوبصورت سو لیسنرز آر یو ریڈی۔''

کافی دنوں بعد اس نے ایف ایم ریڈیو ٹون کیا تو آر جے عرفان کی بجائے آر جے دانی کی چہکتی آواز سنائی دی، شاید نیو آر جے تھا کیونکہ اس سے پہلے حیا نے اسے نہیں سنا تھا، دانی کی آواز بڑی خوبصورت تھی اور اسے اچھا بھی لگا۔

وہ رات دس بجے ہر اس فریکوئنسی کو سنتی جو مہیا ہوتی، سو سونگ کے دوران اس نے سرچ کیا تو کہیں غزل شو اور کہیں مباحثہ تھا سو اس نے دوبارہ وہی فریکوئنسی ٹون کر لی۔

شو واقعی مزے کا تھا، اس نے کانوں میں ہینڈ فری لگائی اور سننے کے ساتھ ساتھ یونی کا کام کرنے لگی، نو ڈاؤٹ آر جے واقعی قابل تھا، دو گھنٹے کب گزرے اسے پتہ ہی نہ چلا، اگلے روز شعوری طور پر اس نے وہی فریکوئنسی ٹون کی دانی کا شو سننے کے ساتھ ساتھ آج وہ کال کرنے کا بھی ارادہ رکھتی تھی۔

''ابھی جو سونگ میں پلے کرنے جا رہا ہوں شیور لی آپ کے دلوں کو ٹچ کرتے ہوئے آپ کو بہت کچھ یاد دلا دے گا کبھی نہ کبھی تو ملو گے ہم کو یقین ہے، سو میرے بتائے ہوئے نمبر کو ڈائل کرتے رہیے، کیپ انجوائنگ اینڈ سٹے ود می رات بارہ تک۔''

جونہی سانگ شروع ہوا اس نے کال ملائی، کافی دفعہ بزی ہونے کے بعد کال مل گئی۔

''السلام علیکم کون ہے ہمارے ساتھ۔'' دانی کی خوبصورت آواز حیا کی سماعتوں سے ٹکرائی، آواز کچھ شناسا سی لگی۔

''وعلیکم السلام میں حیا بات کر رہی ہوں۔'' وہ اعتماد سے بولی، مگر ہاتھوں میں لرزش تھی، ادھر ذرا خاموشی ہوئی۔

''Firstly haya welcome to my show and how are you۔''

''تھ...... تھینکس اینڈ ایم فائن اینڈ یو۔'' جانے کیسے کانفی ڈینس لوز ہونے لگا۔

''گریٹ سو واٹ ڈو یو ڈو؟''

''میں...... میں بی ایس سی کر رہی ہوں۔''

''اوواؤ اینی وے واٹ ود ڈیو لائیک ٹو سے آباؤٹ مائی شو آباؤٹ می، کاز آئی ایم نیو۔'' اس کے انداز و الفاظ سے وہ صحیح معنوں میں پزل ہونے کو تھی، اس قدر سحر انگیز انداز میں وہ فر فر انگلش بولتا اسی سے ہم کلام تھا۔

''شو اینڈ یو آئی مین سپر سے سپر۔''

''او تھنک یو سو ویری مچ۔'' اس کا اسپیکنگ اسٹائل واقعی مسحور کن تھا۔

''آر جے دانی کیا ہم پہلے بھی کبھی بات کر چکے ہیں؟'' دل کا تجسس زبان پر آ گیا۔

''کک...... کیا مطلب؟'' حیرانگی بھرا استفسار ہوا۔

''آئی مین آپ کی آواز یوں لگتا ہے جیسے پہلے بھی کہیں سنی ہے۔''

''ویسے بھی بہت سی آوازیں سن کر ہمیں شناسا با فیل ہوتی ہیں اینی وے۔

Yeah you are right so would you like to say anything eise?'' اب کے وہ وہی پراعتماد لہجہ روانی سے مخاطب تھا، وہ اچانک ہی خاموش ہوئی ایک دفعہ تو سمجھ ہی نہ آیا، کیا کہے مگر پھر اعتماد بحال کر لیا۔

''اوں، کہنا تو یہی ہے کہ یور وائس اینڈ ایکسینٹ از گریٹ ایم رئیلی امپریسڈ۔''

''O so nice you ok take care dude, It was gud er pleseni to talk to uoy bye۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا۔

وہ واقعی نروس ہو گئی تھی کال اینڈ کرنے کے بعد کافی دیر بعد اس نے خود کو پرسکون کیا، بات کرتے ہوئے تو دل تیز دھڑک رہا تھا، زندگی میں پہلی بار اپنے آئیڈیل سی آواز سے بات کی تھی وہ واقعی بے حد متاثر تھی، وہ خوش تھی گویا جس کا تھا انتظار وہ مل گیا۔

پھر تو ہر روز دانی کا ہر لفظ اس کی سماعتوں

کے رستے واقعی دل میں اتر رہا تھا اور اس کا تو گویا رواں رواں سماعت بن جاتا۔

''آپ سن رہے تھے ''دل عبادت'' ابھی مجھے چاہیئے ہے آپ سے اجازت اسی دعا کے ساتھ کہ جہاں رہیں گے خوش رہیں زندگی کی رعنائیوں سے پر لطف ہوتے ہوئے اپنے حدف و پالیں گے اور ان کو جنہیں آپ چاہتے ہیں ساتھ ہی ساتھ جاتے جاتے ایک چھوٹی سی بات کہوں گا کبھی کسی کے لئے آنسو مت بہایئے گا کیونکہ جو ان آنسوؤں کے قابل ہو گا وہ آپ کو کبھی رونے نہیں دے گا نا ڈ ٹائم ٹو گو، ٹائم تو سائن آؤٹ، سو سٹے ہپی کیپ ادرز ہپی ملیں گے آج کے ہی دن۔''

''لیکن سنو، ہاں تم ہی...... ارے بابا سنو تو تم سے ہی کہہ رہا ہوں۔'' وہ خمار زدہ لہجے میں بولا حیا کا دل بے ساختہ دھڑکا۔

''انتظار کرنا۔'' سرگوشی میں کہے گئے الفاظ بے اختیار اس کی دھڑکن تیز کر گئے، وہ اسے سوچتی چلی گئی۔

''انتظار کرنا۔'' الفاظ ابھی بھی سماعتوں میں گونج رہے تھے اب پڑھنے کو قطعی دل نہیں کر رہا تھا سو بکس وہیں چھوڑ کر وہ ٹیرس پہ نکل آئی، موسم بہت سہانا تھا اسے عجیب محبت بھرا احساس ہونے لگا۔

ہر آر جے کو سن کر اسے اچھا لگتا تھا مگر آج تو ہر ادا ہی نرالی تھی جذبات بھی لہک رہے تھے، لاشعوری طور پہ وہ عمر کا مقابلہ دانی سے کر رہی تھی نہ جانے کیوں؟ کافی وقت گزر گیا، لائیٹ بھی آف ہو چکی تھی مگر وہ وہیں کھڑی رہی چاند کی چاندنی اس کے اردگرد روشنی بکھرے اسے مسکرانے پہ مجبور کر رہی تھی۔

اتنے میں تایا ابو کے گھر کے سامنے گاڑی آ رکی، نکلنے والا تو عمر تھا مگر ڈرائیونگ سیٹ پر نہایت خوبصورت لڑکی براجمان تھی نکلنے سے قبل وہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی، اس نے غور سے دیکھا وہ عمر کی کلاس فیلو نائمہ تھی۔

''ہونہہ۔'' اس نے نخوت سے کہا اور رخ پھیر گئی، عمر نے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے چاند کی روشنی میں نظر آتی حیا کو نظر بھر کر دیکھا اور اندر بڑھ گیا۔

☆☆☆

چند ہی دنوں میں آر جے دانی کے ہر طرف چرچے ہونے لگے سننے والوں میں وہ بہت پاپولر ہوتا چلا گیا، ہفتے کی بجائے اب تین شوز کرنے لگا، حیا اس کا کوئی شو نہ تو مس کرتی نہ ہی کال کرنا بھولتی، وہ بھی تو اسے بہت اہمیت دینے لگا تھا۔

آج بھی وہ حسب عادت مکمل طور پر محو ہو کر پروگرام سن رہی تھی۔

''تو پک میں بتا چکا ہوں سو ابھی کال کریں اور اپنے خیالات کا برملا اظہار کریں فی الحال بڑھتے ہیں ایک سپر نمبر کی طرف۔'' لہروں پہ اب دانی کی بجائے مووی راز تھری کا دلوں کو چھو لینے والا سانگ ''زندگی سے'' چل رہا تھا، اس نے آرام سے اپنا پسندیدہ گانا سنا اور سات منٹ کے کمرشل پیکج کے دوران کال ملانے لگی مگر کال دوسرے لنک کی بجائے چوتھے لنک بمشکل ملی وہ بھی آف آئیر۔

''کہاں تھی آپ اتنی لیٹ کال کی؟'' اخلاقیات نبھا کر دانی نے مسکرا کر شکوہ کیا۔

''کیوں آپ انتظار کر رہے تھے؟'' وہ کچھ دل میں مغرور سی ہوئی۔

''اگر ہاں کہوں تو؟'' وہی خمار آلودہ یقین دلاتا لہجہ۔

''تو میں قطعی یقین نہیں کرونگی۔'' وہ ہنسی۔

''وہ بھلا کیوں؟''

''کیونکہ اب تک سیلبر ٹی مجھ جیسی عام لڑکی کا ویٹ کر ہی نہیں سکتا۔''

''حیا آج کے بعد خود کو عام مت کہنا اگر آپ عام ہوتیں تو میں کبھی بھی آپ سے شکوہ نہ کرتا۔'' وہ جانے کیا ثابت کرنا چاہ رہا تھا وہ مسکرا دی۔

''تھینکس کیا میں آپ کو فیس بک پہ دیکھ سکتی ہوں۔''

''Not yet مگر جب بھی میں نے فیس پیج بنایا آپ کو بتاؤں گا۔''

''او کے آپ کا فل نیم کیا ہے؟''

''جلدی کس بات کی ڈیئر نام بھی پتہ چل جائے گا اور آپ دیکھ بھی لیں گی جسٹ ویٹ۔'' وہ آج آف ائیر بات کرتے ہوئے مکمل فائدہ اٹھا رہا تھا۔

وہ مصلحتاً مسکرا دی مگر کیا بتاتی اسے دیکھنے کو کتنا بے تاب تھی وہ اس کے لئے اتنی اہمیت رکھتا تھا کہ اس سے بات کرتے کال کرتے نروس ہو جاتی تھی اور اکثر تو کتنی ہی دیر ہاتھوں سے لرزش نہ جاتی، اب بھی بیٹھی وہ کتنی دیر خود کو سنبھالتی رہی۔

☆☆☆

آج دانی کا شو بھی تھا اور کزن کی شادی بھی، وہ بھی نائٹ فنکشن اس نے جانے سے انکار کیا مگر امی نے ایک نہیں سنی، آخر وہ سات بجے تیار ہو کر میرج ہال چلی ہی گئی، کزنز کے ساتھ کافی انجوائے کیا مگر جونہی گھڑی نے دس بجائے بے چینی رگ و پے میں سرائیت کرنے لگی اس کا جی چاہا سب چھوڑ چھاڑ کر ایف ایم ریڈیو ٹیون کرے مگر سب کیا کہتے، سب کے سامنے ہینڈ فونز لگا کر وہ اپنی ریپو خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اوپر سے سیل فون بھی گھر رہ گیا تھا کہ اسے کال ہی کر کے آواز سن لے۔

وہ پہلے ہی کلسی بیٹھی تھی اتنے میں عمر آتا دکھائی دیا، وہ اسے بلانا تو نہیں چاہتی تھی مگر کچھ سوچ کر اس کی طرف بڑھی۔

''عمر تم لوگوں نے واپس کب جانا ہے۔'' اس کے اچانک مخاطب کرنے پر وہ گڑبڑا گیا۔

''کک...... کیوں اونن...... نہیں میرا مطلب ہے فی الحال تو ادھر ہی ہیں۔'' عمر کے اس طرح نروس ہو کر بولنے پر اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا، نہ چاہتے ہوئے بھی ناگواری نے چہرے کے نقوش پہ احاطہ کیا۔

''ایک تو مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی کہ تمہارا پرابلم کیا ہے؟ تم بات کرتے وقت اتنے نروس کیوں ہوتے ہو؟ اچھے خاصے پڑھے لکھے ہو مگر عادات گنواروں جیسی، تم واقعی ایسے ہو یا جان بوجھ کر کرتے ہو؟'' وہ کہاں کی تپش کہاں نکال رہی تھی۔

''حیا تم...... تم مجھ سے ناراض کیوں ہو؟'' تقریباً دو ماہ بعد وہ اسے نزدیک سے دیکھ رہا تھا سو ناگواری اور سوال دونوں نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنی ان سہیلیوں سے پوچھو جو ہر وقت تمہارے آس پاس رہتی ہیں۔'' اپنی بات نظر انداز کیے جانے پر وہ اور کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''لیکن حیا، تم جانتی ہو میں تمہیں چاہتا ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں، وہ سب تو کلاس فیلو ہیں ان سے بات کرنا کوئی معیوب تو نہیں۔''

''ہونہہ چاہتا ہوں The hell with your love۔'' کہہ کر وہ وہاں سے ہٹ گئی اور عمر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

☆☆☆

"اوہ مائی گاڈ مجھے ذرا یقین نہیں آ رہا ایک ایسا شخص جو فقط میری سوچ میرے تخیل میرے خوابوں میں تھا نہ صرف مجھے مل گیا بلکہ...... اس کے ساتھ کونٹیکٹ بھی ہو گیا۔"

یونیورسٹی آتے ہی حیا شروع ہو چکی تھی، رات ہی تو اس کے ساتھ اس کی آف ائیر تفصیلی بات ہوئی تھی۔

"ارے بابا بتاؤ گی بھی کیا ہوا؟" ندا نے حجاب درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"یار مجھے میرا آئیڈیل مل گیا ہے، یو نو وہ کہتا ہے وہ میری کال کا ویٹ کرتا ہے، اس نے کہا حیا یو آر مائی لسنر بٹ آئی وانٹ ٹو سی یو۔" اسے گویا سب حرف حرف یاد تھا۔

"اوہ گاڈ اور پتہ ہے اس نے کہا، آئی فیل میں آپ میں انٹرسٹڈ ہوں۔" وہ گویا خود کو ہوا میں اڑتا محسوس کر رہی تھی اور پھر سارا دن اس کے لب پہ آر جے دانی کی باتیں رہیں، اسی دن اسے یونی سے عیدالاضحیٰ کے بعد ہونے والے فنکشن میں آر جے کو انوائیٹ کرنے کی خبر ملی اور اب وہ انتظار میں تھی کہ جلد سے جلد وہ آن ائیر ہو اور وہ اسے بتا سکے کہ وہ بھی اس یونی میں پڑھتی ہے۔

☆☆☆

آج حج کا مبارک دن تھا تائی امی کی طبیعت ناساز تھی تو انہوں نے حیا کو شام کا کھانا بنانے کے لئے بلوا لیا کیونکہ آج وہ ختم بھی دلانا چاہ رہیں تھیں سو حیا نے بخوشی تائی اماں کی طرف آئی اور دل لگا کر کھانا تیار کیا۔

چاولوں کو دم لگا کر وہیں کرسی پر ٹک گئی، سوچنے کو تو تقریباً ہر وقت دانی کو سوچتی مگر کل سے تو گویا وہ اس کے اعصاب پہ حاوی تھا، یونہی شادی کی رات شو نہ سننے پہ اگلے روز کی جانے والی کال سطح ذہن پر ابھری جب اس نے کیا کہ میں اپنی کزن کی شادی کے باعث کل آپ کا پروگرام سن نہیں سکی تو آگے سے دانی نے بتایا کہ میں طبیعت کی خرابی کے باعث کل پروگرام کر ہی نہیں سکا۔

"ہوں تو اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہونا۔"

"شاید۔" وہ مسکرائی۔

"شاید نہیں یقیناً نادان لڑکی اور ویسے بھی ہم دونوں کے خیالات بہت میچ کرتے ہیں۔"

"حیا بیٹا کھانا بن گیا کیا؟" اتنے میں تائی جان آ گئیں تو وہ مراقبے سے نکل آئی۔

"جج...... جی چاول بن گئے ہیں، سالن بھی بس پانچ منٹ تک ہو جائے گا اور آٹا بھی گوندھ لیا ہے۔"

"جیتی رہو اللہ تمہاری قسمت اچھی کرے آؤ میرے پاس بیٹھو، حرا اور فرح (عمر کی بڑی بہنیں) کی شادی کے بعد میں تو تنہا ہی رہ گئی ہوں۔"

"تو آپ عمر کی شادی کر دیں نا گھر میں کوئی آئے گی تو تنہائی ختم ہو جائے گی۔" درحقیقت وہ اپنا راستہ صاف کر رہی تھی۔

"اس کی شادی کیا کروں وہ ملتا ہی کب ہے ہر تیسرے روز کمبائن اسٹڈی کرنے چل پڑتا ہے رات ایک دو بجے واپس آتا ہے اور دن کو بھی گھر سے غائب۔"

"تائی امی شادی ہو گئی تو خود ہی قید ہو جائے گا کہیں تو کسی دوست کا بتاؤں شادی کے لئے۔" وہ مسکرا رہی تھی تائی جان بھی مسکرا دیں مشورہ برا نہ تھا۔

"مس حیا اپنے نادر مشورے اپنے پاس رکھیں میرے متعلق میری ماں کے کان بھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ نک سک سے تیار اچانک ہی کمرے سے برآمد ہوا، اس کی تو آج ہر ادا ہی نرالی تھی، سخت گمبھیر لہجے میں کہتا یہ جا وہ جا اور وہ ہکا بکا اس کی اس تبدیلی پر بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

عید کے دن حرا اور فرح بھی آ گئیں سو وہ تایا ابو کے گھر چل دی، ایک بھرپور دن گزرا عمر سارا دن قربانی کے سلسلے میں باہر مصروف رہا سو اس سے ٹاکرا نہیں ہوا، رات کو فارغ ہوا تو حرا اور فرح نے گھومنے کی فرمائش کرتے ہوئے حیا کو بھی بلا لیا، لیکن وہ تو عمر کو اک نظر دیکھنے تک کی روادار نہ تھی سو انکار کرنا چاہا مگر ان کے پرزور اصرار پہ چار و ناچار اسے جانا پڑا، آج وہ سیل اور ہینڈ فری لے جانا ہرگز نہیں بھولی تھی کہ نائیٹ اسپیشل میں دانی کا شو تھا گو کہ ابھی آٹھ بجے تھے مگر دیر بھی ہو سکتی تھی سو احتیاط برتی سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے بڑے الگ اور چھوٹے الگ۔

"حیا تمہاری عید کیسی گزری۔" اچانک عمر نے حیا سے پوچھا۔

"اچھی رہی مگر میری اصل عید تو چار دن بعد ہو گی۔"

"کیا مطلب......؟" وہ حیران ہوا چار دن بعد کیوں؟

"یار چار دن بعد یونی میں فنکشن ہے۔" اس نے عمر کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا جبکہ وہ ویو مرر سے متواتر اسی کو دیکھ رہا تھا، حیا بات کرنے کے ساتھ ساتھ موبائل پر ایف ایم بھی سیٹ کر رہی تھی۔

"ایف ایم پہ کس کا ویٹ کر رہی ہو؟"

"دانی کا۔" بے ساختہ منہ سے پھسلا۔

"آئی مین آر جے دانی کا شو سننا ہے وہ بہت اچھا شو کرتا ہے۔" وہ وضاحت دیتی بولی۔

"لیکن وہ تو آج نہیں آئے گا، میں بھی اسے سنتا ہوں کل وہ بتا رہا تھا۔" اس نے گھور کر اسے دیکھا وہ بس مسکرا کر رہ گیا۔

وہ نہ آیا، اگلا دن بھی انتظار کرتی رہی مگر وہ نہیں آیا، عمر پہ وہ جتنا غصہ کر سکتی تھی اس نے کیا تھا۔

☆☆☆

فنکشن والے دن وہ بہت پرجوش تھی کہ عمر اپنا پسندیدہ ترین لباس زیب تن کیے آ گیا جبکہ وہ اسے اس ڈریس سمیت زہر لگ رہا تھا، سو اس نے گھور کر کھا جانے والی نظروں سے دیکھا جبکہ وہ دھیما سا مسکرا دیا۔

"آج واقعی یونی فنکشن میں کوئی آر جے انوائیٹڈ ہے یا یونہی سوشا چھوڑا ہے کسی نے۔" وہ بہت ایکٹو لگ رہا تھا۔

"تمہیں اس سے کیا؟" اس نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"نہیں مجھے بھلا کیا، میں تو کہنے آیا تھا کہ میں بھی آج تمہاری یونی جا رہا ہوں واپسی پہ تم میرے ساتھ ہی آ جانا کیا خیال ہے......؟" اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

"وہ کلاس فنکشن ہے کوئی میلہ نہیں جہاں تم بھی جا رہے ہو۔"

"مائی ڈئیر یہ ٹینشن تمہاری ہرگز نہیں تم بتاؤ آؤ گی میرے ساتھ۔"

"نہیں جی مجھے تمہاری سنگت میں آنے جانے کی کوئی ضرورت ہے نہ شوق۔" اس نے کینہ توز نظریں آئینے میں آتے اس کے عکس پہ ڈالیں۔

"ہوں۔" اس نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"اوکے ایز یو لائیک۔" وہ اصرار کیے بنا

لوٹ گیا۔

''ہونہہ آیا بڑا مجھے ساتھ لانے والا۔'' زیر لب کہتی وہ تیار ہو کر ندا کا ویٹ کرنے لگی دونوں نے اکٹھا جانا تھا۔

آر جے دانی سے ملنے اسے دیکھنے کو وہ بے تاب تھی آخر دانی وہ شخص جو آئیڈیل کا روپ دھارے نہ صرف اس کے سامنے تھا بلکہ اس کا متمنی بھی تھا، اس کو دیکھنے اس سے ملنے کے لئے ایک ایک پل گن کر گزارہ تھا مگر جب سامنے آیا تو صحیح معنوں میں اسے دن میں تارے نظر آئے اس نے بھلا کب سوچا تھا کہ وہ ایسے شخص کی چاہت اور آرزو کرے گی جو اس کا آئیڈیل کسی صورت نہیں ہو سکتا تھا، یہ شخص بھلا میرا آئیڈیل کیسے ہو سکتا ہے، دانی کی آواز نے گویا اپنے آئیڈیل کے سامنے اسے رسوا کر دیا وہ فوراً وہاں سے نکلی تھی اس سے زیادہ برداشت اس میں نہیں تھی۔

☆☆☆

زندگی کے اٹھارہ سال عمر دانیال نے حیا کی سنگت میں گزارے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ عمر کی ذات میں بہت اہمیت حاصل کرتے ہوئے گویا اس کی روح میں بسی تھی مگر حیا کی سوچ اور تقاضے دونوں عمر سے مختلف تھے اسے پسند نہیں کرتی تھی اس بات کا احساس کبھی نہیں ہوا وہ ہر ہر قدم پر اسے ڈس ہارٹ کرتی رہی وہ سب کچھ محسوس کرتے ہوئے بھی پیچھے ہٹ نہ سکا، اپنے دل اور جذبات کے باعث وہ اس کا ہر رویہ برداشت کرتا رہتا۔

''یار عمر آر جیز کے لئے ٹریننگ ہو رہی ہے تم بھی آڈیشین دو اور ہمیں جوائن کرو، کیوں نائمہ عمر بن سکتا ہے نا ریڈیو جوکی؟'' فائق کی بہن نائمہ کا شوہر آر جے عرفان مسکرا کر پہلے عمر اور پھر نائمہ سے مخاطب ہوا۔

''ارے نہیں بھائی میں کہاں۔'' عمر نے پہلو تہی کرنی چاہی۔

''نہیں یار تم بن سکتے ہو، تمہاری آواز میں ایک کشش ہے تمہاری انگلش بہت زبردست ہے بات کرنے میں ایک مخصوص اسٹائل ہے جو کہ یقیناً تمہیں سب سے منفرد اور پاپولر کر دے گا۔'' عرفان پر یقین تھا وہ ایسا تھا بھی۔

''لیکن بھائی مجھ میں کانفی ڈینس بہت کم ہے۔'' اب کے عمر نے ایک اور تاویل پیش کی۔

''مائی ڈیئر تمہارا یہ اعتماد فقط حیا کے سامنے ہی رخصت ہوتا ہے ورنہ یاد ہے نا اس دن فزکس ڈیپارٹمنٹ کے لڑکوں اور لڑکیوں کو خوب سنائی تھیں تم نے اور تو اور وہ شوخ سی سدرہ بھی تم پر مر مٹی تھی۔'' فائق کے بولنے پر عمر نے فائق کو گھورا۔

''مگر مائیک کے سامنے۔''

''تو لیکن ویکن تو آہستہ آہستہ اعتماد بھی آ جائے گا، مائیک سے بھی دوستی ہو جائے گی۔'' نائمہ اور فائق کا بھی اصرار بڑھ گیا، سو وہ وہاں سے سیدھا حیا کی یونی جا پہنچا، جو بھی تھا وہ اس کے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا وہ اسے تلاش کرتا ہوا لائبریری کی بیک پر آیا کہ عقب میں اس کی آواز سن کر ادھر بڑھا مگر دل کی دنیا گویا بکھر سی گئی سب مان ٹوٹتے چلے گئے، ندا سے جتنی باتیں حیا نے کیں عمر دانیال نے نہ صرف سنی بلکہ ذہن میں نقش کر لیں، یہیں سے اس کے بدلنے کا آغاز ہوا گھر جاتے ہی فائق کو کال کی۔

''فائق بھائی کو کہہ دو ریڈیو اسٹیشن جاتے مجھے بھی پک کر لیں کیونکہ اب کسی مشورے اور اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔''

وہ جو حیا سے اتنی محبت اور وثوق سے مشورہ کرنے آیا تھا یونہی لوٹ گیا تھا مگر اندر کچھ کر گزرنے کچھ بننے کا جذبہ سمندر کی مانند ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ چند دنوں میں ہی وہ ایک فنانسک شو کرنے کے قابل ہو گیا، عمر دانیال کے نام سے آن ائیر ہوتا تھا تو سب اسے پہچان جاتے جبکہ وہ اس بات کی بھنک تک فی الحال کسی کو نہیں لگنے دینا چاہتا تھا سو دانی منتخب کیا اس سب میں نائمہ اور عدنان نے اس کا بہت ساتھ دیا اکثر وہ انہی کے ساتھ پایا جاتا، عرفان بھی تقریباً ہر شو میں اس کے ساتھ ہوتا۔

اپنے دوسرے شو میں حیا کی کال کو پا کر وہ نروس ہو گیا اور جب اس نے آواز جانی پہچانی کہا تو ڈر سا گیا مگر ٹریننگ کے دوران ایسی صورتحال میں خود پہ قابو پانا وہ سیکھ چکا تھا، سو اپنے ہر شو میں وہ حیا کی کال کا ویٹ کرتا اور کانفی ڈینس سے بات کرتا کیونکہ اب وہ اعتماد کا دامن چھوڑ کر اسے کھونا نہیں چاہتا تھا، اس دوران نائمہ کے کہنے پر اس نے حیا سے رابطہ بھی کم سے کم کر دیا تھا یہ سب نا چاہتے ہوئے کیا، ورنہ حیا سے دوری اسے ہرگز گوارا نہ تھی۔

بعض رشتے ہوتے ہی ایسے ہیں جن کے بغیر سانس تک چلنا دشوار محسوس ہوتی ہے اور عمر دانیال کے لئے حیا ان میں پہلی اور آخری تھی، آج اگر وہ یونی فنکشن میں سامنے نہ آتا تو یقیناً بہت جلد کسی اور طرح اسے سرپرائز ضرور دیتا بلکہ اس فنکشن میں آنے کے لئے وہ حیا کی وجہ سے راضی ہوا تھا۔

☆☆☆

''تم نے پوچھا تھا آپ کا پورا نام کیا ہے تو

سنو میں ہوں عمر دانیال عرف دانی اور میں بک پہ

دیکھنا چاہا تھا تو لو میری جان کتابی چہرے کی بجائے تمہارے روبرو ہوں۔" وہ یونی سے آنے کے بعد لان میں بیٹھی پچھلے دو گھنٹے سے سوچتی چلی جا رہی تھی کہ وہ بے وقوف کیسے بن گئی، نہیں عمر بھلا دانی کیسے ہو سکتا ہے ان ہی سوچوں میں الجھی تھی کہ فنکشن ختم ہونے کے بعد عمر دانیال ادھر چلا آیا۔

"تم...... تم آر جے کیسے ہو سکتے ہو عمر تمہیں تو بولنا تک نہیں آتا، مم...... میرے سامنے تو تم بول نہیں سکتے اور اب......" اس نے الجھن زدہ نظریں اس پہ ٹکا دیں۔

"ایسے ہی جیسے تم آر جے دانی سے بات کرتے وقت پزل ہو جاتی تھی۔" ادھر ادھر سے جواب حاضر تھا۔

"کیا مطلب؟" بات حیا کے سر سے گزری تھی۔

"پہلے ذرا یہ بتاؤ تم آر جے والی سے بات کرتے ہوئے کیوں نروس ہو جاتی تھی۔" وہ طمانیت سے اس کے برابر آبیٹھا۔

"بی کاز وہ میرا آئیڈیل تھا، وہ ایک سیلبرٹی تھا اگر اس سے کچھ ایسا ویسا کہہ جاتی تو وہ مائنڈ کر جاتا اور ویسے بھی یہ سب نیچرلی ہوتا ہے۔" وہ رک رک کر بولی۔

"ڈیٹس وہ تمہارا آئیڈیل تھا تو تم پزل ہو جاتی تھی اور تم...... تم تو میرا عشق ہو، میری محبت ہو میری زندگی ہو، تم سے بات کرتے وقت میرے الفاظ میرا اعتماد سب میرا ساتھ چھوڑ دیتے تھے، تم سے بات کرتے وقت میں گویا دس دفعہ الفاظ کو ترتیب دیتا، تمہیں کوئی بات بری نہ لگ

جائے، تمہیں بارہا سوچتا، حیا وہ آر جے دانی کوئی عمر دانیال ہے جس کے ہاتھوں میں ابھی بھی لرزش ہے جو تمہارے اپنی محبت کے سامنے اپنے جذبات کی بنا پر کنفیوز ہے۔" حیا نے چونک کر اسے دیکھا وہ واقعی نروس ہو رہا تھا۔

"آئی ایم سوری عمر۔" وہ سر جھکا کر ندامت سے بولی۔

دو آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ کر رخساروں پر بہہ نکلے، عمر نے بڑھ کر آنسو پوروں میں سمیٹ لئے۔

"اوں ہوں رونا نہیں، تمہیں رلانے کے لئے نہیں ہنسانے کے لئے ریڈیو جوکی بنا ہوں تاکہ تم اپنا آئیڈیل پا کر سدا خوش رہو۔" وہ اس کا سر تھپتھپاتا ہوا بولا۔

"اور ہاں صبح تم نے عمر دانیال کے ساتھ واپس جانے سے انکار کر دیا تھا نا تو کیا اب آر جے دانی کے ساتھ جانا پسند کرو گی۔" اب کہ وہ نہایت شرارت سے بولا تو وہ مسکرا دی وہ جان گئی تھی جو لوگ دل میں بستے ہیں جو رگ جان کے قریب ہوتے ہیں ان کے سامنے کھڑا ہونا محبت کا اظہار کرنا قابل سے قابل بندے کو بھی کنفیوز ہونے پر مجبور کر دیتا ہے یہ تو صرف فلموں اور ڈراموں میں ہی ہوتا کہ ہیرو ہیروئین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر محبت کا اقرار کرتا ہے حقیقی زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔

حیا نے آسودگی سے آنکھیں موند لیں ایک مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا۔

☆☆☆

آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کے سیلاب کو وہ ہتھیلیوں کی پشت سے رگڑتی چلے جا رہی تھی کبھی راستہ دھندلا جاتا تو کبھی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگتا مگر اسے چلنا تھا سو وہ اندھا دھند چل رہی تھی کہ اگر آخری گاڑی بھی نکل جاتی تو اسے رات ریلوے اسٹیشن پر گزارنا پڑ سکتی تھی۔

چلتے چلتے اچانک اسے احساس ہوا کہ کوئی ہے جو اس کے تعاقب میں آ رہا ہے وہ سراسیمہ سی ہو کر پلٹی تو ایاز تھا۔

''بھابھی پلیز گھر چلیں۔'' وہ نظریں چرا کر بولا۔

''میں اب کبھی واپس نہیں آؤں گی۔'' وہ اپنی نم پلکوں کو جھپکتے ہوئے غصے سے بولی تو وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا اتنے میں گاڑی آ چکی تھی وہ مڑ کر گاڑی میں سوار ہو چکی تھی۔

ایاز نے بہت روکنا چاہا بہت منانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں رکی کہ اس طرح اس کے پیچھے ایاز کو نہیں کسی اور کو آنا چاہیے تھا، تو جب اسے ہی احساس نہیں تھا قدر نہیں تھی تو وہ کیوں خود کو اتنا ارزاں کرتی۔

''ابا کو آ جانے دیں پھر چلی جایئے گا۔'' وہ کھڑکی میں کھڑا کہہ رہا تھا۔

''ابا کی کیا اہمیت ہے اس گھر میں جان چکی ہوں اور تم پلیز مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو اور اپنے بھائی سے کہنا میرا فیصلہ کر دے۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''فیصلہ۔'' ایاز نے ناقابل فہم نگاہوں سے اسے دیکھا وہ رخ موڑ کر بیٹھ گئی آنسو ابھی بھی اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، گاڑی چل پڑی تھی اسے اب وہاں اترنا تھا جہاں سے چلی تھی۔

لاہور ریلوے اسٹیشن پر اتر کر وہ رکشہ کی تلاش میں روڈ کراس کر کے دوسری جانب چلی آئی تھی وہاں ایک لائن میں لگے رکشوں کے ڈرائیور الرٹ کھڑے تھے، وہ ان میں سے ایک کو ایڈریس سمجھا کر بیٹھ گئی، جب فاروق ہاؤس کے مین گیٹ پر اتری تو صبح کا ملگجا اندھیرا روشن سویرے میں تبدیل ہو چکا تھا۔

معمولات زندگی کا آغاز ہو چکا تھا، دوکانوں کے شٹروں کو اٹھا چکے تھے فیکٹری، سکول اور دفتر جانے والے لوگ گھروں سے نکل رہے تھے اس نے دروازے میں رک کر اپنا حلیہ درست کیا اور ادھ کھلے دروازے سے اندر چلی آئی لاؤنج کا وہی منظر تھا ابا صوفے پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے ارم، علی کا سوٹ استری کر رہی تھی امی کچن میں مصروف تھیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر سب کو متوجہ کرنے کی کوشش میں با آواز سلام کیا تو ابا کے ہاتھ سے اخبار گرتے گرتے بچا، علی اپنے شوز پالش کرنا بھول گیا، امی کی روٹی توے پر جل گئی اور ارم استری پر ہاتھ رکھے وہیں جم چکی تھی اس غیر متوقع آواز پر۔

''کیا ہوا آپ لوگوں نے کیا کوئی بھوت دیکھ لیا ہے۔'' اس نے لہجے میں مصنوعی بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''تم اکیلی آئی ہو؟'' امی کی نظریں اس کے عقب سے تیسری بار بھی خالی لوٹ آئی تھیں اس نے اثبات میں سر ہلا کر لب کاٹے۔

اب کی بار انہوں نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا، متورم آنکھیں، شکن آلود لباس اور بخار کی حدت سے تمتماتا چہرہ۔

''سندس کیا ہوا ہے۔'' بیٹی کی بکھری ہوئی حالت نے ان کا دل جیسے مٹھی میں بھینچ ڈالا تھا سندس اب کی بار ضبط نہیں کر پائی تھی ان کے گلے لگتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ابا نے اسے خاموش کرواتے ہوئے کرسی پہ بٹھایا، ارم اس کے لئے پانی لے آئی تھی، علی نے طیش میں آ کر اسی وقت نواز کو کال کی تھی جواب میں اس نے کہا تھا۔

''ہم نے اسے گھر سے نہیں نکالا اپنی مرضی سے گئی ہے۔'' اور اس کی باقی بات سنے بغیر ہی رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

''امی اب مجھے واپس اس گھر میں نہیں جانا۔'' آنسوؤں کے درمیان وہ بمشکل بولی تھی عذرا بیگم نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے اس کے مسلسل بہتے آنسو صاف کیے۔

''اچھا ٹھیک ہے اب تم آرام کرو ارم جاؤ سندس کو اس کے کمرے میں چھوڑ آؤ میں اس کے لئے دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔''

''امی یہ چکر کیا ہے؟'' سندس کے جانے کے بعد علی غصے میں بل کھاتا ان کے سر آن کھڑا ہوا تھا اپنی اکلوتی بہن اسے بہت عزیز تھی اور اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں نے اسے مضطرب کر دیا تھا۔

''اپنے باپ سے پوچھو جس نے دوستی تو نبھالی نا۔'' انہوں نے ایک شکوہ کناں سی نظر خاموش بیٹھے فاروق صاحب پر ڈالی اور اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔

☆☆☆

ریڈ عروسی لہنگے میں ملبوس وہ برآمدے میں رکھی واحد کرسی پر بیٹھی تھی عورتوں کا جم غفیر تھا جو اس کے اردگرد جمع تھا سب اس پر نظریں جمائے یوں گھور رہی تھیں جیسے پہلی بار دیکھا ہو حالانکہ ابھی دو روز قبل سب اس کے رخ روشن کا دیدار کر چکی تھی۔

''خالہ تمہاری بہو تو چاند کا ٹکڑا ہے۔'' تو ورادا خاتون نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس کے سر پر زور سے پھیرتے ہوئے خاصے پر جوش انداز میں اس کی ساس سے کہا تھا اور سندس کو اس کے اس قدر والہانہ مظاہرے پر یوں لگا جیسے اس کے جوڑے میں اٹکی سوئیاں اس کے دماغ میں چبھ گئی ہوں، اس نے بے ساختہ لب دانتوں تلے دبا کر اس درد کی لہر کو اپنے اندر اتارا۔

''ہاں بس لڑکی ہی لڑکی ہے اور ہے ہی کیا۔'' اس کی ساس نے کافی نخوت سے کہا تھا جیسے کف افسوس مل رہی ہو شدید ناگواریت بھرا انداز تھا حالانکہ یہی عورت دو روز قبل کس پر جوش انداز میں ان کا استقبال کر رہی تھیں۔

شدید پیاس کے باعث اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے آج تو کسی نے ایک گلاس پانی پلانے تک کا تکلف بھی نہیں کیا تھا، آخر اس نے خود ہی ہمت دکھا کر پانی مانگ لیا تھا۔

دس منٹ بعد اسٹیل کے گلاس میں کولڈ ڈرنک اس کے سامنے نیلی نے یوں رکھی تھی جیسے پٹخی ہو اس نے اٹھا کر ایک گھونٹ لیا اور بددلی سے گلاس واپس رکھ دیا اتنا گرم سیال تو اس کی پیاس نہیں بجھا سکتا تھا وہ من ہی من میں اس لمحے کو کوس کر رہ گئی جب دو روز قبل اس کی نگاہ اچانک ہی ٹی وی ٹرالی کے نیچے رکھے بلو کارڈ سے ٹکرائی تھی، تو وہ اسے یونہی الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی تھی پھر عذرا بیگم سے استفسار کیا۔

''امی یہ کس کی شادی کا کارڈ ہے۔''

''تمہارے ابو کی تائی ہیں نا ملتان والی ان کے پوتے کی شادی ہے۔''

''امی پلیز میں بھی جاؤں گی۔'' وہ ملتجی لہجے میں کہتی ان کے قریب آن بیٹھی آج کل بی اے کے امتحان دینے کے بعد وہ فارغ تھی اور از حد بوریت کا شکار، یہی وجہ تھی جو اس قدر شوق ہو رہا تھا۔

"ایک تو گرمی کا موسم ہے اوپر سے اتنا طویل سفر ہمارا تو جانے کا ارادہ نہیں ہے۔" انہوں نے صاف انکار کر دیا تو وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

شام کو یہ بحث ابو کے سامنے دوہرائی گئی تو انہوں نے کہہ دیا۔

"پہلے بیٹے کی شادی ہے اور پھر اتنی دور سے بلایا ہے اب جانا تو پڑے گا، جاؤ بیٹا تم پیکنگ کر لو ہم کل سویرے ہی نکل جائیں گے۔"

اور وہ خوشی سے پیکنگ کرنے بھاگی پھر خیال آیا وہ تو وہاں کسی کو جانتی بھی نہیں ایسے تو مزید بور ہو جاؤں گی۔

اس کی دادی اور ابو کی تائی یعنی دیورانی، جٹھانی کے درمیان تعلقات کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھے اور پھر وہ لاہور سے ملتان شفٹ ہوئے۔

تو ملنا ملانا نہ ہونے کے برابر ہی رہ گیا تھا جب تک تائی حیات رہیں کبھی کبھار فون پر رابطہ ہو جایا کرتا تھا کبھی کبھار سال میں ایک ادھ بار ابو جاتے تھے ملتان اور کبھی چاچا رفیق (تائی کا بڑا بیٹا) اپنی آبائی زمینوں کے سلسلے میں لاہور آتے تو انہی کے گھر قیام کرتے تھے۔

اس لئے شادی میں چاچو اور پھپھو کی فیملی کی بجائے بس انہیں ہی مدعو کیا گیا تھا اب اس کا رخ بھابھی کے بیڈ روم کی سمت تھا ارم دو ماہ قبل ہی اس گھر میں آئی تھی دونوں ہم ایج تھیں، تو دونوں کے مابین تعلقات خاصے بے تکلفانہ اور دوستانہ تھے۔

"بھابھی آپ بھی چلو نا ہمارے ساتھ۔"

"لیکن میں وہاں جا کر کیا کروں گی۔" اس کا موڈ نہیں تھا لیکن سندس نے ایک نہیں چلنے دی۔

"وہی جو میں کروں گی۔"

"مگر تمہارے بھائی گھر میں اکیلے کیسے رہیں گے۔"

"تین دن کی تو بات ہے اور پھر ہوٹل ہیں نا وہیں سے کچھ نہ کچھ کھا لیں گے بس آپ چل رہی ہیں۔" بے نیازی سے شانے اچکاتے ہوئے اس نے الماری سے ارم کے تین چار جوڑے نکال کر پیکنگ بھی شروع کر دی تھی جب علی نے بھی اعتراض نہیں کیا تو اسے ساتھ جانا ہی پڑا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح پانچ بجے کی ٹرین سے وہ ملتان کے لئے روانہ ہو چکے تھے، چھ گھنٹوں کے طویل سفر کے بعد آخر ملتان کا منہ دکھائی دیا تھا۔

اسٹیشن پر انہیں لینے نواز آیا تھا لٹھے کا کڑکڑاتا سوٹ، پشاوری چپل اور یہ بڑی بڑی مونچھیں۔

"السلام علیکم جی!" ارم نے بھی اس انداز میں جواب دیا تو سندس کی ہنسی چھوٹ گئی جس پر اس نے خاصی ناگواری سے اسے دیکھا تھا، وہ کچھ خجل سی ہو کر ارم کی اوٹ میں چھپ گئی۔

شادی کے گھر میں ویسا ہی ہنگامہ تھا جیسی وہ توقع کر رہی تھی بڑے سے صحن کو عبور کرنے کے بعد آگے بڑا سا برآمدہ تھا اس سے آگے ایک لائن میں تین کمرے اور کچن تھا اور بائیں جانب سیڑھیاں تھیں جو اوپر ہال نما کمرے میں جا کر رکتی تھیں ہال نما کمرے کی حالت بے حد ابتر تھی سب مہمانوں کا سامان اسی کمرے میں بکھرا پڑا تھا وہ بھی سب سے ملنے ملانے کے بعد اسی کمرے میں قیام پذیر تھے چاچا رفیق کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے دو بیٹیاں بیاہ چکی تھیں جبکہ بیٹوں میں ابھی پہلے بیٹے کی شادی تھی۔

شام میں کھانا کھانے کے بعد وہ اور ارم ایک ہی چارپائی پر سو گئی تھیں، رات بھر گرمی نے

بے حال کیے رکھا اور ارم جی بھر کر اسے صلواتوں سے نوازتی رہی، اگلی صبح موسم بے حد خوشگوار تھا ناشتے کے بعد وہ دونوں نیلی کے ساتھ کھیتوں کی سیر کو نکل گئی تھیں راستہ بھر نیلی دلہن والوں کی امارت کے قصے سناتی رہی وہ اتنے امیر ہیں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں ان کے گھر میں تین یونٹ لگے ہوئے ہیں اور چار تو باتھ روم ہیں کھانے میں کچھ ڈشز کے تو ہمیں نام بھی نہیں معلوم تھے بھائی کو سلامی میں گاڑی دیں گے اور اماں کو بھی ایک سیٹ تو ضرور ہی ڈالے گئے کلثوم تو کہہ رہی تھی ہو سکتا ہے ہم بہنوں کو بھی جھمکیاں یا پھر انگوٹھیاں پہنا دیں اور فرنیچر تو بہت ہی شاندار دینے والے ہیں ہمارا تو گھر چمک اٹھے گا، آخر ارم سے رہا نہ گیا تو پوچھ ہی بیٹھی۔

"وہ اگر اتنے امیر لوگ ہیں تو تم لوگوں سے رشتہ کیوں جوڑ لیا۔"

"بس جی کیا بتائیں ان کی لڑکی کا چکر تھا کسی سے ایسے میں ہاتھ جو رشتہ لگا جھٹ سے ہاں کر دی۔"

"ہیں۔" دونوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

"اور تمہارے بھائی کو کوئی اعتراض نہیں ہے اس کے چکر پر۔" سندس کو وہ مونچھڑ کی گھوریاں یاد آ گئی تھیں۔

"بھائی کہتا ہے ایک بار آ تو جائے دو ہتھڑ لگا کر سیدھا کر دے گا سارا عشق وشق بھول جائے گی۔" نیلی نے ہنستے ہوئے کہا، تو وہ دونوں واپسی کے لئے روڈ سے اتر کر پگڈنڈیوں پر چلنے لگیں سندس کے دل میں اس کا امیج کچھ اور خراب ہوا تھا۔

☆☆☆

شام کو انہیں لڑکی والوں کے گھر مہندی لے کر جانا تھا باقی کا وقت اس کی تیاریوں میں نکل گیا تھا نواز بھی ساتھ چل رہا تھا رسم سے قبل دونوں کا نکاح تھا اور پھر وہ بات ہو گئی جو کسی کے وہم و گماں میں بھی نہیں تھی، دولہن نے نکاح قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور چاچا رفیق نے ابا کے سامنے دست سوال دراز کر دیا تھا کچھ دوستی کا لحاظ پھر رشتہ داری کا بھرم ابو سے انکار نہ ہو سکا وہ لوگ اسی رات واپس لوٹ آئے تھے اب ان لوگوں کو ایک دن بعد بارات لے کر لاہور آنا تھا۔

امی نے گھر آ کر ابو سے خوب جھگڑا کیا تھا علی بھی اس شادی کے حق میں نہیں تھا خود وہ ابھی تک شاک کے عالم میں گھری ہوئی تھی مگر پھر وہی بات جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو اس کی قسمت میں بھی یہی شخص لکھا تھا۔

"اکلوتی لڑکی کو بھی بھلا کوئی یوں بوجھ کی طرح اتار کر پھینکتا ہے۔" سب عورتوں کے جاتے ہی نیلی نے خوب جلے کٹے انداز میں تبصرہ کیا تھا اس کی وہ انگلی جس پر سے اس نے چھلا اتار کر رکھا ہوا تھا خالی ہی رہ گئی تھی۔

"مانا شادی جلدی میں ہوئی ہے وقت کم تھا مگر کچھ تو وضع داری دکھاتے اپنا بھرم ہی رکھ لیتے عذرا آنٹی نے جو کنگن خود پہن رکھے تھے اماں وہی تمہیں پہنا دیتی صمدن کو یہ ذرا ذرا سی جھمکیاں پکڑا دیا بس۔" کلثوم کا لہجہ بھی نیلی کے برعکس نہیں تھا۔

"ارے اس بدبخت نے کیسا عین وقت پر دھوکہ دے دیا اتنے امیر لوگ تھے میرے لئے جڑاؤ کنگن بنا کر رکھے ہوئے تھے وچولن کہہ رہی تھی تم سب کے لئے سونے کے سیٹ بنا کر رکھے ہوئے تھے ٹرک بھر کر جہیز کے ساتھ نواز کو گاڑی دینے کا بھی ارادہ لگتا تھا مجھے ان کا۔" اس کی ساس نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے افسردگی سے

کہا اتنا منافع بخش رشتہ ہاتھ سے نکل جانے کا ملال ہی کم نہیں ہو رہا تھا۔

سندس حیرت کا بت بنی ان ماں بیٹیوں کو دیکھ رہی تھی جس ہنگامی بنیاد پر اس کی شادی ہوئی تھی ایسے میں تو ان لوگوں کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا، الٹا وہ اسے ہی باتیں سنا رہی تھیں حالانکہ خود اسے زیور کے نام پر ایک چھلا تک نہیں ڈالا تھا اس کا جی چاہا وہ بھی جتادے مگر پھر اماں کی نصیحت یاد آ گئی۔

''دیکھو بیٹا پتہ نہیں اب وہ کس مزاج کے لوگ ہیں تم اتنا سمجھ لو کہ دو سال کے لئے گونگی اور بہری ہو چکی ہو شادی کے ابتدائی سال نئے لوگوں میں رہنا ایڈجسٹ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے بس یہ وقت نکل گیا تو سمجھ لو پھر سب کچھ تمہارا ہے۔''

''یہ کیا نیا کھڑاک ڈال رکھا ہے تم لوگوں نے بچی نے ہماری عزت رکھ لی کیا اتنا کافی نہیں ہے۔'' چاچا رفیق حقہ گڑگڑاتے وہیں آ بیٹھے تھے۔

''ارے کاہے کی عزت رکھ لی ہماری کون سی لڑکی بھاگی جا رہی تھی وچولن سے کہہ کر ایسا رشتہ ڈھونڈتی کہ لوگ منہ میں انگلیاں ڈال کر رہ جاتے مگر تمہاری جلد بازی نے سارا ستیاناس کر دیا۔'' چاچی نے چمک کر جواب دیا۔

''دیکھا ہے میں نے تمہارا رشتہ بھی وہ ہے نا ایاز اس پر اپنے ارمان نکال لینا چل نیلی اٹھ بھابھی کو کمرے میں چھوڑ کر آ۔'' سندس چاچا رفیق کو مشکور نظروں سے دیکھتے ہوئے نیلی سے پہلے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی نیلی کو بھی بادل نخواستہ اٹھنا ہی پڑا تھا۔

☆☆☆

برآمدے کے بائیں سائیڈ پر وہ چھوٹا سا کمرہ جہاں ابھی نیلی اسے چھوڑ کر گئی تھی دو رنگین چارپائیاں بچھانے کے بعد بس اندر باہر جانے کی جگہ ہی خالی رہ جاتی تھی اس پر کاغذ کے پھولوں کی چند لڑیاں لٹکا کر اسے مسہری کا نام دیا گیا تھا وہ اپنی نیند سے بوجھل پلکوں کو بمشکل جھپکتے ہوئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اس کا انتظار کرنے لگی تھی چند لمحے کچھ پل اور پھر ایک گھنٹہ گزر گیا تھا مگر وہ نہیں آیا اور نہ جانے کب تھک کر نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

ریڈ عروسی لہنگے میں اس کا سجا سنورا دو آتشی روپ نے تو ایک پل کے لئے نواز کو ساکت کر ڈالا تھا اس نے کب سوچا تھا کہ یہ پریوں سی آن بان والی لڑکی اس کی زندگی میں اس حوالے سے شامل ہو جائے گی وہ کتنی ہی دیر اپنی قسمت پہ رشک کرتا اسے دیکھتا رہا پھر اچانک اماں کی باتیں اس کے کانوں میں گونجیں۔

''ماں باپ کی منتوں مرادوں سے مانگی اکلوتی لڑکی ہے بہت نازوں و نعم سے پالا ہے انہوں نے اسے، اس پر سے کم بخت بلا کی حسین ہے آج ہی اسے اپنے رعب میں رکھو گے تو ہی نباہ کر سکو گے ورنہ سر پیٹ کر روتے پھرو گے بے دام کا غلام بنائے گی وہ تمہیں یہ شہر کی لڑکیاں بڑی چلتر چال کی ہوتی ہیں۔'' اور پھر نیلی نے جو اس کی شکایت لگائی تھی۔

''آتے ہی ساری عورتوں کے سامنے منہ پھاڑ کر پانی مانگ لیا بھلا کچھ دیر کو ہی صبر کر لیتی۔'' اس کا میٹر پھر سے گھوم گیا تھا اس نے سوئی ہوئی سندس کے بازو کو ایک جھٹکے سے پکڑ کر کھینچا تو وہ اس اچانک افتاد پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''دو گھڑی تم پیاسی رہ لیتی تو کیا مر جاتی۔'' وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھور رہا تھا سندس نے ناقابل فہم نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''کیا ضرورت تھی سب عورتوں کے سامنے پانی مانگنے کی اور جب نیلی نے تمہیں بوتل لا کر دی تو تم نے ایک گھونٹ لے کر گلاس واپس رکھ دیا، کیا ثابت کرنا چاہتی تھی کہ ہم کم عقل ہے جاہل ہیں مہمان نوازی کے طور طریقوں سے بے بہرہ ہیں تمہیں گھر لا کر پانی تک نہیں پوچھا۔''

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنا غصہ کیوں ہو رہا ہے پھر اس نے سوچا شاید اس سے ہی کوئی غلطی ہو گئی ہے اپنی صلح جو طبیعت سے مجبور ہو کر اس نے فوراً معذرت کر لی وہ اس سے معذرت کی امید نہیں کر رہا تھا سو خلاف توقع کچھ نرم پڑا۔

''دیکھو اماں کی ہر بات ماننا اور ان کی خدمت کرنا تمہارا فرض ہے اور مجھے اس سلسلے میں کوئی شکایت نہ ملے نہ ہی باقی گھر والوں کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہو۔'' اب وہ روایتی مردوں کی طرح خانگی امور پر لیکچر دینا شروع ہو چکا تھا وہ بظاہر اس کی ہر بات پر اثبات میں سر ہلاتی رہی تو آخر میں وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''ہمارے ہاں رواج ہے کہ پہلی رات دولہا، دولہن کے بیڈ روم میں قدم نہیں رکھتا مگر مجھے تم سے یہ چند ضروری باتیں کرنا تھیں اس لئے چلا آیا اب میں جا رہا ہوں تم بھی سو جاؤ۔'' اور اس کے جانے کے بعد سندس نے کھولتے ہوئے سوچا بھلا یہ سب ان رومینٹک گفتگو کے لئے اسے گہری نیند سے جگایا گیا تھا۔

☆☆☆

ولیمے کی شام وہ رسم کے مطابق اپنے گھر نہیں گئی تھی اس کی ساس نے کہہ دیا تھا۔

''آج آپ لوگ لے کر جاؤ گے اور کل اتنا لمبا سفر کر کے پھر ہمیں واپس لانا ہو گا تو آپ رہنے ہی دیں ایک ماہ بعد نواز خود ہی چکر لگوا لائے گا۔''

تب اس کی امی نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔

''خوش رہو بیٹا اللہ تمہیں اپنے گھر میں آباد رکھے۔'' امی نے ساتھ لگا کر پیار کیا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں ان کے جانے کے اگلے روز تک وہ اداس ہی رہی تھی پھر سوچا فون ہی کر لیتی ہوں ابھی کریڈل سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ نیلی پاس آ کر بیٹھ گئی تھی رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔

''میری وجہ سے کیوں فون بند کر دیا کر لیتی ہماری برائیاں۔''

''نہیں میں نے تو بس امی کی آواز سننی تھی بہت اداس ہو گئی ہوں۔'' وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے خائف سے انداز میں وضاحت دے رہی تھی۔

''ایسا کرو امی کی آواز ریکارڈ کروا کر رکھ لو فون کے بل سے تو ہماری بچت ہو جائے گی گھر میں سب ہیں پھر بھی یہ اتنی اداسیاں کس کی ستا رہی ہیں تمہیں، بہتر ہو گا اب اس گھر اور اس گھر میں رہنے والوں کے ساتھ دل لگاؤ۔'' تبھی نواز نے اندر آ کر اس سے کہا تھا۔

''سندس تیار ہو جاؤ ہم پھپھو کے گھر مدعو ہیں آج۔'' وہ چپکے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی نواز رکشہ لینے چلا گیا تھا۔

☆☆☆

''ارے بہو باہر تو نکلو ہر وقت کمرے میں گھسے رہنے کا کیا مطلب ہے۔'' ساس کی پاٹ دار آواز پر اسے اٹھ کر باہر آنا ہی پڑا تھا جہاں نیلی اب اپنے سوٹوں کے ساتھ نبرد آزما تھی۔

''یہ فیشن بھی پوری مصیبت ہے چھوٹی قمیض سلواؤ تو لمبی کا فیشن آ جاتا ہے اب میرے پاس ایک بھی لمبی قمیض نہیں ہے جو تھیں ان کو بھی چھوٹا کر چکی ہوں۔''

"تو کیا مسئلہ ہے اپنی بھابھی سے لے لو کوئی سا بھی سوٹ۔" ساس نے مشورے سے نوازا جو ٹھک کر کے نیلی کے دل کو لگا تھا اس کی نظر سندس پر پڑی تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

نیوی بلو کلر میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی بروشے کا وہ سوٹ نیلی کو پہلی نظر میں ہی پسند آ گیا تھا۔

"بھابھی تم اپنا یہ سوٹ مجھے دے دو مجھے اپنی سہیلی کی منگنی پر جانا ہے۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی، اتنے میں نواز بھی واپس آ چکا تھا۔

"مگر ابھی تو ہم دعوت پر جا رہے ہیں۔"

"ہاں تو کیا ہوا تم کوئی دوسرا پہن لو۔" ساس کو اس کا انکار اچھا نہیں لگا تھا۔

"اماں ٹھیک کہہ رہی ہے جاؤ اور سوٹ بدل کر آؤ۔" نواز کا تحکم بھرے لہجے میں اسے اٹھنا ہی پڑا اتنے میں نیلی اس کی الماری سے سوٹ نکال کر لے آئی، آنکھوں کو چبھنے والا گہرا سبز رنگ انہیں یہ سستا سا لگا۔

"کبھی کوئی سوٹ بری کا بھی پہن لیا کرو۔" اس نے بے دلی سے سوٹ لے کر پہن لیا تھا۔

"توبہ کس قدر فضول رنگ اور معمولی لباس بھی سج جاتا ہے اس پر۔" سندس کے جانے کے بعد نیلی دیر تک اپنا دل جلاتی رہی تھی اس نے اپنی سلونی رنگت ہر ٹوٹکہ استعمال کر کے دیکھ لیا تھا رنگت کیا گوری ہوئی الٹا چہرہ ہی دانوں سے بھر گیا تھا اس پر سندس کی چمکتی گوری رنگت اسے خفت میں مبتلا کر دیتی تھی۔

☆☆☆

"نیلی اری او نیلی اٹھ جا کم بخت دن چڑھ آیا ہے۔" آٹا گوندھتی اماں نے باورچی خانے کی کھڑکی سے نیلی کو کوئی دسویں بار پکارا تھا آخر اس نے چڑ کر منہ سے چادر ہٹائی۔

"اپنی بہو کو جگاؤ جا کر اب کیا زندگی بھر اس کا دلہناپا ہی ختم نہیں ہوگا۔" سندس کے قدم اپنے کمرے کی دہلیز پہ ہی جم گئے۔

"ارے اس کو کچھ احساس ہو تب نا، بوڑھی جان اکیلی ہی کھپ رہی ہے وہ نواب زادی تو دن چڑھے تک سوتی رہے گی نہ شرم نہ حیا، آج کل کی لڑکیاں ویسے ہی دیدہ ہوائی ہیں۔" یہ تھی اس کی شادی کی تیسری صبح اس نے کچھ دیر رک کر سوچا پھر کچن کی سمت چلی آئی۔

"لائیے اماں میں ناشتہ بنا دیتی ہوں۔" کچن کے دروازے میں کھڑی وہ کہہ رہی تھی اماں ہاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں تو یہ اب تمہاری ہی ذمہ داریاں ہیں۔" اس نے اندر آ کر اپلوں سے آگ جلائی سالن گرم کیا چائے بنائی اور روٹیاں بنانے کے لئے توا رکھا ہی تھا کہ بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے کھڑکی سے ہی باہر جھانکا، کلثوم تک سک سے تیار ہاتھ میں پرس پکڑے کھڑی تھی اور تینوں بچوں کو اندر بھیج دیا تھا۔

"بھابھی بچوں کو ناشتہ کروا دینا میں سکول سے لیٹ ہو گئی ہوں۔" وہیں سے ہانک لگا کر وہ آگے بڑھ گئیں وہ گورنمنٹ سکول میں ٹیچر تھی بچوں کو یہاں چھوڑنا اس کا معمول کا کام تھا پہلے یہ ذمہ داری نیلی کی تھی جو کہ اب وہ سنبھال چکی تھی۔

اپلوں سے آگ جلانا کس قدر دشوار تھا اس کی آنکھوں میں بار بار دھواں بھر جاتا۔

"میں دہی کے ساتھ پراٹھا کھاؤں گا۔" گڈو کی فرمائش پر وہ کٹوری میں دہی ڈالنے لگی تھی جب منی کی آواز آئی۔

"مجھے بھی پراٹھا کھانا ہے۔" وہ اپنا بریڈ

پھینک چکی تھی کس قدر افلاطون بچے تھے اس نے دوسرا پراٹھا بنایا تو گڈو نے وہی واپس کر دیا۔

"مجھے اچار چاہیے۔" وہ اٹھ کر مرتبان سے اچار نکالنے لگی ابھی واپس بیٹھی ہی تھی کہ منی کو بھی اچار چاہیے تھا اسے دوبارہ اٹھنا پڑا تب تک لکڑیاں ایک بار پھر سلگ کر دھواں چھوڑنے لگی تھیں اس نے دوبارہ آگ جلائی تو کاکا اچھل کود مچانے کے بعد کچن میں وارد ہوا۔

"مامی میں آملیٹ کے ساتھ بریڈ کھاؤں گا۔" اس نے آتے ہی نیا شوشہ چھوڑا تھا گڈو اور منی نے بھی دہی، اچار اور پراٹھا واپس رکھ دیا۔

اب انہیں بھی آملیٹ چاہیے تھا، سندس کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا ناشتے کے بعد ان کو نہلانا سکول یونیفارم استری کرنے کے بعد ان کو تیار کر کے سکول بھیجنا بھی اس کے ذمے تھا یہ کام نمٹانے میں اسے دو گھنٹے لگ گئے تھے پھر اس نے نیلی، نواز، ایاز اور اماں کو ناشتہ بنا کر دیا تو وہ اسے دیکھتے ہی انتہائی نخوت سے بولیں۔

"ارے کاہلی تو لگتا ہے تمہاری ہڈیوں میں گھلی ہوئی ہے ماں نے آرام طلبی کے سوا کچھ نہیں سکھایا اب مجھے بوڑھی کو نو بجے ناشتہ ملا کرے گا اس پر یہ جلے سڑے پراٹھے لا کر رکھ چھوڑے ہیں جانتی بھی ہو کہ میں تازہ مکھن والی روٹی کھاتی ہوں باقی کام کس وقت نمٹاؤ گی محلے سے کوئی آ جائے تو کیا عزت رہے ہماری ابھی تک پھیلاوا ہر سمت بکھرا پڑا ہے یہ عیشوں پلی ہمارے لئے ہی رہ گئی تھی۔" اس کی آنکھوں میں بھرا دھواں نمی کی صورت پلکوں سے چھلک گیا دہی بلوتے ہوئے اس کے بازو شل ہوئے بجھی ہوئی لکڑیوں کو پھر سے سلگانا پڑا۔

تین، کمروں، برآمدے کچن کی صفائی کرنے کے بعد جب وہ برتن دھو کر باہر نکلی تو دھوپ اونچی دیواروں کو پھلانگتی ہوئی پورے صحن میں پھیل چکی تھی، قہر برساتی گرمی اور تپتی دھوپ میں اتنا وسیع صحن صاف کرنے کے خیال سے ہی اس کا دل گھبرانے لگا تھا مگر اسے یہ صاف کرنا ہی تھا۔

یہاں اس کی ماں تو نہیں تھی جو اس کے ناز اٹھاتی، گرم لو آنکھوں میں چبھتی رہی، تن و جان کو سلگاتی رہی سر سے تپش نکلنے لگی تھی مگر وہ بے نیاز سے کام میں جتی رہی سرخ مٹی کو کوٹ کر اس میں تھوڑا پانی ڈالنے کے بعد سارے صحن میں لیپ لگایا اور مٹی سے ستے ہاتھ دھو کر جب اندر آئی تو پیاس کے باعث برا حال تھا، ٹھنڈے پانی میں اس نے تھوڑا سا روح افزا گھول لیا تھا مگر نیلی سے کہاں برداشت ہوتا تھا۔

"یہ مہمانوں کے لئے اماں نے لا کر رکھا ہے اب یہ نہیں کہ تم صبح شام پیتی رہو۔" اس نے خاموشی سے دو گھونٹ بھرے اور اپنے کمرے میں چلی آئی جسم ٹوٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

دوپہر کا کھانا بنا کر وہ دو گھڑی کمرے میں آرام کی غرض سے لیٹی تھی جب اماں نے آ کر پنکھا بند کر دیا تھا۔

"باہر برآمدے میں آ کر بیٹھ یہاں الگ سے پنکھا لگا رکھا ہے بجلی کا بل تمہارے پچھلوں نے آ کر نہیں دینا۔" وہ آئیں اور خوب سنا کر چلی گئیں اور وہ جلتے ہوئے پردے پر نظریں جمائے کتنی ہی دیر اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی ایک تو ملتان میں دوسرے شہروں کے برعکس گرمی کا اوسط زیادہ تھا اس پر لوڈ شیڈنگ کی کرم نوازیاں اور جب بھی گھڑی دو گھڑی کے لئے ٹک ہی جاتی تھی تو پنکھا بند کر دیا جاتا تھا۔

"کاش ابو آپ نے مجھے اتنے عیش و آرام

سے نہ رکھا ہوتا اور اگر اتنے نازوں سے پالا ہی تھا تو پھر کوئی اپنے جیسے میرے لئے تلاش کرتے یہ کس اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا ہے جہاں میں مر بھی جاؤں تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔"

محبتوں کی بارش میں بھیگنے والی لڑکی کو اب نفرتوں کی دھوپ جھلسانے لگی تھی وہ کہاں عادی تھی ایسے رویے کی ایسی باتوں اور ایسے لہجوں کی۔

شام تک اس کی طبیعت بے حد خراب ہو چکی تھی صبح جو صحن صاف کیا تھا یہ سب اس کا ردعمل تھا سر درد، زکام اور فلو وہ چھینک چھینک کر بے حال ہو گئی تھی۔

"لو بھئی کڑی میں تو ذرا بھی جان نہیں ہے آج پہلی بار دو چار کام کیا کر لئے کہ بیمار پڑ گئی۔" اماں اس کی حالت پر خوب ٹھٹھہ لگا کر ہنسیں۔

"سب ڈرامے بازیاں ہیں کام نہ کرنے کے بہانے۔" نیلی نے ناک چڑھائی۔

"بچی بیمار ہے اور تم لوگ باتیں بنائے جا رہے ہو۔" ابا نے حقہ گڑگڑاتے ہوئے تیکھی نگاہ بیوی پر ڈالی۔

"تمہارا ہی نوازا ہوا تحفہ ہے جھٹ سے یار کے سامنے ہاتھ پھیلا لیا کچھ روز صبر کرتے تو آج ہماری بھی زندگی بدل گئی ہوتی ایک سے ایک امیر لڑکیوں کے رشتے موجود تھے وچولن کے پاس۔" اماں کا غم ہنوز تازہ تھا وہ پھر ابا سے الجھنے لگی تھیں ابا نے حقہ اٹھایا اور گھر سے باہر نکل گیا مگر جاتے ہوئے نواز سے کہہ گیا تھا کہ سندس کو دوائی لا کر دے دینا، نواز نے اماں سے پیسے مانگے تو صفا چٹ جواب مل گیا۔

"رہنے دو یہ فضول کے چونچلے، زکام بخار کی بھلا کون دوائی کھاتا ہے ایک جوشاندہ لا دو صبح تک بھلی چنگی ہو جائے گی۔" جوشاندہ سے بھلا کیا فرق پڑنے والا تھا، صبح تک اس کی حالت ہنوز تھی دھوپ چڑھنے کے ڈر سے اس نے سوچا کہ آج پہلے صحن صاف کر لیا جائے نماز پڑھنے کے بعد اس نے سورۃ رحمٰن کی تلاوت کی اور جھاڑو اٹھا کر صحن میں چلی آئی۔

"یہ جھاڑو کہاں لے کر جا رہی ہو۔" راستے میں اماں سے ٹاکرا ہو گیا تھا۔

"وہ صحن صاف کرنے لگی تھی۔" وہ بولی تو اماں نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

"بھلا یہ کوئی وقت ہے جھاڑو لگانے کا، نری نخوست، کیا چاہتی ہو اس گھر میں جو دو وقت چولہا جل جاتا ہے وہ بھی نہ جلے فرشتے سارا رزق سمیٹ کر لے جائیں کچھ تو عقل تمیز تمہاری ماں نے سکھائی ہوتی۔" گویا کہ یہ اس کی سزا تھی کہ وہ دن چڑھے ہی صحن صاف کرے جب سورج سوا نیزے پر ہو ناشتہ بنا کر برتن دھونے کے بعد وہ کمرے میں آ گئی تھی صحن صاف کرنے کا ارادہ اس نے موقوف کر دیا تھا جب گیارہ بجے تک صفائی نہ ہوئی تو پھر اسے ہی باتیں سننے کو ملیں۔

"ماں سے کہنا تھا دو نوکر ساتھ بھیج دیں۔" اسے ایک دم ہی رونا آ گیا تھا۔

"اب تم کیوں رو رہی ہو۔" پہلی بار نواز کو اسے سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی وہ جانتا تھا کہ اس کی طبیعت کتنی خراب تھی اور پھر اس نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔

"چلو تھوڑا سا کچھ کھا لو۔" ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے کھسکاتے ہوئے اس نے نرمی سے کہا تو سندس سارا رونا بھول کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"پلیز اماں کی باتوں کو زیادہ دل پر نہ لیا کرو ان کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔" اس نے ایک نوالہ بنا کر اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"کیوں میرے ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے

کیا میں نے گھر سے بھاگ کر آپ سے شادی کی ہے جب آپ کے گھر والے پوری عزت اور وقار کے ساتھ مجھے بیاہ کر لائے ہیں تو پھر ہر بات میں مجھے نیچا دکھانے اور ذلیل کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے۔" وہ پھر سے رو پڑی تھی۔

"اصل میں وہ صرف تمہیں انڈر پریشر رکھنا چاہتے ہیں تاکہ تم ان کے سر نہ چڑھ جاؤ۔" وہ شرارت سے بولا، آنسو صاف کرتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے لب نیم وا ہی رہ گئے تھے اماں اندر آ چکی تھیں۔

"یہ دیکھ یہاں جوڑو کے نخرے اٹھائے جا رہے ہیں ارے بے غیرتا کچھ حیا کر گھر میں جوان بہن موجود ہیں اور تم کیا ہر وقت کمرے میں گھس رہتی ہو باہر چل انجم آئی ہے اتنے دنوں بعد۔" اب تو یوں کا رخ اس کی سمت ہو چکا تھا نواز فوراً ہی اٹھ کر باہر نکل گیا، اماں کے پیچھے نیلی کھڑی تھی۔

"نہیں تو یہ کیا بات ہوئی کہ تم یہاں الگ سے کمرے میں بیٹھ کر ناشتہ کر رہی ہو کل کو دوسری بہو نے بھی ایسا ہی کیا تو اماں بیچاری تو اکیلی رہ جائیں گی باہر سب کے سامنے کھایا پیا کرو وہاں تمہارے کوئی نوالے نہیں گن رہا ہوتا۔" سندس کے حلق میں نوالہ اٹکنے لگا تھا۔

☆☆☆

کتنا مشکل ہوتا ہے کسی کی بے سروپا باتوں کو سننا نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرائے جانا اور ناپسندیدہ رویوں پر بھی تائید کا اظہار کرنا، آج انجم آئی ہوئی تھی اور اسے بس ایک ہی شوق تھا دوسروں کی خوب برائیاں کرنا، وہ بیچاری نہ صرف انہیں سننے پر مجبور تھی بلکہ جہاں وہ مسکرائیں وہاں ہنسنا ضروری تھا اور جس بات پر ان کی آنکھیں نم ہو جائیں مقابل کو وہاں ان کی دلجوئی کی خاطر دکھی ہونا اور ایک آدھ آنسو بہانا گویا کہ فرض کا درجہ رکھتا تھا اوپر سے اس پر مزاج خوب دھوپ چھاؤں جیسا ابھی ایک بات پر قہقہہ لگا رہی ہیں تو اگلے ہی پل کوئی افسردہ سی کہانی سنا کر بے حد غمگین، چار گھنٹے بعد بڑی مشکل سے اس کی جان چھوٹی تھی اب تو جبڑے بھی دکھنے لگے تھے بلاوجہ مسکرا مسکرا کر اور جو ذرا دیر کو بندہ خاموش بیٹھ جائے تو یہ شکایت۔

"کہ بھابھی کو ہمارا آنا اچھا نہیں لگتا۔" آج دوپہر میں بھی نہیں سوئی تھی اور اب نیند سے بوجھل پلکیں آنکھوں پر جھکتی جا رہی تھیں کمرے میں آتے ہی بستر پر گر کر بے خود ہو گئی تھی۔

اگلے روز اس کا جہیز آ گیا تھا علی اسے ایک موبائل بھی گفٹ کر گیا تھا۔

"تمہاری تو آواز سننے کو نہیں ملتی اس پہ میں نے پیکج بھی کر دیا ہے اب دن رات کرو فری بات۔" کمرشل کی نقل اتارتے ہوئے وہ ہنسا تو سندس بھی مسکرا دی۔

اپنے بیڈ روم کو دیکھ کر عجیب خوشنما سا احساس ہو رہا تھا ساری سیٹنگ اور سجاوٹ اس نے اپنی مرضی سے کی تھی۔

"اماں میں بھی ایسا ہی بیڈ لوں گی۔" نیلی نے جھٹ سے فرمائش کر دی تھی جس پر اماں نے خوب ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"ایسا ہی کیوں تم یہی لے جانا بھابھی ہیں تمہاری، کوئی غیر تو نہیں اتنا دل تو کر ہی لے گی آخر ہمارے گھر میں رہتی ہے ہمارا دیا کھاتی ہے۔" ساتھ تیکھی نگاہ اس پر بھی ٹکی ہوئی تھی وہ سپاٹ سے تاثرات کے ساتھ ڈیکوریشن پیس صاف کرتی رہی۔

"استعمال کرنے سے تو چیزیں خراب ہو جائیں گی۔" نیلی کو اب نئی فکر لگ گئی تھی۔

''تم فکر نہ کرو میں پالش کروا دوں گی تو بالکل نیا ہی لگے گا۔'' اماں بیٹی خود ہی سب طے کرتی باہر نکل گئی تھیں وہ دل ہی دل میں کھول کر رہ گئی رات میں نواز کو بھی سنا دیا۔

''میں اپنے جہیز کی ایک بھی چیز نہیں دوں گی کسی کو۔'' وہ اماں اور نیلی کی بھی سن کر آیا ہوا تھا محض سر کھجا کر رہ گیا۔

☆☆☆

''کیا ہو رہا ہے یہ۔'' اس نے ایاز کو کسی دوسرے چھت پہ اشارے کرتے دیکھا تھا ذرا سا آگے منڈیر پر جھکی تو اسے لڑکی بھی نظر آ گئی تھی ایاز اپنی جگہ اچھل کر سیدھا ہوا۔

''توبہ بھابی آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔''

''تو ایسے کام ہی کیوں کرتے ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے تار پر کپڑے پھیلانے لگی تھی۔

''اب میری محبت کو کام تو مت کہو۔'' وہ برا مان گیا۔

''بتاؤں اماں کو۔'' اس نے ڈرانا چاہا تو ایاز نے دونوں ہاتھ کانوں کو لگائے۔

''تمہاری سہیلیاں آئی ہیں۔'' نیلی نے آخری سیڑھی پہ کھڑے ہو کر خوب لٹھ مار انداز میں اطلاع دی تھی۔

''میری سہیلیاں۔'' وہ تعجب سے بڑبڑائی۔

''یہ ہمیشہ آپ سے ایسے ہی بات کرتی ہے۔'' اس کا اشارہ نیلی کی جانب تھا جو اب دھپ دھپ کرتی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

''پلیز تم ابھی اسے کچھ مت کہنا۔'' نہ جانے کون آیا تھا وہ مہمانوں کے سامنے کسی قسم کا ہنگامہ نہیں چاہتی تھی، کچھ دیر میں فارغ ہو کر اس نے بیٹھک میں جھانکا تو حیران رہ گئی۔

''الوینہ تم۔'' وہ اس کی بچپن کی دوست تھی پھر شادی کے بعد فرانس چلی گئی تھی اور اب یوں اچانک اسے سامنے دیکھ کر ایک آدھ جھٹکا لگنا تو فطری بات تھی۔

''میں ماموں جان کی طرف آئی تھی سوچا تم بھی اسی شہر میں ہو تو کیوں نہ تم سے ملتی جاؤں۔'' اس کے ساتھ اس کے ماموں کی بیٹی بھی تھی۔

''اچھا کیا آ گئی میں بھی تمہیں بہت یاد کرتی تھی۔'' پرانی دوست سے اچانک اسے بہت سی خوشی سے ہمکنار کر گیا تھا۔

نیلی کچھ دیر بعد لال شربت گلاسوں میں انڈیل کر چلی گئی وہ بھی گرم اسے بے حد شرمندگی نے گھیرا الوینہ نے اس سمت خاص دھیان نہیں دیا تھا ورنہ وہ جانتی تھی کہ الوینہ کو لال شربت سے کتنی چڑ ہوا کرتی تھی۔

''کون سی سہیلیاں آئی ہیں تمہاری۔'' اماں کو بھی اطلاع مل چکی تھی اور اب وہ دور سے ہی خوب اونچی آواز میں استفسار کرتی اندر آئی تھیں الوینہ اور اس کی کزن نے انہیں اٹھ کر سلام کیا مگر جواب ندارد۔

پاس بیٹھ کر ان کا پورا بائیو ڈیٹا کھنگالا پھر اپنی مخصوص ٹون میں بولیں۔

''برا نہ ماننا بیٹا مگر یہ دوستیاں میکے تک ہی رکھنی چاہیے بھلا سسرال میں سہیلیوں کا کیا کام۔'' سندس کا جی چاہا کہ کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، الوینہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی، وہ اسے مزید رکنے پر اصرار بھی نہ کر سکی۔

''جب لاہور آؤ گی تو پھر تفصیلی ملاقات ہو گی۔'' سندس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ دونوں چلی گئیں، ایاز بازار سے گوشت لایا تھا، ڈرائینگ روم خالی دیکھا تو تعجب سے بولا۔

''آپ کی دوستیں چلی گئیں۔''

''نا وہ تیری کیا لگتی تھیں جو تو ان کی خاطریں کرتا پھر رہا ہے۔'' اماں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ جھپٹ کر فریزر میں رکھ دیا۔

سندس کو ابھی تک الوینہ کے جانے کا دکھ ہو رہا تھا وہ کیا سوچتی ہو گی یہ سوچ سوچ کر وہ رات بھر سو نہیں پائی تھی، اندر جانے کتنا غبار بھرا تھا جو آنسوؤں کی صورت تکیے کو بھگوتا رہا۔

''ایک تو یہ کہاں سے رونی صورت میرے پلے بندھ گئی ہے اتنا ہی اوکھا لگتا ہے یہاں رہنا تو اپنے پچھلوں کے پاس چلی جا۔'' نواز نے کوفت سے کہہ کر کروٹ بدل لی تھی۔

☆☆☆

انجم، ایاز کے لئے اپنی نند کا رشتہ لائی تھی ایاز نے بھی موقع غنیمت دیکھ کر اپنی پسند سے آگاہ کر دیا کہ شادی کرے گا تو کمہاروں کی لڑکی سے دوسری جانب اماں کافی جلال میں تھیں کہ وہ تو کبھی بھی غیر برادری میں شادی کر کے خاندان کی عزت کو بٹہ نہیں لگنے دیں گی۔

اس سلسلے میں ہنگامی طور پر کلثوم اور انجم کو بلوایا گیا تھا، کہ وہ اسے کچھ سمجھائیں مگر وہ الٹا ان دونوں کو سمجھا رہا تھا اور جب اس نے اپنی حمایت کے لئے سندس کی جانب مدد طلب نظروں سے دیکھا تو سب کی توپوں کا رخ اس کی جانب ہو گیا۔

''اماں یہ بھابی کی شہہ ہے ساری اس دن بھی دونوں چھت پہ کھڑے اس موضوع پر ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔'' نیلی نے سندس کو گھورتے ہوئے اماں کو اطلاع دی تھی۔

''ہاں یہی تو ہے اس گھر میں ہماری دشمن من میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے دیور کو اپنی پٹی پہ جو لگا رکھا ہے۔''

''اماں اس میں بھابی کا کیا قصور میں جو کر رہا ہوں اپنی مرضی سے کر رہا ہوں۔'' ایاز نے کمزور سا احتجاج کیا جبکہ وہ ایک کونے میں خاموش تماشائی ہی کھڑی تھی جواب میں کیا کہتی ایسی چھچھوری زبان پہلی بار سننے کو مل رہی تھی ان کے خاندان میں تو رشتوں کا ایک تقدس ایک لحاظ رہا تھا اور کوئی کسی پر ایسے فضول الزامات بھی نہیں لگاتا تھا۔

''تمہاری مرضی اس گھر میں نہیں چلے گی پہلے تمہارے باوا نے اپنی مرضی کی اور یہ مصیبت ہمارے سر پہ مسلط کر دی جہیز دیا ہے تو اپنی بیٹی کو دیا ہے ہمیں تو پہنا دی وہ چھٹانک بھر کی جھمکیاں اور اتنا نہ ہوا داماد کو ہی کوئی گاڑی ہی لے دیں بیچارہ روز پیدل کام پر جاتا ہے اور اب تم چلے ہو ان کھنگلوں میں رشتہ جوڑنے۔''

''بہت امیر ڈھونڈے تھے نا بھائی کے لئے لڑکی ایسی دیدہ ہوائی عین نکاح کے وقت انکار منہ پر دے مارا۔'' وہ بھی دوبدو مقابلے پر اتر آیا تھا۔

''ہاں تو یہ چھوکری کون سا دودھ کی دھلی ہے جو آتے جاتے لڑکوں کو تاڑتی پھرتی ہے یہ ذات، حرافہ، میرے اتنے فرمانبردار بیٹے کو میرے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔''

''اماں یہ میری خواہش ہے۔''

''آج تو اس کی ماں کی وہ سنا کر آؤں گی کہ سارا محلہ سنے گا۔'' وہ پاؤں میں چپل اڑس کر دوپٹہ درست کرنے لگی ان کی اس ایکٹنگ کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا ایاز لپک کر آگے بڑھا۔

''اماں پلیز ان کے گھر نہ جاؤ۔''

''ہٹو پرے تم، آج یہ قصہ تو نمٹ کر ہی رہے گا۔'' اماں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

''اچھا تم جیسا چاہو گی بالکل ویسا ہی ہو گا لیکن ان کے گھر نہ جاؤ۔'' اس کے ہتھیار ڈالتے ہی اماں بھی جاگ کی طرح بیٹھ گئی تھیں وہ چپ چاپ سا باہر نکل گیا۔

انجم اور کلثوم نے داد بھری نظروں سے اماں کو دیکھا۔

''واہ اماں تم نے تو کمال ہی کر ڈالا۔'' نیلی کا قہقہہ بے ساختہ تھا سندس نے تاسف بھری نظروں سے بیرونی دروازے کی جانب دیکھا اسے ایاز کے اتنی جلدی ہار مان جانے کا دکھ ہوا تھا۔

''اماں میری نند کے متعلق اب کیا خیال ہے۔'' انجم نے اپنا مدعا بیان کیا اماں کی تیوری چڑھ گئی۔

''ارے ہٹاؤ اسے کالی مڑیل سی تو ہے۔''

''لیکن اماں میری سسرال کا معاملہ ہے میری ساس بہت زور لگا رہی ہے اس رشتے کے لئے۔'' اماں نے ایک نظر سندس کو دیکھا جو ابھی تک وہیں کھڑی تھیں۔

''جا کر ہانڈی روٹی کا بھی کچھ کرو، دوپہر ہو چلی ہے کیا شام تک بھوکی رکھو گی۔'' وہ فوراً وہاں سے کھسک گئی

''کن سوئیاں لینے کی عادت ہے اسے۔'' پیچھے سے نیلی کی بڑبڑاہٹ سنائی دی تھی اسے بھلا ان کے معاملات میں خاک دلچسپی ہوتی تھی، وہ کچن میں آ کر گیلی لکڑیاں سلگانے کی کوشش کرنے لگی تھی اماں نے تینوں کے صلاح مشورے کے بعد اسی روز اپنی حیدر آباد والی بہن کو فون ملایا تھا ایک کی شادی سسرال میں ہوئی تھی تو دوسرے کی شادی اب وہ ضد میں اپنے میکے میں کروانا چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

رشتہ طے ہوا اور شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے فوزیہ بیاہ کر ان کے گھر آ چکی تھی اور اس سارے ہنگامے میں اس کا موبائل کہیں کھو گیا تھا وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکی تھی مگر وہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔

فوزیہ کی چار دن خوب خاطریں ہوئیں تھیں پھر اس نے خود ہی سندس کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا نیلی اب دونوں کے بہناپے سے چڑنے لگی تھی۔

''اماں ان پہ نظر رکھا کرو دونوں ملا کر تمہیں کونے میں لگا دیں گی۔'' اماں کو بھڑکانے کے ساتھ وہ خود بھی دونوں کے ساتھ چپکی رہتی تھی ابھی بھی وہ دونوں برآمدے میں بیٹھی سبزی بنا رہی تھی جب کلثوم تن فن کرتی گھر میں داخل ہوئی۔

''یہ پڑھایا ہے تم نے میرے بچوں کو آج سے قبل وہ کبھی فیل نہیں ہوئے اور اب کی بار دو مضمون میں سب کا رزلٹ زیرو ہے۔''

ایک تو اس کے بچے اتنے کند ذہن تھے اس پر حد سے زیادہ بدتمیز اور شرارتی، ایک دن کچھ یاد کرواؤ تو دوسرے دن بھول جاتا تھا پھر پچھلے دنوں ایاز کی شادی کے دنوں میں ان کے پیپر تھے اور تینوں نے ایک لفظ تک نہیں پڑھا تھا ایک کو پکڑ کر بٹھاتی تو دوسرا غائب ہو جاتا تھا ایسے میں فیل ہونا تو یقینی بات تھی۔

مگر کلثوم نے انتہائی طیش کے عالم میں رزلٹ کارڈ اس کے منہ پر دے مارے جو لڑھکتے ہوئے اس کی گود میں آن گرے تھے۔

''کلثوم باجی یہ کیا حرکت ہے۔'' فوزیہ نے سر اٹھا کر اسے گھورا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا جبکہ سندس کا سر خجالت کے باعث جھکا ہوا تھا۔

''تم چپ رہو میں تم سے بات نہیں کر رہی۔'' اس کو کون سا کسی کا لحاظ تھا اسے بھی منہ توڑ جواب دے دیا مگر وہ سندس نہیں تھی جو سہہ جاتی انہی کی خالہ زاد تھی اسے لوگوں سے نبٹنا اچھی طرح سے آتا تھا۔

''آپ کے بچے ہماری ذمہ داری نہیں ہیں جب خود پیدا کیے ہیں تو ان کی پرورش تربیت بھی خود کرو ایک تو صبح سویرے انہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہیں بھابھی کیا آیا لگی ہوئی ہے جو آپ کے بچوں کا ہر کام کرے اور بدلے میں آپ اس پر آنکھیں نکالیں۔'' انہیں پہلی بار ایسا ٹکا سا جواب ملا تھا کچھ دیر تو وہ ہکا بکا رہ گئیں پھر کچھ اور نہ سوجھا تو روتے ہوئے اماں کو بلا لائیں۔

''دیکھ لو اپنی چہیتی کو آج مجھے باتیں سنا رہی ہے اسے بیاہ کر لائے تھے کہ یہ ہماری طرف داری کرے گی مگر اس نے تو مجھے ہی بے عزت کر دیا میرے بچوں کے کھانے پینے پہ نظر رکھتی ہے گھر آئے مہمان کا اتنا بھی لحاظ نہیں رہا اسے۔''

''گھر آیا مہمان ہماری عزت کرے گا تو عزت ملے گی بدلے میں اور آپ تو روزانہ ہی ہمارے سر پر مسلط رہتی ہیں کہاں کی مہمان۔'' اماں خود اپنی جگہ اس زبان درازی پر انگشت بدنداں کھڑی تھیں، سندس نے حیرت سے اسے دیکھا اسے تو یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی ان عورتوں کے سامنے بھی اس طرح بول سکتا ہے سیر کو سوا سیر مل گیا تھا۔

''آ لینے دے تیرے خصم کو تیری زبان کو لگام نہ ڈلوائی تو کہنا۔'' اماں کا غصہ سوا نیزے پہ پہنچ چکا تھا مگر ایاز نے یہ کہہ کر بات ہی مکا دی۔

''اماں تیری پسند ہے تم ہی بھگتو۔'' چلو جی بات ہی ختم۔

☆☆☆

آج بہت دنوں بعد گرمی کا زور ٹوٹا تھا خوب موسلا دھار بارش ہوئی تھی دھل دھلا کر ہر منظر نکھر سا گیا تھا ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی وہ صحن میں بچھی چارپائی پر لیٹی ہوا کے رتھ پر سوار اڑتے بادلوں کی ٹولیاں دیکھ رہی تھی ساتھ ہی اسے اپنے کچن کی رونقیں یاد آ گئی تھی وہ اور ارم مل کر پکوڑے، املی کی چٹنی اور بیسن کی روٹیاں بنایا کرتی تھیں۔

''اف کتنا سہانا موسم ہے۔'' فوزیہ ابھی کچھ دیر پہلے سو کر اٹھی تھی موسم کی رنگینی دیکھ کر کھل اٹھی۔

''چلو کہیں گھومنے چلیں، ایسے موسم میں گاؤں کی سیر کا اپنا ہی مزہ ہے۔''

''ہاں اور گاؤں کی سیر کے بعد جو اماں سے خاطر ہو گی اس کا بھی اپنا ہی مزہ ہو گا۔'' سندس کے گھورنے پر وہ منہ پھلا کر چارپائی کے دوسرے کونے پر ٹک گئی تھی۔

آم کے پیڑ پر کچی کیریاں لگی ہوئی تھی جن کی مہک سے دل للچا رہا تھا وہ ان کو دیکھتے دیکھتے فوزیہ سے بولی۔

''فوزیہ تم اماں اور نیلی کے ساتھ کیسے دوبدو بول لیتی ہو تمہیں ڈر نہیں لگتا۔''

''غلط باتوں پر میں چپ نہیں رہ سکتی، ویسے بھی ایاز نے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ ان لوگوں سے تمہیں خود نمٹنا ہے مجھے گھریلو چپقلشوں میں شامل مت کرنا۔'' ٹانگیں جھلاتے ہوئے اس نے مزے سے بتایا، ایسا نہیں تھا کہ وہ خود کو منوانے کا فن جانتی تھی بس شوہر کی حمایت حاصل تھی اماں کی بھانجی تھی اس لئے وہ اس کے معاملے میں رعایت برتی جاتی تھیں پھر اپنی ضد میں اسے بیاہ کر لائی تھیں تو اس کا ساتھ دینا مجبوری بھی تھا

مرد کو اللہ نے حاکم اور نگران بنایا تھا تو یہ اس کا کام تھا کہ وہ رشتوں میں توازن رکھے مگر یہاں توازن ہی تو نہیں تھا ایاز جورو کا غلام بنا ہوا تھا تو نواز ماں کا اور وہ اس غیر توازن میزان پر کھڑی کبھی ادھر کو ڈول جاتی تو کبھی ادھر کو۔

اگلا دن اس کے لئے میں بہت بڑی بد نصیبی لے کر آیا تھا وہ کسی کام سے چھت پر گئی تو اس نے نیلی کو فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتے دیکھا تھا یہ وہی موبائل فون تھا جو اس کا چوری ہو گیا تھا۔

''کس سے بات کر رہی ہو۔'' اس کی اچانک آمد اور پھر استفسار پر نیلی گھبرا گئی تھی جلدی سے اس نے موبائل کان سے ہٹا دیا۔

''ک...... سی...... س...... ن...... نہیں۔'' اس کا لہجہ ہکلا رہا تھا۔

''میرا سیل فون تم نے چرایا تھا۔'' اسے نیلی کی گھبراہٹ مزہ دے رہی تھی نیلی کے نے پیچھے سے نواز کو آتے دیکھا تو اس کی رنگت مزید فق ہو گئی لیکن اگلے ہی پل اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا تھا وہ جلدی سے نواز کی سمت بڑھی۔

''اوپر آؤ بھائی آپ کی عزت تو خاک میں مل گئی کیسے آپ کی غیرت کی دھجیاں اڑا رہی تھی یہ۔'' اس کا اشارہ سندس کی جانب تھا وہ اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی ایاز ہونق سا منہ کھولے کھڑا تھا، نیلی اس کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیاں اترنے لگیں۔

''نواز سنیں میری بات۔'' وہ لپک کر آگے بڑھی تھی مگر تب تک نیلی نے صحن میں جا کر اک ہنگامہ سا مچا دیا تھا۔

''اماں، اب دیکھو اپنی بہو کے کرتوت، فون پر لڑکوں سے محبت کی پینگیں بڑھائی جا رہی تھی یہ فون چوری نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے چھپا کر رکھا ہوا تھا میں چھت پر گئی تو وہ کسی لڑکے سے رازو نیاز کی باتیں کر رہی تھی۔'' سب کمروں سے نکل کر صحن میں آ چکے تھے وہ آخری سیڑھی پر کھڑی تھی اس نے بت بنے نواز کو امید بھری نظروں سے دیکھا تھا کہ شاید وہ اس کا اعتبار کرے گا مگر نہیں وہ تو خاموش دم سادھے کھڑا تھا اس کی امید اندر ہی کہیں دم توڑ گئی تو اس نے خود ہی بولنے کا فیصلہ کیا۔

''اپنا کیچڑ میرے اوپر مت اچھالو نیلی یہ فون تمہارے پاس تھا اور باتیں بھی تم کر رہی تھی میں نہیں۔''

''ہائے توبہ تو بہ رنگے ہاتھوں پکڑا ہے میں نے اسے اور دیکھو کس قدر دیدہ دلیری سے الٹا مجھ پہ الزام لگا رہی ہو۔'' نیلی نے بے ساختہ کانوں کو چھوا تھا۔

''یقین نہ آئے اماں تو فون ملا کر پوچھ لو اس لڑکے سے کہ وہ کس سے بات کرتا تھا۔'' اس نے موبائل اماں کی سمت بڑھایا تھا جسے نواز نے جھپٹ کر ریسیو کال سے نمبر نکال کر ڈائل کرنا شروع کر دیا تھا، دوسری بیل پر ایک مردانہ آواز ابھری تھی۔

''ہیلو سندس فون کیوں بند کر دیا تھا۔'' نواز نے فون اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا اماں نے دو ہتھڑ سینے پہ مارتے ہوئے واویلا مچا دیا۔

''ہائے میرے بیٹے کی عزت کا جنازہ نکال دیا اس بے غیرت نے، ہمیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا۔'' اماں اب اسے پیٹ رہی تھی۔

''اماں چھوڑ اسے۔'' فوزیہ نے آگے بڑھ کر چھڑوایا سندس اس کے ضبط کا پیمانہ آج چھلک گیا تھا بیگ میں دو سوٹ رکھنے کے بعد اس نے بڑی سی چادر اوڑھی اور لاہور جانے کے لئے گھر سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆

اپنوں میں لوٹی تو ایسا لگا جیسے جنت میں پناہ مل گئی ہو جہاں طنزیہ لہجے تیز برساتی نظریں، گھائل کرتا انداز اور رگ جان کو کاٹتا کوئی احساس نہیں تھا جہاں نفرتوں کی دھوپ کی بجائے محبتوں کی چھاؤں دیتی ماں کی گود تھی جس پہ سر رکھ کر وہ اپنا ہر غم بھول جایا کرتی تھی، تنہائیوں کے لمحات میں اس کی یاد ہوا کے جھونکے کے مانند آتی اور اسے چھو کر گزر جاتی تھی اس نے کبھی اس جھونکے کو مٹھی میں بند کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی بلاشبہ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا شخص تھا وہ اس کے دل میں ضرور اترا تھا مگر اس کی گہرائیوں کو نہ چھو سکا۔

سات ماہ گزر گئے تھے سسرال کو سے آئے ہوئے اس نے ایک چینی گڑیا کو جنم دیا تھا اطلاع ان لوگوں تک بھی پہنچا دی گئی تھی مگر وہاں سے کوئی نہیں آیا تھا نہ اپنی بچی کو دیکھنے نہ بیوی کو منانے۔

اسے لاشعور طور پر انتظار ضرور رہا اور پھر ڈوبتے سورج کے ساتھ اس کا آخری دیا بھی بجھ گیا تھا۔

☆☆☆

تین سال گزر گئے تھے وہ دریچے میں خاموش کھڑا ماضی کے نقش کھرچ رہا تھا آنگن میں اتری دبیز خاموشی کے پہلو میں چھپی وہ قربتیں اب خواب و خیال ہو چکی تھیں وہ جب پاس تھی تو اس کی قدر نہ کر سکا اور جب چلی گئی تو اس کے دل پہ نفرت و محبت کی دھول چھوڑ گئی اور آج جب اس نے اس آئینے کو جھاڑا تھا تو نفرت کی گرد اڑ گئی تھی اب محبتوں کی دھول تھی جس میں یادوں کے جگنو چلتے تھے۔

شروع شروع میں اماں اور بہنوں نے بہت زور دیا تھا کہ وہ اسے طلاق دے کر دوسری شادی کر لے مگر وہ اپنے دل کو اس فعل پر آمادہ نہیں کر سکا تھا اس کی بیٹی دنیا میں آئی تو کتنا دل چاہا تھا کہ ایک بار جا کر دیکھ آئے مگر کوشش کے باوجود نہیں جا سکا تھا۔

اگر اس سے غلطی ہوئی تھی تو وہ شرمندہ ہوتی اس پر معافی مانگ لیتی تو وہ اپنا دل بڑا کر ہی لیتا مگر اسے یوں گھر چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا اور اگر چلی ہی گئی ہے تو خود سے آ کیوں نہیں جاتی، وہ روز ہی سوچتا رہا دن مہینے اور پھر سال گزر گئے، کل تک جو اس کے آگے پیچھے گھومتے تھے اب سب اپنے اپنے گھروں میں خوش مگن اور آباد تھے۔

نیلی کی شادی ہو چکی تھی ایاز اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر چلا گیا تھا کلثوم کی ٹرانسفر کسی دور دراز کے گاؤں میں ہو چکا تھا اور اماں وہ جوڑوں کے درد میں مبتلا اٹھنے بیٹھنے سے عاجز ہو چکی تھی اور گھریلو ذمہ داریاں نبھانا جب اس کے بس میں نہیں رہا تھا تو اسے آج بھی بیٹے پر نہیں خود پر رحم آیا تھا تو کتنی آسانی کے ساتھ وہ اسے بلا کر وہ جان لیوا انکشاف کر رہی تھیں۔

''نواز، سندس کو اور میری پوتی کو گھر لے آؤ۔'' اور وہ تین سال بعد اس کا نام اپنے گھر میں سن کر چونکا تھا پھر اس نے حیرت سے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔

''اور جو اس نے کیا تھا وہ سب بھول جاؤں۔'' وہ شام آج پھر پوری شدت کے ساتھ یاد آئی تھی۔

''وہ ساری تو نیلی کم بخت کی غلطی تھی فون بھی اسی نے چرایا تھا اور لڑکے کے ساتھ باتیں بھی وہی کرتی تھی وہ تو جب فیقے کا رشتہ آیا تو اس نے رولا ڈال دیا کہ اسی سے کروں گی شادی، تب جا کر منہ سے پھوٹی تھی۔'' اور اس کے سر پہ تو جیسے پوری چھت آن گری تھی۔

''اور تم کیوں اب جا کر بولی ہو اماں، تمہیں اس سے پہلے مجھ پر ترس نہیں آیا اپنی غیرت پہ لگے دھبے کے ساتھ میں نے ایک ایک رات

کیسے کاٹی ہے۔'' پہلے رشتے کی بات اور تھی اس نے اس لڑکی کو کبھی دیکھا نہیں تھا اگرچہ اس کے چکر کے چرچے تھے مگر تب تو دولت کی دھن سوار تھی اور یہ لالچ بھی گھر اس نے اس کے دل میں ڈالا تھا مگر اب کی بار اس نے محبت کی تھی اعتبار کیا تھا اور وہ اس کی منگیتر نہیں بیوی تھی اور بیوی کے کردار پہ حرف آئے یہ کسی مرد کی غیرت گوارہ نہیں کر سکتی اماں نے شرمندہ سا ہو کر سر جھکا لیا۔

''ایاز تو شروع سے لاابالی سا تھا مگر تو میرا بڑا سعادت مند فرمانبردار بیٹا تھا وہ اتنی خوبصورت تھی کہ مجھے ڈر لگتا تھا کہیں وہ تمہیں مجھ سے چھین کر نہ لے جائے کہیں تم مجھے چھوڑ کر نہ چلے جاؤ۔''

''یہ ساری ناانصافیاں سعادت مند اولاد کے حصے میں کیوں آ جاتی اماں۔'' اس نے ایک شکوہ کناں سی نظر ان پر ڈالی اور باہر دریچے میں آن کھڑا ہوا۔

☆☆☆

''امی وہ یہاں کیوں آیا ہے میں اس سے ملنا نہیں چاہتی اس کہیں کہ وہ واپس چلا جائے۔'' وہ اور ارم ابھی ابھی بازار سے لوٹی تھیں جب امی نے آ کر اسے نواز کی آمد کی اطلاع دی جسے سنتے ہی وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''مگر بیٹا وہ تمہیں لینے آیا ہے۔'' اس کی آمد کا مقصد اسے مزید طیش دلا چکا تھا جانے کون سی جھوٹی سچی کہانی سنائی تھی جو اماں اور ابا اس کے ہم خیال ہو چکے تھے۔

''بڑی جلدی خیال آ گیا اسے مگر آپ میرا فیصلہ اچھی طرح سے جانتی ہیں۔'' تبھی وہ ایمن کو اٹھائے اندر چلا آیا تھا، امی اٹھ کر باہر چلی گئیں اس نے دیکھ کر رخ موڑ لیا تھا۔

''مانا کہ تھوڑی دیر ہو گئی مگر زندگی کا ایک بڑا حصہ ابھی بھی باقی ہے۔'' وہ پاس آ کر بولا مگر وہ ہنوز رخ موڑے کھڑی رہی۔

''میں بہت شرمندہ ہوں تم سے سندس پلیز مجھے معاف کر دو۔''

''آپ کی شرمندگی سے اب مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''مگر مجھے بہت فرق پڑتا ہے تمہاری ناراضگی سے، تمہاری دوری سے اور تمہاری بے رخی سے۔'' ایمن کو گود سے اتار کر اس نے سندس کا رخ اپنی سمت موڑ لیا تھا۔

''کیا تم آخری بار مجھ پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔'' اس نے پھر پوچھا تھا۔

''میں اب کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔''

''وہ سمجھوتہ جو گھر کی گرتی ہوئی دیوار کو پھر سے اپنے مقام پر لا کھڑا کرے کرنے سے تحفظ مل جاتا ہے زندگی مشکل نہیں لگتی وہ سمجھوتہ نہیں۔''

''میری زندگی اب بہت آسان ہے۔'' اس نے اب پر خاصا زور دیا تھا۔

''مگر میں اسے خوشگوار بنانا چاہتا ہوں۔'' وہ ہنوز اپنی بات پر مصر تھا اور وہ ویسے ہی انا کے خول میں لپٹی خفا سی کھڑی تھی جب ایمن نے مما کا ہاتھ پکڑ کر پاپا کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''بس اتنی سی بات تھی۔'' اور دونوں بے ساختہ ہنس پڑے ایمن اب تالیاں بجا رہی تھی نواز نے جھک کر ایمن کا گال چوم لیا تھا۔

سندس کے لبوں پہ ابھی بھی مسکراہٹ تھی اسے زندگی کا یہ روپ اتنا مکمل لگا تھا کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اب کبھی یہ منظر ادھورا ہو۔

☆☆☆

ستاروں کے آئینے میں

◇◇◇ دُرشجر ◇◇◇

LIBRA

برج میزان

سیارہ زہرہ

24 ستمبر تا 23 اکتوبر

نام کے پہلے حروف

ت۔ٹ۔ر۔ط

نام کے پہلا حرف .... ت۔ٹ۔ر۔ط

نشان .... ترازو

عنصر .... ہوا

مبارک دن .... جمعہ

خوش بختی کا ہندسہ 6

دوسرے بروج سے تعلقات:۔

بہترین .... دلو، جوزا

بہتر .... عقرب، قوس، اسد، سنبلہ

غیر یقینی .... حمل، جدی، سرطان

غیر جانب دار .... حوت اور ثور

میزان افراد پرکشش شخصیت کے مالک ہوتے ہیں، میزان افراد اپنے حسن اور جنسی کشش کی بناء پر مشہور ہوتے ہیں۔

میزان افراد لوگوں کو اپنے حسن کی کشش میں مبتلا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اپنی اس صلاحیت کی داد بھی چاہتے ہیں، ایک میزان عورت ریٹا ہیورتھ اس فن میں ماہر تھی اور اس نے اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کروڑ پتی آغا خان سے شادی کر کے کیا۔

میزان افراد اکثر حسی، سست اور نازک مزاج ہوتے ہیں، وہ بیک وقت دانش مند، بچوں کی طرح معصوم، پرشباب اور پختہ عمر ہوتے ہیں، وہ کسی دیوی یا دیوتا کی طرح لوگوں اور زندگی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

خود پرست:۔

میزان افراد اپنی اس خصوصیت سے محظوظ ہوتے ہیں جس کی بدولت وہ حسن، حساسیت اور انفرادیت کے مقام تک پہنچتے ہیں، وہ اس سوچ کے مالک ہوتے ہیں کہ وہ بہترین چیز کا حق رکھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کو جو کچھ دے رہے ہیں، اس کے عوض دنیا سے بہت کچھ وصول کر سکتے ہیں، وہ اپنے آپ کو ضائع بھی کر سکتے ہیں، وہ عیش و عشرت کے سامان پر بے تحاشا رقم خرچ کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، تازہ ترین فیشن

وہ اکثر نیک خواہشات کے ساتھ عمل کرتے ہیں، ان کا نصب العین ہے ''انصاف کے لئے۔'' وہ تمام لوگوں کو ایک شفاف سماعت کا حق دینا چاہتے ہیں لیکن عملی طور پر ان کا اعلیٰ نظریہ ان کی اپنی عمل کی کمی کی وجہ سے غیر موثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

تحفظ ذات، خود کو ماحول کے مطابق ڈھالنا:۔

میزان افراد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کو خوش رکھتے ہیں۔

میزان افراد کو اچھے بچے بننے کی تربیت دی جاتی ہے، ان کی قوت فیصلہ کی کمزوری اور فیصلے میں تاخیر ان کی اس خواہش کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کے جذبات کو مجروح نہیں کرنا چاہتے اور سماجی قوانین کا احترام کرتے ہیں، وہ بہت کم نفی میں جواب دیتے ہیں اور اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ کسی کو ٹھیس نہ پہنچے لیکن خود انہیں اندرونی طور پر یہ خوف ہوتا ہے کہ انہیں مسترد نہ کر دیا جائے، انہیں اس بات کی ضرورت رہتی ہے کہ وہ حمل افراد کی طرح دوٹوک بات کرنے کی عادت اپنائیں، اس طرح حمل افراد کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ڈپو میٹک انداز اختیار کرنے کے لئے میزان افراد کی عادت اپنائیں۔

نرم، ذو معنوی:۔

دلکشی اور نرمی میزان افراد کا خاصہ ہے، جب تک کہ انہیں غصے میں مبتلا نہ کیا جائے اور جب ان کے غصے کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ خوفناک حد تک جارح بن جاتے ہیں جنہیں یہ پتہ ہی نہ ہو کہ نرمی کس چڑیا کا نام ہے۔

عموماً لوگ تضادات سے بھرپور ہوتے ہیں اور میزان افراد اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں ہاتھی کی طرح ان کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور، وہ سطحی یا گہرے، فضول یا انتظامی، نرم یا سخت ہو سکتے ہیں، وہ اکثر لائق تحسین گردانے جاتے ہیں، وہ شراکت، حسن اور مسرت کے لئے وقف ہوتے ہیں۔

مضبوط، جارح:۔

اگر چہ میزان افراد لوگوں کو خوش کر کے خوش ہوتے ہیں تاہم مجموعہ تضادات ہونے کی بناء پر ان کے اندر جارحیت کا مادہ بھی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، متعدد فوجی شخصیات کا تعلق برج میزان سے ہے، میزان افراد میں عسکری خصوصیات پائی جاتی ہیں جنہیں وہ عموماً دبا کر رکھتے ہیں اور صرف موقع پڑنے پر ہی استعمال لاتے ہیں، جب ان کا حق چھیننے کی کوشش کی جائے تو وہ ایک خوفزدہ بلی سے دھاڑتے ہوئے شیر میں بدل جاتے ہیں، ظلم اور ناانصافی کا احساس انہیں وحشی بنا دیتا ہے۔

تعاون، پر دلائل:۔

میزان افراد خوش طبع لوگ ہوتے ہیں، ان کے ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے، وہ اصولوں پر تعاون کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، وہ اکثر لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پسند کرتے ہیں، اپنے آدرش کی خاطر اور تعاون کے لئے لڑائی جھگڑے کے بعد اختتام پذیر کر دیتے ہیں۔

بالادستی کی خصوصیت:۔

اگر چہ وہ کبھی کبھی برداشت کا دامن کھو بیٹھتے ہیں تاہم وہ کسی مسئلہ میں براہ راست طریق کار نہیں اپناتے، وہ جذباتی مناظر یا گفت و شنید سے بچنے کے لئے اپنی عمدہ حس مزاح استعمال کرتے ہیں، وہ طنز کا بھی ملکہ رکھتے ہیں اور اتنی عمدگی سے طنز کے نشتر چلاتے ہیں کہ دوسرے کو بولنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔

وہ اپنی خواہشات کے حصول کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بھرپور انداز میں بروئے کار لاتے ہیں، وہ زندگی کی دوڑ میں بھرپور توانائی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور بالآخر کامیاب و کامران ٹھہرتے ہیں، وہ شکر گزار، حالات کے مطابق ڈھلنے والے، بزعم خود صائب الرائے اور کسی حد تک سست ہوتے ہیں، وہ کسی منصوبہ کے ضروری پہلوؤں پر لوگوں کو متعین کرنے کا طریقہ کار جانتے ہیں اور آخر اہم ترین پہلو پر خود کام کرتے ہیں۔

ٹھنڈا مزاج:۔

میزان افراد کا دماغ ایک کمپیوٹر کی مانند ہوتا ہے، وہ اپنی دماغی صلاحیتوں سے کام لے کر بڑے بڑے معرکے سر انجام دے سکتے ہیں، میزان افراد بخوبی جانتے ہیں کہ وہ اپنے دماغ سے کیا کیا کام لے سکتے ہیں اور اسے اپنے نصب العین کے حصول کے لئے کیونکر استعمال میں لا سکتے ہیں۔

وہ عموماً بزنس میں متاثر کن صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور روایتی طور طریقوں کی مدد سے آگے آتے ہیں نیز وہ ایک عمدہ ٹیم ورکر ہوتے ہیں، اپنے متضاد برج حمل افراد کے عکس وہ کوئی انقلابی قدم نہیں اٹھاتے اور نہ ہی تن تنہا کوئی معرکہ سر انجام دینا چاہتے ہیں، وہ مل جل کر بہتر طریقے سے کام کر سکتے ہیں، وہ بڑے محتاط انداز ے سے خطرہ مول لیتے ہیں اور کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی کولیگز سے صلاح و مشورہ کرتے ہیں، وہ شاندار حکمت عملی اپناتے ہیں اور محنتی لوگوں کے ساتھ کام کر کے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

متنوع تعلقات:۔

میزان افراد ہمیشہ اپنے مثالی نصف بہتر کی تلاش میں مگن رہتے ہیں اور اپنے موجودہ تعلقات سے بہت کم مطمئن نظر آتے ہیں، کسی بھی صورت میں وہ بہت زیادہ گہرے تعلقات استوار نہیں کرتے بلکہ اس کی بجائے اپنے دوست یا محبوب کی صلاحیتوں کے بارے میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں، وہ اندرونی طور پر خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ بہت قریب سے جائزہ لے رہے ہیں یا بہت کچھ ظاہر کر رہے ہیں اور ان کے تصورات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

وہ بہت زیادہ پرائیویسی پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ تنہائی سے خوفزدہ ہوتے ہیں، وہ مسرت اور تحریک کے لئے زیادہ تر دوسروں پر انحصار کرتے ہیں اور رضا کارانہ تعاون کرنے والوں کو تلاش کرنے میں انہیں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، وہ تعلقات کے پلڑے کو ایک طرف جھکنے کی بجائے برابر رکھنا جانتے ہیں، اس طرح وہ اپنی توجہ بٹانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

احساس کمتری:۔

میزان افراد کی اپنی ذات سے محبت انہیں دوسروں کی ذات میں جھانکنے کا بہت کم موقع فراہم کرتی ہے اور ان کی محبت کا پھول تاخیر سے کھلتا ہے، وہ مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ تشکیک ذات کا شکار ہوتے ہیں اور اپنی ذات کے بارے میں پر یقین نہ ہونے کی بناء پر نفسیاتی مسائل کا شکار بھی ہو جاتے ہیں، وہ بہت ہمدرد واقع ہوئے ہیں لیکن ذاتی طور پر غیر حساسیت

کے مطابق چلنا ان کی مجبوری ہوتی ہے، ان کے لئے کوئی بھی چیز حرف آخر نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں مگن رہتے ہیں اور وہ قسمت پر بھروسہ کرتے ہیں کہ انہیں جس شے کی خواہش ہوتی ہے، وہ قسمت کی دیوی لا کر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے۔

آرٹسٹک، پیچیدہ:۔

میزان افراد مقدر کے سکندر ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس جادو کی چھڑی ہوتی ہے جس سے وہ بدصورت سنڈریلا کو خوبصورت شہزادی کا روپ دے سکتے ہیں، وہ اپنی کسی شام کو یادگار بنانے کے لئے عمدہ خوراک، مشروبات اور موسیقی کا انتخاب کرتے ہیں۔

ان کا خوبصورت ذوق ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھایا ہوتا ہے اور اس کا اثر ان کے متعلقین کی زندگی پر بھی ہوتا ہے، وہ اشیاء کی بو، آواز اور ذائقہ کی نسبت ان کی خوبصورتی کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں، وہ آرٹ میں نت نئے رجحانات سے واقف رہتے ہیں اور حسن و فطرت کے شائق ہوتے ہیں، فن سے محبت کا اظہار ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے ہوتا رہتا ہے۔

سماجی:۔

میزان افراد سماجی تعلقات بڑی آسانی سے قائم کر لیتے ہیں، وہ ایک برے وقت میں کام آنے والے دوست اور قابل تعریف محب ثابت ہوتے ہیں جو کہ اپنے وسیع اثاثے اپنے قریبی افراد میں شیئر کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، وہ اپنے عزیز و اقارب کو پیارے پیارے تحفے دینا پسند کرتے ہیں، انہیں لوگوں کی شادیاں کرانے کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے، وہ لوگوں کی سالگرہ کا دن بڑی آسانی سے یاد رکھتے ہیں اور ہر قسم کی تقریبات منعقد کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، وہ زندگی کی تفصیلات سے نہیں گھبراتے، وہ لوگوں میں گھل مل کر خوش ہوتے ہیں اور ان کے کام آ کر اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

ہمت ہارنا:۔

میزان افراد کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کسی منصوبے کے پورا ہونے سے پہلے ہی ہمت ہار جاتے ہیں، اس سے ان کی خود اعتمادی اور اثر پذیری میں کمی کا رجحان پیدا ہوتا ہے، وہ فیصلہ کرنے میں مستعدی نہیں دکھاتے اس لئے اکثر دوسروں کے انتخاب کو اپنے لئے موزوں قرار دیتے ہیں، وہ کسی معاملہ میں بہت کم دفاعی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور یہ سوچ کر ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں کہ "انتظار کرو تاوقتیکہ کوئی معجزہ رونما ہو جائے" ایک حد تک تو یہ حکمت عملی کام آتی ہے لیکن جب ان کی زندگی اور ذات گرہوں میں بندھ جاتی ہے تو نقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

قوت فیصلہ کی کمزوری:۔

بزنس مین میزان افراد بڑی مہارت اور عقلمندی سے فیصلہ کر سکتے ہیں تاہم اپنی ذاتی زندگی میں ایسے فیصلوں کے ضمن میں دقت محسوس کرتے ہیں، جن میں جذباتی خدشات شامل ہوں، وہ کسی کو دکھ یا تکلیف دیے جانے کی ذمہ داری قبول کرنا پسند نہیں کرتے، بدترین نتائج سے بچنے کے لئے وہ مسائل کا بڑی احتیاط سے جائزہ لیتے ہیں۔

میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں، وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کا مرقع ہوتے ہیں اور کبھی کبھار جارحیت پر بھی اتر آتے ہیں، وہ جزوی طور پر معصوم بچے، وہ عام افراد میں سے نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ عام افراد کا سا طرز عمل اختیار کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

میزان عورت

برج میزان کی علامت ترازو ہے جو عموماً ایک دوشیزہ نے تھام رکھا ہوتا ہے جو کہ توازن، عدل و انصاف اور تعاون کی علامت ہے، میزان عورت بنیادی طور پر شراکت اور واضح تعلقات کا رجحان رکھتی ہے، میزان عورت دلکش، جذباتی، غمگین، ذہین اور کرشماتی حسن کی مالک ہوتی ہے، اس کے انداز و اطوار لوگوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتے، وہ زندگی میں مستقلاً "میں" کو "تم" کے ساتھ متوازن کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور جب تک اسے ہم آہنگی قائم کرنے کا فن نہیں آتا تب تک وہ ترقی نہیں کر سکتی۔

میزان عورت ایک مکمل سیاستدان ہوتی ہے اور پوری زندگی ماہرانہ حکمت عملی اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہے، وہ براہ راست شمولیت کی بجائے ثالث کا کردار ادا کرنا پسند کرتی ہے، وہ امن و آشتی کی دیوی ہے اور اپنے متعلقین کی ساتھ متاثر کن انداز اختیار کرتی ہے، اندرونی طور پر میزان عورت ایک ننھی سی بچی کی طرح ہوتی ہے جبکہ بیرونی طور پر سکون اور مجتمع نظر آتی ہے، وہ تنہائی پسند ہوتی ہے لیکن اپنی تنہائی سے خوفزدہ بھی ہوتی ہے، یوں لگتا ہے کہ اس کے دونوں پلڑے برابر نہیں ہیں۔

اس کا کمزور حصہ اپنے ساتھی پر انحصار کرنے والا، اسے خوش کرنے والا اور اس کی خدمت کرنے والا ہوتا ہے جبکہ اس کا سخت حصہ اس روش کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جب یہ غالب ہو تو وہ چابکدست، دلیل پرست اور جارح ہو جاتی ہے

محبت میں میزان عورت کی زندگی ایک مرکزی تعلق کے گرد گھوم سکتی ہے، وہ تا دیر محبوب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چہل قدمی کرنا پسند کرتی ہے، وہ پرانی رومانوی فلمیں دیکھ کر آنسو بہانے لگتی ہے، عمدہ شاعری اور موسیقی اس کے دل کو سوز و گداز سے بھر دیتی ہے۔

میزان عورت بیک وقت محبت اور نفرت کر سکتی ہے کیونکہ وہ دوہری فطرت کی حامل ہوتی ہے، وہ اپنے سے زیادہ خود مختار محبوب کی متمنی ہوتی ہے تاہم جب وہ اسے حاصل کر لیتی ہے تو اس کی اسی صفت کو ناپسند کرتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ اس کا محبوب اسے اپنے پیار کے حصار میں قید کر لے لیکن اس حد سے زیادہ قریب پا کر بھی اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، دراصل اس کا نصب العین ہے، "ہر بات میں توازن" لیکن جب تک وہ خود متوازن نہ ہو تب تک اس کی زندگی کی کوئی چیز متوازن نہیں ہو سکتی۔

میزان عورت ایسے مرد کو پسند کرتی ہے جو کہ خوبصورت باتیں بنانے کے گر سے آشنا ہو، پر تکلف، ذہین اور باذوق مرد...... اور چونکہ میزان عورت اس شخص کی طرف جھکاؤ رکھتی ہے جو توجہ اور پیار نچھاور کرنے والا ہو، اس لئے وہ نسبتاً بڑی عمر کے افراد سے رومانی تعلقات کی پینگیں بڑھانا پسند کرتی ہے، اس کے محبوب کو حلیم الطبع بننے کی کوشش کرنی چاہیے، وہ غربت کو پسند نہیں کرتی، آتشدان کے قریب موسیقی، رومانی تحریروں اور جذباتی تصورات سے بھی خوشی حاصل کر لیتی ہے۔

☆☆☆

افراح طارق

غیبت کا گناہ

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ غیبت کرنے والوں کی سخت سرزنش کرتے تھے غیبت اسے کہتے ہیں کہ کوئی کسی کا اس کی غیر موجودگی میں اس طرح تذکرہ کرے جو کہ اسے ناپسند ہو، ایک حدیث میں وضاحت اس طرح ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبت کی حقیقت دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ بات میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہوگی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں نہ پائی جائے تو پھر یہ بہتان ہوگا۔''

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو ایک دفعہ ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا آپ نے لوگوں سے کسی کی غیبت سنی تو فرمایا۔

''عجیب بات ہے کہ پہلے لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے تھے، مگر یہاں دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے بھائی کی غیبت کرکے روٹی سے پہلے اس کا گوشت کھا رہے ہیں۔'' پھر آپ وہاں سے اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔

ام رباب، حیدرآباد

محبوب عمل

حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ تھے، انہیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل تھا، ایک مرتبہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

''اے میرے رب! تجھے میرا کون سا عمل زیادہ پسند ہے تاکہ وہ کام زیادہ کیا کروں۔'' اللہ کا ارشاد ہوا۔

''مجھے تیرا وہ عمل تمام کاموں سے زیادہ پسند آیا کہ جب بچپن میں تمہاری ماں تمہیں مارتی تو تم مار کھا کر پھر اسی کی طرف دوڑتے تھے۔'' (تذکرہ غوثیہ)

حمیرا رضا، ساہیوال

کھانے کے متعلق بعض سنن طیبہ

O حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ ﷺ اس کو اس وقت تک ڈھانپ کر رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ ہو جاتا اور فرمایا۔
میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ ''سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔'' (دارمی، مدارج النبوت)

O حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے، کیونکہ مضر ہضم ہے، جب تک کھانا ہضم کے قریب نہ ہو پانی نہیں پینا چاہیے۔ (مدارج النبوت)

O کھجور یا روٹی کا کوئی ٹکڑا کسی پاک جگہ پڑا ہوتا تو اس کو صاف کرکے کھا لیتے۔ (مسلم)

O آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھاتے ہی سو جانے کو منع فرماتے (یہ دل میں ثقالت پیدا کرتا ہے)، (زاد المعاد)

O کسی دوسرے کو کھانا دینا یا کسی سے کھانا لینا ہو تو داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ)

ماریہ عثمان، سرگودھا

پہلی کرن

☆ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔

☆ حیات کا دروازہ جب تک کھلا ہے غنیمت جانو، وہ جلد ہی تم پر بند کر دیا جائے گا اور نیکی کے کاموں کو جب تک تمہیں قدرت ہے، غنیمت سمجھو۔

☆ موت سے پہلے یاد خدا میں عزت ہے کیونکہ کاٹنے کے وقت ہل چلانا اور بیج بونا حماقت ہے۔

☆ سارے ملک کا بگاڑ ان تین گروہوں کے بگڑنے پر ہے، حکمران جب بے علم ہوں، عالم جب بے عمل ہوں اور فقیر جب بے توکل ہوں۔

☆ محبت کامل نہیں ہو سکتی، جب تک قربانی نہ دی جائے۔

☆ صادق وہ ہے کہ جب دیکھو تو ویسا ہی پاؤ کہ جیسے سنا تھا۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

ماروح آصف، خانیوال

ایک اور دانت

دندان ساز کی بیٹی نے اپنے محبوب سے پوچھا۔

''آج اچھا موقع تھا تم کلینک گئے تھے کیا آج بھی تم نے میرے پاپا سے رشتے کی بات نہیں کی؟'' نوجوان نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں، حسب معمول آج بھی میری ہمت جواب دے گئی اور میں ایک اور دانت نکلوا کر خاموشی سے واپس چلا آیا۔''

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

ہری مرچیں

O ہر عورت خوب صورت ہوتی ہے، سوائے گھر کی عورت کے۔

O آپ سینما دیکھ کر اتنے خوش نہیں ہو سکتے جتنا ایک عورت پڑوس کے گھر جھانک کر خوش ہوتی ہے۔

O سمجھدار جج پہلے عورت کی عمر دریافت کرتے ہیں اور تب انہیں جا کر سچ بولنے کا حلف اٹھواتے ہیں۔

O یاد رکھیے! ناجائز اخراجات ناجائز آمدنی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔

O اپنی نقدی کی حفاظت کرو، اصولوں کی حفاظت دیکھا جائے گا۔

O عورت کے نزدیک سب سے حسین عورت وہ ہے جو اسے آئینے کے سامنے دکھائی دے۔

O خواتین فارغ اوقات میں بچوں کے سر سے جوئیں نکالتی ہیں بے شک جوئیں ہوں یا نہ ہوں۔

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

تعبیر

یہ راتوں کے آگے سرخرو ہوں
چاند سے آنکھیں ملا کر بات کرتی ہوں۔
کہ میں نے عمر میں دیکھا ہے پہلی بار یہ منظر
میری نیندیں میرے خوابوں کے آگے سر اٹھا کر چل رہی ہیں، (پروین شاکر)

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

سرگوشیاں

- O سفر کا آغاز تیز رفتاری سے کیا ہے تو دیکھو رکنا نہیں ورنہ تمہارا اپنا ہی غبار راہ تمہیں دبوچ لے گا۔
- O زندگی نجانے کس کس کا انتظار کرتی ہے اور موت بن بلائے مہمان کی طرح اچانک آ جاتی ہے۔
- O در ہمیشہ وا رکھنے چاہئیں کہ کچھ لوگ دستکوں کے عادی نہیں ہوتے اور صدا دیے بغیر لوٹ جاتے ہیں۔
- O جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے، وہ حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کر رہا ہوتا ہے۔
- O محبت میں یہ قباحت ہے کہ جس سے محبت ہو جائے، اس کو آسانی سے آزاد نہیں کیا جا سکتا، اسے آزاد کرنے سے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔
- O غصہ ایک چور ہے جو انسان کے اچھے لمحات چوری کر لیتا ہے۔

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

اقوال اختری

☆ تھکن سود کی طرح ہوتی ہے، ادائیگی نہ ہو تو بے حساب بڑھتی اور جمع ہوتی رہتی ہے جب تک کوئی بھلا آدمی بھلے طریقے سے بے باق نہ کروا دے۔

☆ فیصلہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے اندر غلطی کا امکان گھاس کی اس نرم کونپل کی طرح ضرور ہوتا ہے جو کسی بھی جگہ، کسی بھی لمحے سر اٹھائے چپ چاپ لہرانے لگتی ہے۔

☆ ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے ذرا ناموافق بات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالات و حالت تک بدل دیتی ہے۔

☆ جعلی عکس ڈالنے والا علم ہو یا اعداد و شمار، ہمیشہ نتیجہ توقعات کے برعکس ہی لاتے ہیں۔

☆ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے بٹھا دے نقصان وہ ہے جو کسی کو آپ کی نظروں سے گرا دے۔

☆ رویوں میں اندھیرا آئے تو انہیں کوسنے مت بیٹھ جایئے، ممکن ہے آپ کے ایک چراغ جلانے سے کسی کے اندر کی کچھ تاریکی کم ہو جائے۔

فضہ بخاری، رحیم یار خان

تکبر! دوزخ کا راستہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا۔

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔''

اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر سب سوچیں کہ ہم کتنے متکبر اور کتنے ایمان والے ہیں، غور کریں کہ جس نے مال و دولت دیا ہے، اسے اختیار بھی ہے کہ واپس لے لے پھر کیا ہوگا؟ اللہ پناہ میں رکھے، رہا ''ایمان'' تو یہ تو بڑی حفاظت سے جان کے ساتھ رکھنا ہے، اِدھر اُدھر ہو گیا تو مسلمان نہ رہا، اگر ایمان رہا تو دوزخ نہیں جنت کا حق دار ٹھہرا، اللہ تعالیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں تکبر سے بچائے اور ایمان کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔

حنا زبیر احمد، بہاولپور

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دیانت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔

''یا امیر المومنین! آسمان اور زمین کے درمیان کیا کچھ ہے؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''قبول ہونے والی دعا۔''

آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔

''مشرق اور مغرب کے درمیان کتنی مسافت ہے؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''سورج کے ایک دن رات چلنے کی مسافت۔''

آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔

''پانی کا ذائقہ کیا ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''جو زندگی کا ذائقہ ہے۔''

ام رباب، ساہیوال

نور زینت

- O آپ کسی انسان سے سب کچھ چھین سکتے ہیں لیکن اس کے جذبے بھی نہیں۔
- O بددعا کبھی زبان سے نہیں دی جاتی وہ آنسو جو پلکوں میں اٹک جائے، بذات خود ایک بددعا ہوتا ہے۔
- O ناپسندیدہ لوگوں سے پیار کرو ان کا کردار بدلا جائے گا۔
- O محبت چہروں سے نہیں دلوں سے، روحوں سے کی جاتی ہے، چہرے بدل سکتے ہیں چہرے ایک جیسے ہو سکتے ہیں، لیکن روحیں اور دل ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔
- O آنسو کبھی بھی آپ ہی آپ نہیں بہتے دل پہ چوٹ لگتی ہے تو آہ لبوں تک آتی ہے۔
- O ایک پل میں دل کے ٹھکانے بدل جاتے ہیں، لیکن بسا اوقات ایک پل ہی ساری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے۔
- O احساس کی دولت سے محروم دل، بنجر زمین کا مانند ہوتا ہے۔

نعیمہ بخاری، اٹک

اندیشہ

ایک تجھے پا لینا ہی منزل تو نہیں
میں یہ بازی جیت گیا تو کیا ہو گا
اشکوں کی اک مالا روز پروتا ہوں
ہجر کا موسم بیت گیا تو کیا ہو گا

سنو ہمدم

بہت سی ڈگریاں لے کر
اکٹھا کر کے اتنا علم
ہنر پر دسترس پا کر
نشاط چاہت دل کے
چھلکتے لفظ آنکھوں سے
اگر پڑھنے سے قاصر ہو
تو......
ان پڑھ ہو

ثمرین زاہرہ، خان پور

خیال میرا خوشبو جیسا

☆ بزدلی درحقیقت یہ ہے کہ اپنے حق کے لئے آواز نہ اٹھائیں۔

☆ زندگی کا کوئی بھی فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے کہ جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ آخر کار ہمیشہ کے لئے پچھتاوا بن جاتا ہے۔

☆ کسی کا دل مت دکھائیں کہ دعاؤں سے اثر زائل ہونے لگتا ہے۔

☆ جو چیزیں اختیار میں نہ ہوں انہیں بھلانا ہی بہتر ہے ورنہ خود کو بھول جائیں گے۔

☆ زندگی میں بے عیب لوگ مت تلاش کریں ورنہ آپ اکیلے رہ جائیں گے۔☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

حنا زبیر احمد ---- بہاولپور

پلک جھپکتے ہیں دنیا اجاڑ دیتی ہے
وہ بستیاں جنہیں بستے زمانے لگتے ہیں
فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو
ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں

....

خزاں میں چاک گریباں تھا میں بہار میں تو
مگر یہ فصل ستم آشنا کسی کی نہیں
میں آج زد پہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

....

کوچہ یار سے ہر فصل میں گزرے ہیں مگر
شاید اب جاں سے گزر جانے کا موسم آیا

اُم رباب ---- ساہیوال

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
شہر والوں کی محبت کا میں قائل ہوں مگر
میں نے جس ہاتھ کو چوما وہی خنجر نکلا

....

تھکا گیا ہے سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پر سر اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

....

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

نعیمہ بخاری ---- اٹک

چلو کہ آج کوئی بچپن کا کھیل کھیلیں ہم
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا

....

میرے احساس کے زخموں نے جگایا مجھ کو
نیند تو ٹوٹی مری خواب تمہارے ٹوٹے

....

مجھے سمیٹ سکو تو معجزہ ہو گا
بکھر گیا ہوں خلا میں وسعتوں کی طرح

ثمرین زاہرہ ---- خان پور

کوئی کرتا ہی نہیں ذکر وفا داری کا
ان دنوں عشق میں آسانی ہی آسانی ہے

....

باہر تو کوئی دشمن جاں اپنا نہیں تھا
یارو بھلا ہمیں اندر کے خدوخال نے مارا
آئے جو نظر چہرے بظاہر تھے فروزاں
افسوس انہی چہروں کے افعال نے مارا

....

مرتے رہے ہم لوگ سدا وقت کے ہاتھوں
ماضی نے ہمیں مارا کبھی حال نے مارا
کچھ نقش سلامت ہیں جو دیتے ہیں گواہی
گزری ہوئی صدیوں کو مہ و سال نے مارا

نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

ہم فقیروں کو برائی سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فرشتوں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں برا ہم کو تو حیرت کیا ہے
کہنے والے تو خدا کو بھی برا کہتے ہیں

....

پیچ در پیچ سلسلے دل کے
سمجھے تیری تجھے کس کی تلاش

....

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں

طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر

گفتگو کرنے کا کچھ اس پر ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

....

جنون میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رکھتا ہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
کوئی آب و ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

....

دھیان رکھتا ہر اک آہٹ پر
شاید ابھرے صدا کہیں اس کی

عمرانہ علی ---- حاصل پور

تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

....

اسے کہو محبت نا مراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

....

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے

عظمیٰ جبیں ---- لیہ

ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی

....

پانی پہ یہی ریت پہ تڑپی چنی گئی

بنتی رہی ہے دکھ کا بھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

....

رشتوں کو توڑتے ہیں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑتے ہیں ذر اختیار کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ ہر گھڑی
تم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا

وردہ منیر ---- لاہور

اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چیڑ خانی ہوا کی عادت ہے

....

دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

....

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح

ثمرہ شیرازی ---- پتوکی

مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں

....

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لا دوا نہ تھے

....

وہ ریت کر کے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے

حفصہ حماد ---- کراچی

تم نے گم کر دیا تھا دانستہ

اب بھرے شہر میں مجھے ڈھونڈو

....

یہ ورق ورق تیری داستاں
یہ سبق سبق تیرے تذکرے
میں کروں تو کیسے کروں الگ
تجھے زندگی کی کتاب سے

....

جب سے چھوڑا ہے تو نے ساتھ میرا
میں کسی کو بھی چھوڑ سکتا ہوں
ہو گیا ہوں میں سنگدل اتنا
دل کسی کا بھی توڑ سکتا ہوں

مصباح فیصل ---- کوہاٹ

اکیلے تم نہیں ہم بھی شب تنہائی رکھتے ہیں
مگر یادوں سے اپنا رشتہ یکجائی رکھتے ہیں
انہیں نزدیک سے دیکھا تو یہ عقدہ کھلا ہم پر
کہ دریا نام ہے قطرے سے کم گہرائی رکھتے ہیں

....

بساط عشق پہ رونا تو اس یقین کا ہے
کہ نقد جاں تجھی ہم اس کھیل میں لگا بیٹھے
وہی ہے رات مگر کشتگان شب ماجد
غلط نوید سحر پر دیے بجھا بیٹھے

....

وہ جو کہتا تھا کہ بچھڑ جاؤں گا تو مر جاؤں گا
اب اسے ڈھونڈنے جاؤں تو کہاں پاؤں گا

عائشہ شہباز ---- لاہور

میں اجڑ گیا سو اجڑ گیا اس کے حق میں دعا ہے یہ
کہ جہاں رہے وہ سکھی رہے مری سوچ اس کے سوا ہے کیا

....

کوئی غم ہو کوئی دکھ ہو درد کوئی ہو عدیم
مسکرانا ہی پڑ جاتا ہے زمانے کے لئے

....

کاغذوں میں تو کوئی احساس کا عنصر نہیں
رنگ اڑتا جا رہا ہے کیوں تری تحریر کا

درد لکھ کر دے دیے ہیں اس نے سارے ہی عدیم
اس نے حصہ دے دیا تجھ کو میری جاگیر کا

نسرین خورشید ---- جہلم

کوئی ہجوم دہر میں کرتا رہا تلاش
کوئی رہ حیات سے تنہا گزر گیا
ملنا تو خیر اس کو نصیبوں کی بات ہے
دیکھے ہوئے بھی اس کو زمانہ گزر گیا

....

لوح جبیں پہ جس طرح لکھی گئیں مسافتیں
اتنا چلے کہ راستے اپنا نصیب ہو گئے

....

جب کسی کو کوئی امید وفاؤں کہ نہ تھی
مجھے اس پل ترا پیمان وفا یاد آیا

صائمہ مظہر ---- حیدرآباد

یاد کر کے اب وہ بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم
بھول جانے کے سوا اب کوئی بھی چارہ نہ تھا

....

شوق اور ضبط شوق میں دن رات کشمکش
دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشاں کیے ہوئے

....

چلو آج کوئی بچپنے کا کھیل کھیلیں ہم
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا

ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

الجھا رہی ہے مجھ کو یہ ہی کشمکش مسلسل
وہ آ بسا ہے مجھ میں یا میں اس میں کھو گیا ہوں

....

صبا نے پھر در زنداں پہ آ کے دی دستک
سحر قریب ہے دل سے کہو نہ گھبرائے

....

میری رگوں میں مشرقی تہذیب تھی رواں
اس نے نہ جانے کیوں مجھے بزدل سمجھ لیا

شاہدہ اسد ---- گوجرانوالہ

ایسا گم ہوں تیری یادوں کے بیابانوں میں
دل نہ دھڑکے تو سنائی نہیں دیتا کچھ بھی

....

عمر گزری ہے مگر یہ نہیں معلوم ہوا
اس کو میری ہے کہ مجھ کو ہے ضرورت اس کی
اتنی شدت سے تو میں نے بھی نہیں چاہا تھا
مجھ سے دیکھی نہیں جاتی محبت اس کی

....

راہوں کی مشکلات میں کھوئے تو غم نہ تھا
رونا تو اس کا ہے سر منزل بھٹک گئے

صائمہ مشتاق ---- جڑانوالہ

ہم کہ ٹھہرے دشت وفا کے وہ مسافر
کہ جن کا یقین ٹوٹ جائے پہنچ کر منزلوں کے ساتھ
بنایا ہے اس شہر میں اک شیشے کا گھر
آئے ہیں میرے چاہنے والے پتھروں کے ساتھ

....

جانے کیا ہو گیا ہے راستوں کو
گھر سے نکلیں تو گھر نہیں ملتا
ہم اسی قافلے میں ہیں شاید
جس کو اپنا سفر نہیں ملتا

....

اک جھیل ہے آنکھوں میں جو آباد بہت ہے
صدیاں یونہی رونے کو تیری یاد بہت ہے
یہ کیا کہ بلکتا ہی پھروں شام و سحر
تو رب ہے تو ایک ہی فریاد بہت ہے

رانیا سحر ---- ملتان

سوگوار لوگوں کی بے قرار لوگوں کی
زندگی میں کوئی بھی ضابطہ نہیں ملتا

....

دل سمندر بھی ہو اگر امجد
پیاس غم کی بجھا نہیں سکتا

....

ہم سے نسیم سحر کے لہجے میں بات کر
ہم وہ لوگ نہیں جنہیں اونچا سنائی دے

حیدر رضا ---- جھنگ

کل میں انہیں رستوں سے گزرا تو بہت رویا
سوچی ہوئی باتوں کو سوچا تو بہت رویا
دل میرا ہر اک شے کو آئینہ سمجھتا ہے
ڈھلتے ہوئے سورج کو دیکھا تو بہت رویا

....

گو جان نہ تھی پھر بھی پلٹ آیا کہ مجھ سے
دیکھی نہ گئی آئینہ خانے کی اداسی

....

شرم آتی ہے کہ اس شہر میں ہم ہیں کہ جہاں
نہ ملے بھیک تو لاکھوں کا گزرا ہی نہیں

فاعزہ المنان ---- کراچی

اس کی باتیں پتھر سی
اور شیشہ بے چارہ میں
پہلے بھیگی پلکیں میری
بھیگ گیا پھر سارا میں

....

ڈر شب کا وہاں کیوں نہ بھلا تیز بہت ہو
جس گھر میں دیا ایک ہوا تیز بہت ہو
صدیوں کے مسافر بھی پلٹ آئیں گے ایک روز
یہ شرط کہ رفتار صدا تیز بہت ہو

....

جسے چاہو اسے احساس خدائی دے دو
رشتہ پیار کا رکھو تو عبادت جیسا
ہم بھرے شہر میں تنہا تو نہیں تھے لیکن
کوئی رشتہ نہ ملا پھر تیری چاہت جیسا

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

وعدہ

وہ ستارے توڑ کر لاؤں گا تیرے واسطے
اس کا وعدہ میرے جان و دل پہ چھا گیا
میں بہت خوش تھی مجھے اک چاہنے والا ملا
وہ ہمارے گھر ''ستارہ لان'' لے کر آ گیا

چل رہا ہے

ادھر ناکے پہ ناکہ چل رہا ہے
ادھر ڈاکے پہ ڈاکا چل رہا ہے
ادھر منصوبہ بندی کے ہیں چرچے
ادھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے

نمرہ سعید، اوکاڑہ

مقام شکر

''کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے ہاں کام کاج یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی۔'' ایک صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔

''جی ہاں، صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا۔'' بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

''ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے۔''

طاہرہ رحمان، بہاولنگر

رہنمائی

خمار زدگان کی ایک محفل سے ایک صاحب جانے کے لئے اٹھے تو میزبان انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا، جب وہ صاحب لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے نکلنے لگے تو میزبان نے کہا۔

''جب تم فٹ پاتھ پر پہنچو گے تو تمہیں دو ٹیکسیاں نظر آئیں گی، جو تمہارے بالکل قریب ہو، اس میں بیٹھ جانا، اس کے برابر والی میں بیٹھنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں ہو گی۔''

عمرانہ علی، حاصل پور

اف یہ عورتیں

ایک ریاضی دان کا کہنا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں ریاضی کی زیادہ ماہر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عمر کو ہمیشہ دو سے تقسیم کرتی ہیں، اپنے لباس کی قیمت کو دو سے اور اپنے شوہر کی تنخواہ کو تین سے ضرب دیتی ہیں۔

وہ اپنی بہترین سہیلیوں کی عمروں میں پانچ سال جمع کرتی ہیں اور...... اور...... اور۔''

عظمیٰ جبیں، لیہ

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک نوجوان کی چند دنوں کے بعد شادی ہونے والی تھی، اس کے قریبی دوست اسے مشورے دے رہے تھے کہ پہلے دن سے ہی بیوی پر رعب ڈالنا اگر بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر زن مریدی میں گزرے گی، ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا، نئی نویلی دلہن بلی سے خوفزدہ ہوگی اور تم بلی کو مار کر دلہن پر رعب جمانا، بس سمجھو کہ پھر جیت تمہاری ہوگی۔

شادی والی رات نوجوان نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک عدد بلی بیڈ روم تک پہنچا دی،

وہ خود اندر جانے لگا تو پتا چلا کہ دروازہ بند اور اندر سے دھم دھما دھم کی آوازیں آ رہی، کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا تو دلہن صاحبہ ایک میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی سے اٹھائے فرمانے لگیں۔

''ارے آپ! دیکھیں اس کم بخت نے بہت تنگ کیا، میں نے سوچا کہ آپ کے نے سے پہلے اس کا کام تمام کرلوں۔''

وردہ منیر، لاہور

بین الاقوامی کہاوتیں

ہیڈنگ

جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں وہاں مت رکو۔ (پاکستانی کہاوت)

سوئے ہوئے کتے کو سویا رہنے دو، بیدار ہو کر وہ یقیناً آپ پر بھونکے گا۔ (ترکش کہاوت)

اگر تم خود ترقی نہیں کر سکتے تو دوسروں کو ترقی کرتے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔ (جرمن کہاوت)

تلوار اور عورت کی چلتی ہوئی زبان کو روکنا ہی اصل بہادری ہے۔ (روسی کہاوت)

روتی عورت اور بیمہ ایجنٹ کی باتوں پر کبھی اعتبار مت کرو۔ (جاپانی کہاوت)

آپ کا دماغ بڑھ تو سکتا ہے لیکن عورت کی عمر ساری زندگی نہیں بڑھتی۔ (فارسی کہاوت)

ساس ری ساس تیرا کون سا دانت سیدھا، (بنگلہ دیشی کہاوت)

اگر کوئی کتا آپ پر بھونک رہا ہے تو آپ اس پر بھونکنا شروع مت ہو جائیں۔ (یونانی کہاوت)

نمرہ شیرازی، پتوکی

بیویات

امریکن بیوی:۔

ہر لمحہ اس سوچ میں رہتی ہے کہ کب موجودہ شوہر سے طلاق لوں تاکہ اس طلاق کے نتیجے میں اچھی خاصی رقم اینٹھ سکوں، نیز وہ اس مسئلے پر بھی غور و فکر کرتی ہے کہ اگلے شوہر کے لئے کوئی تگڑی آسامی ڈھونڈوں تاکہ اس سے طلاق لے کر مزید رقم حاصل کرسکوں۔

برطانوی بیوی:۔

یہ شوہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اہمیت دیتی ہے تو اپنے نئے نئے بوائے فرینڈز کو، بلکہ اپنے شوہر کو بھی مشورہ دیتی ہے کہ وہ چار نئی گرل فرینڈز بنالے، آخر کار یہ شوہر سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔

برازیلین بیوی:

شوہر کے آرام و سکون کا بہت خیال رکھتی ہے، اسی لئے وہ سر شام گھومنے پھرنے باہر نکل جاتی ہے، تاکہ اس کا شوہر آرام سے گھر میں بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھ سکے۔

جاپانی بیوی:۔

اپنے شوہر کا اتنا ہی زیادہ خیال رکھتی ہے، جتنا زیادہ خیال وہ اپنے ڈیجیٹل کیمرے، نئی کار اور موبائل فون کا رکھتی ہے۔

چائنیز بیوی:۔

اپنے شوہر کو طرح طرح کے چائنیز کھانے پکا کر کھلاتی ہے حالانکہ اس کا شوہر اس سے بہتر چائنیز کھانے پکا سکتا ہے۔

افریقن بیوی:۔

اپنے شوہر پر ہر وقت اپنے قبیلے کی دھاک بٹھانے کے لئے بہادری کے قصے سناتی ہے، نہ صرف یہ بلکہ اپنے شوہر پر ان کا عملی مظاہرہ بھی کرتی ہے۔

پاکستانی بیوی:-

ایک عدد شوہر کے مل جانے پر اس سوچ میں غرق ہو جاتی ہے کہ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے شوہر نما نوکر، بچ کے جانے نہ پائے کہیں۔

حفصہ حماد، کراچی

قابل دید

ایک کنجوس نے اپنی نئی کار اپنے دفتر کے سامنے روکی، ابھی اس نے کار کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ قریب سے گزرنے والے ٹرک نے ایسی زور کی ٹکر ماری کہ کار کا دروازہ دور جا گرا، پولیس انسپکٹر پہنچا تو وہ شخص چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

''اتنی قیمتی کار کا یہ حشر، میں نے یہ کار کل ہی خریدی تھی، کتنی ہی مرمت ہو جائے مگر یہ بھی پہلے جیسی نہیں ہو سکے گی۔'' انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔

''میں نے آپ جیسا شخص پہلے نہیں دیکھا، آپ کو کار کے نقصان کی اتنی فکر ہے، یہ احساس نہیں ہے کہ حادثے میں آپ کا ایک ہاتھ کندھے سے غائب ہے۔'' کنجوس نے اپنے کندھے پر ایک نظر ڈالی اور بے ساختہ بولا۔

''اوہ میرے خدا، اس کا مطلب ہے کہ میری نئی قیمتی گھڑی بھی گئی۔''

مصباح فیصل

خیر خواہ

شوہر نے بیوی سے کہا۔

''بیگم! آج میرا دوست ڈنر پر آ رہا ہے۔''

بیوی نے کہا۔

''آپ جانتے تو ہیں کہ آج ملازمہ چھٹی پر ہے، ابھی برتن دھونے کے لئے پڑے ہیں، صفائی کرنا ہے، میلے کپڑوں کا ڈھیر باتھ روم میں پڑا ہے اور منا بھی بیمار ہے۔''

''جانتا ہوں، سب کچھ جانتا ہوں۔'' شوہر نے اطمینان سے کہا۔

''سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ نے اپنے دوست کو ڈنر کی دعوت دے ڈالی۔'' بیوی نے حیران ہو کر کہا۔

''وہ بے وقوف شادی کرنا چاہتا ہے، میں نے اسے اس لئے ڈنر پر بلایا کہ اچھی طرح دیکھ لے، شادی کے بعد گھر کی کیا حالت ہوتی ہے۔'' شوہر نے کہا۔

عائشہ شہباز، لاہور

دو شوقین

''میں اس عورت کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔'' ایک پریشان حال شوہر نے عدالت سے کہا۔

''یہ عورت خواب گاہ میں بکریاں پالنے پر مصر ہے، خواب گاہ میں اتنی بدبو پھیلی ہے کہ اب میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رہ سکتا۔'' جج نے اپنا سر ہلایا۔

''یہ تو واقعی بہت بری بات ہے، لیکن کیا تم ایسا نہیں کر سکتے کہ اپنے کمرے کی کھڑکیاں کھول دو، اس سے بو کم ہو جائے گی۔''

''کیا؟'' شوہر چیخ اٹھا۔

''اگر میں کھڑکی کھول دوں تو میرے سارے کبوتر اڑ نہیں جائیں گے۔''

نسرین خورشید، جہلم

پتنگ بازی

ہم پتنگ بازی کو کھیل مانتے ہیں، کیونکہ بقول یوسفی!

''جہاں کھیل میں دماغ پر زور پڑا، کھیل کھیل نہیں رہتا، کام بن جاتا ہے۔'' اور پتنگ بازی میں بوجھ دماغ کے بجائے کوٹھے پر پڑتا ہے، اس کھیل میں بندے کو کوٹھے پر جانا پڑتا ہے اور ہم کوٹھے پر آنے جانے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔

ہم نے ایک پتنگ باز سے پوچھا۔

''یہ پیچ لڑانے سے فائدہ۔'' کہا۔

''کلائی مضبوط ہوتی ہے۔'' پوچھا۔

''مضبوط کلائی کا فائدہ؟'' کہا۔

''پیچ لڑانے میں آسانی ہوتی ہے۔''

پیچ بھی سیاست کی طرح پر پیچ ہوتے ہیں مگر پتنگ بازی، سیاست بازی میں یہ فرق ہے کہ ہمارے ہاں اول الذکر کے لئے ڈور اور آخر الذکر کے لئے بیک ڈور کی ضرورت ہوتی ہے، امریکا اور روس نے خلائی جہازوں کے ذریعے آسمان پر پہنچنے کی کوشش کی، ابھی وہ خدا تک پہنچنے کے لئے خلائی شٹل کا سہارا لینے کا منصوبہ ہی بنا رہے ہیں، جبکہ ہم نے پتنگ بازی میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ ہر سال ''بذریعہ پتنگ'' کئی لوگ خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔

(ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب، ''جوک در جوک'' سے انتخاب)۔

صائمہ مظہر، حیدر آباد

حادثہ

ایک شخص نے اپنے دوست سے پوچھا۔

''کیا کبھی تمہیں ٹرین کا کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔''

''ہاں۔'' دوست نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

''ایک مرتبہ میں ٹرین میں کوئٹہ جا رہا تھا، میرے سامنے والی نشست پر باپ اور بیٹی بیٹھے تھے، ٹرین ایک سرنگ سے گزری تو ڈبے میں اندھیرا چھا گیا میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا، مگر دوسرے ہی لمحے مجھے احساس ہو گیا کہ میں نے لڑکی کی بجائے اس کے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

جھوٹے مرد

ایک طویل سفر کے دوران ایک بچپن، ساٹھ سالہ خاتون نے اپنے ایک ہم عمر مسافر سے محض وقت گزارنے کی خاطر علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ مرد زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں۔'' مرد نے کہا۔

''محترمہ! چھوڑیئے ان فضول باتوں کو، میں تو آپ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ باوجود اتنی عمر کے آپ کا حسن و جمال قیامت ڈھا رہا ہے اور آپ اتنی پرکشش ہیں کہ میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔'' خاتون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اور وہ شرما کر بولیں۔

''وہ عورتیں کتنی غلط ہیں جو مردوں کو خواہ مخواہ جھوٹا قرار دیتی ہیں۔''

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

گرجنے کے بعد

حکیم سقراط اپنے زمانے کا بہترین فلاسفر اور عظیم انسان تھا اس نے جان بوجھ کر ایک جھگڑالو اور تند مزاج عورت سے شادی کی تھی تا کہ حکیم کی ذات میں غصہ اور کینہ نہ رہے۔

ایک مرتبہ حسب عادت اس کی بیوی نے لڑائی جھگڑا کیا اور سقراط کو سخت برا کہا پھر پانی سے بھری بالٹی ان کے سر پر انڈیل دی۔

اس ساری کارروائی کے بعد سقراط نے کمال تحمل سے صرف اتنا جواب دیا۔

''کیا گرجنے کے بعد برسنا بھی ضروری تھا۔''

صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

☆☆☆

صائمہ محمود

رانیا سحر: کی ڈائری سے ظفر اقبال کی غزل

جو غم ملا جبیں کے شکن میں چھپا لیا
دل سی گداز چیز کو پتھر بنا لیا
جو آہ تھی شکستہ سبھی ساتھ لے گئی
جو اشک تھا ہوائے سحر نے اڑا لیا
کاغذ کے پھول سر پہ سجا کر چلی حیات
نکلی برون شہر تو بارش نے آ لیا
اک میں ہی واہمہ نہیں، تو بھی فریب ہے
اپنی ہی ذات سے ترا بھی پتا کیا
اک عمر جس کی مار پہ رہ کر بچے رہے
پہنچے تھے اوٹ میں کہ وہی تیر کھا لیا
ہم بھی شکست شوق پہ نالاں رہے مگر
دل نے آسمان ہی سر پر اٹھا لیا
ہم نے کہ بخت خفتہ نہ جاگ اٹھے اے ظفر
معمورہ ازل سے دل بے صدا ہے

حیدر رضا: کی ڈائری سے اعتبار ساجد کی نظم

بساط جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب و روز دل پر عتاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتا چلے
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس دوستاں
تو یہ کون ہیں؟
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس جسم و جاں
تو یہ کس لئے؟
یہ جو کان ہیں میرے آہٹوں پر لگے ہوئے
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو ہونٹ ہیں صف دوستاں میں سلے ہوئے
تو یہ کس لئے؟
یہ جو کان ہیں میرے آہٹوں پہ لگے ہوئے
یہ کس لئے ہیں؟
یہ جو ہونٹ ہیں صف دوستاں میں سلے ہوئے
تو یہ کس لئے؟
یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو سنگ سا کوئی آ گرا ہے جمود میں
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دل میں درد چڑھا ہوا ہے لطیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو پتلیوں میں ہے عکس کوئی خفیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو آنکھ میں کوئی برف سی ہے جمی ہوئی
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دوستوں میں نئی نئی ہے کمی ہوئی
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا، انہیں کیا خبر؟
کسی راہ کے کسی موڑ پر جو انہیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

فاعذہ عبدالمنان: کی ڈائری سے احمد فراز کی غزل

وحشت تھی مگر چاک لبادہ بھی نہیں تھا
یوں زخم نمائی کا ارادہ بھی نہیں تھا
خلعت کے لئے قیمت جاں یوں بھی بہت تھی
پھر اتنا دلآویز لبادہ بھی نہیں تھا
ہم مرحبا کہتے ترے ہر تیر ستم کو
سچ یہ ہے کہ دل اتنا کشادہ بھی نہیں تھا
ہم خون میں نہلائے گئے تیری گلی میں
اور تو کہ سر بام ستادہ بھی نہیں تھا
یارو کوئی تدبیر کرو تم کہ وہ ہم سے
نا خوش تھا مگر اتنا زیادہ بھی نہیں تھا
آخر کو تو گل ہو گئے سورج سے مسافر
اور میں تو چراغ سر جادہ بھی نہیں تھا
پاگل ہو فراز آج جو رہ دیکھ رہے ہو
جب اس سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں تھا

عتیقہ منیر: کی ڈائری سے نوشی گیلانی کی غزل

عذاب در بدری سے نکلنا چاہتے ہیں
اب اس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں
صدائے گل کی طرح موجہ صبا کی طرح
تیری گلی سے کسی دن گزرنا چاہتے ہیں
تلاش رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے بعد
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں
ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ہیں
وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیان اب بھی
یہ لوگ کس لئے دیوار رکھنا چاہتے ہیں
امیر شہر سلامت مصاحبان سمیت
ہم اہل صبر اب ان سے مکرنا چاہتے ہیں

صائمہ سلیم: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

لمحے لگتے ہیں دل دکھانے میں
وقت لگتا ہے پھر منانے میں
گھاؤ لفظوں کا پھر بھر نہیں سکتا
بات بنتی نہیں بنانے میں
گلشن دل کو تباہ مت کرنا
صدیاں لگ جائیں گی بنانے میں
فصل گل نے جو بے قرار کیا
ہم لگے گھر کو پھر سجانے میں
دم آخر بھی منتظر تھا ولی
آپ نے دیر کر دی آنے میں

نازیہ جمال: کی ڈائری سے اعتبار ساجد کی غزل

مجھے ایسا لطف عطا کیا جو نہ ہجر تھا نہ وصال تھا
مرے موسموں کے مزاج داں تجھے میرا کتنا خیال تھا
کہیں خون دل سے لکھا تو تھا ترے سال ہجر کا سانحہ
وہ ادھوری ڈائری کھو گئی وہ نہ جانے کون سا سال تھا
کسی اور چہرے کو دیکھ کر تری شکل ذہن میں آ گئی
ترا نام لے کر ملا اسے مرے حافظے کا یہ حال تھا
کبھی موسموں کے سراب میں کبھی بام و در کے عذاب میں
وہاں عمر میں نے گزار دی جہاں سانس لینا محال تھا
کبھی تو نے غور نہیں کیا کہ یہ لوگ کیسے اجڑ گئے
کوئی میر جیسا گرفتہ دل ترے سامنے کی مثال تھے
ترے بعد کوئی نہیں ملا جو یہ حال دیکھ کے پوچھتا
مجھے کس کی آگ جھلسا گئی مرے دل کو کس کا ملال تھا

ثمن رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

مرے حوصلوں کے یقین نے مجھے رفعتوں سے ملا دیا
کڑے راستوں کے حساب نے مجھے منزلوں سے ملا دیا
میں گھومتا تھا گلی گلی نئے دوستوں کی تلاش میں
مرے دوستوں کی تلاش نے مجھے دشمنوں سے ملا دیا
میں گرا تو میرے وجود کو میرے بے بسی نے کیا امر
مری پستیوں کے نزول نے مجھے وسعتوں سے ملا دیا
مجھے دوستوں نے خبر نہ دی مجھے منزلوں نے صدا نہ دی
مرے راستوں کے غبار نے مجھے قافلوں سے ملا دیا
میں نے چاہتوں کی کتاب سے سبھی گھاؤ راہی مٹا دیے
مرے آنسوؤں کے نصاب نے مجھے راحتوں سے ملا دیا

شاہین سلیم: کی ڈائری سے ظفر اقبال کی غزل

کھڑکیاں کس طرح کی ہیں اور در کیسا ہے وہ
سوچتا ہوں جس میں وہ رہتا ہے گھر کیسا ہے وہ
کیسی وہ آب و ہوا ہے جس میں وہ لیتا ہے سانس
آتا جاتا ہے وہ جس پر رہگزر کیسا ہے وہ
میں تو اس کے ایک اک لمحے کا رکھتا ہوں شمار
اور میرے حال دل سے بے خبر کیسا ہے وہ
اس کا ہوتا ہی بہت سے وہ کہیں ہے تو سہی
کیا سروکار اس سے ہے مجھ کو ظفر کیسا ہے وہ

ایمن عزیز: کی ڈائری سے محسن نقوی کی غزل

اس کو فرصت ہی نہیں وقت نکالے محسن
ایسے ہوتے ہیں بھلا چاہنے والے محسن

یاد کے دشت میں پھرتا ہوں ننگے پاؤں
دیکھ تو آ کے کبھی پاؤں میں چھالے محسن
کھو گئی صبح کی امید اور اب لگتا ہے
ہم نہیں ہوں گے جب ہوں گے اجالے محسن
حاکم وقت کہا میں کہاں عدل کہاں
کیوں نہ خلقت کی زباں پر لگائیں تالے محسن
وہ جو اک شخص متاع دل و جاں تھا نہ رہا
اب کون بھلا میرے درد سنبھالے محسن

شگفتہ رحیم: کی ڈائری سے ایک غزل

یہ رخی اس نے کی عذر زمانہ کر کے
ہم بھی محفل سے اٹھ آئے ہیں بہانہ کر کے
کتنی باتیں جو نہ کہنا تھیں لکھ بھیجی ہیں
اب پشیمان ہیں قاصد کو روانہ کر کے
کوئی ویرانہ نہ ہستی کی خبر کیا لیتا
خود بھی ہم بھول گئے دفن خزانہ کر کے
وہ اگر آنکھوں میں رہتا تو بہت خوش تھے تابش
اس نے کیا ظلم کیا دل میں ٹھکانہ کر کے

حمیرا رضا: کی ڈائری سے ایک نظم

''احتساب''

جو گندم کی پہلی خوشبو کے لمس سے لے کر
کڑوے بارود کی مہک تک
زمین کے ہمراہ رقص میں تھی
گمان یہ ہوتا ہے
اس رفاقت سے تھک چکی ہے
اور اپنی پازیب اتار کر
اجنبی زمینوں کی سرد بانہوں میں
سو رہی ہے
فضا میں سناٹا دم بخود ہے
ہوا کی خفگی ہی بے سبب ہے
کہ ابن آدم نے اپنے نام سے بڑھ کر
کوئی نیا بم بنالیا ہے

ماریہ عثمان: کی ڈائری سے احمد ندیم قاسمی کی نظم

عجیب دنیا

عجیب تر اس کے رہنے والے
کہ شہر کو دشت میں بدل کر پکارتے ہیں
کہ ہم اکیلے ہیں
کائنات ایک عظیم صحرا ہے
جس میں مثل غزال ہم اپنے ہمدموں کی تلاش
میں
ہر طرف رواں دواں ہیں
مگر متاع سفر ہماری فقط زمیں اور آسماں ہیں
عجیب دنیا
عجیب تر اس کے رہنے والے
کہ شہر کو دشت میں بدل کر پکارتے ہیں
کہ ہم تو تخلیق کار ہیں
ہم تو ریت سے گلستاں اگاتے ہیں
سنگ سے آئینے بناتے ہیں
ہم تو تعبیر ہیں ہم تو ارتقاء ہیں
عجیب دنیا
عجیب تر اس کے رہنے والے
کہ خود ہی اپنے غنیم ہیں اور خود ہی
اپنے ندیم ہیں
اپنے شاہکاروں کو آگ میں جھونک کر بلکتے ہیں
پھر یہی راکھ شاہکاروں میں ڈھالتے ہیں
بگڑ رہے ہیں سنور رہے ہیں الجھ رہے ہیں
سنبھل رہے ہیں
ازل کے دن سے بدلتے آئے ہیں
اب تک بدل رہے ہیں

ماروخ آصف: کی ڈائری سے ایک غزل

جنگل پہاڑ ارض و سماں سوچتے رہے
کیا حکم تھا کہ شاہ و گدا سوچتے رہے
تھی مختصر حیات جو سوچوں میں کٹ گئی
جانے تمام عمر ہم کیا سوچتے رہے
انسانیت کے نام کی تذلیل کے لئے
تھے آدمی جو بن کے خدا سوچتے رہے
ہم سے ہماری ذات کا عقدہ نہ کھل سکا
ہم کون ہیں یہ بات سدا سوچتے رہے
جب ہم کو اپنے ہاتھ سے تخلیق خود کیا
پھر کس لئے جزا و سزا سوچتے رہے
جب بھی ملے وہ دے کے گئے زخم ایک نیا
ہم زندگی میں جن کا بھلا سوچتے رہے
جس حرف سے ہماری خطائیں معاف ہوں
سجدے میں ایسا حرف دعا سوچتے رہے

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک نظم

''محبت کا کہاں پر انت ہوتا ہے''

کبھی ترک تعلق سے محبت مر نہیں سکتی
خرابے اس وحشت سے سدا آباد رہتے ہیں
جنوں کی انتہا کب ہے؟
کبھی سورج بھی ڈوبا ہے؟
سمندر کا کہیں پر انت ہوتا ہے؟
کبھی تارے مدار وقت سے آگے نکلتے ہیں
پتنگے آگ میں جلنے سے ڈرتے ہیں
ازل سے تا ابد یہ اک تسلسل ہے
زمینوں اور زمانے سے کہیں آگے
تمہارے اور مرے جسم و جاں کی
داستانوں سے کہیں آگے

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک غزل

کیسا مفتوح سا منظر ہے کئی صدیوں سے
میرے قدموں پہ میرا سر ہے کئی صدیوں سے
خوف رہتا ہے نہ سیلاب کہیں لے جائے
میری پلکوں پہ تیرا گھر ہے کئی صدیوں سے
اس کے پانی میں کبھی پہلے سا وہ ٹھہراؤ نہیں
تو بھی بے چین سمندر ہے کئی صدیوں سے
اشک آنکھوں میں سلگتے ہوئے سو جاتے ہیں
یہ میری آنکھ جو بنجر ہے کئی صدیوں سے
کون کہتا ہے ملاقات میری آج کی ہے
تو میری روح کے اندر ہے کئی صدیوں سے
اے میری ماں میں ہر ایک دھوپ سے لڑ سکتا ہوں
میرے سر پہ تیری چادر ہے کئی صدیوں سے
میں نے جس کے لئے ہر شخص کو ناراض کیا
روٹھ جائے نہ یہی ڈر ہے کئی صدیوں سے

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل

شہرت و عروج حسن کی دولت کسی سے بھی
کرتا نہیں یہ وقت رعایت کسی سے بھی
دل ہے کھلی کتاب کی صورت رکھا ہوا
کرتے نہیں ہم تو سیاست کسی سے بھی
سود زیاں کا جوڑتے ہیں جو حساب
کرتے نہیں وہ لوگ محبت کسی سے بھی
جو بھی ہوا وہ ایسے ہی ہونا تھا ہو گیا
یعنی نہیں ہے ہم کو شکایت کسی سے بھی
امجد تماش بین ہیں سارے یہ غمگسار
کیجئے نہ اپنے غم کی وضاحت کسی سے بھی

زاہدہ اظہر: کی ڈائری سے ایک نظم

''واپسی''

کوئی رات یاد نہیں رہی
کوئی شام پاس نہیں رہی
کوئی دن اداس نہیں رہا
تیرے عشق میں
میرے دل کی ساری ریاضتیں
کسی گہری دھند میں کھو گئیں
مجھے میرے دکھ میں ڈبو گئیں

فضہ بخاری: کی ڈائری سے ایک غزل

قریب رہتے ہوئے فاصلوں میں کاٹی ہے
تمام عمر تری چاہتوں میں کاٹی ہے
غم فراق غم جاں غم دنیا
یہ زیست ہم نے کئی مرحلوں میں کاٹی ہے
تمام رات بس تمہارا انتظار رہا
تمام رات فقط کروٹوں میں کاٹی ہے
کچھ اتنی سہل نہیں تھی ہی زندگی ہم نے
بڑے ہنر سے بڑے مسئلوں میں کاٹی ہے

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک غزل

بے خیالی میں بھی وہ بے خیال اچھا لگے
سرمگیں آنکھوں سے بہے تو سیال اچھا لگے
شجر کاری بھی ہے اچھی اور گھنی چھاؤں بھی
لیک اپنے صحن میں تنہا نہال اچھا لگے
کارگاہ ہستی میں کوئی چیز بے مقصد نہیں
حسن کی جب بات ہو تو بے مثال اچھا لگے
میں مجبور یار ہوں ایک جھلک ہو عطا
جھولی بھر اس کی جسے مال و منال اچھا لگے
ہے خشونت باعث بگاڑ چہرے کی مگر
خوب رو چہرے پہ آئے تو جلال اچھا لگے
زلزلوں کے نام سے ہی سہم جاتا ہے جدون
اس کی یادوں کا گر آئے تو بھونچال اچھا لگے

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک نظم

یہیں تو کہیں پر
تمہارے لبوں نے
میرے سرد ہونٹوں سے برفیلے ذرے چنے تھے
اسی پیڑ کی چھال پر ہاتھ رکھ کر
ہم اک دن کھڑے تھے
یہیں برف باری میں ہم لڑکھڑاتے ہوئے جا رہے تھے
مہک تازہ بوسوں کی سر میں سمائے
ہم آغوش، جسم و جاں کے نشے میں
گئی برف باری کی رت
اور پگھلتی ہوئی برف بھی بہہ گئی سب
یہاں کچھ نہیں اب
کہ ہر شے نئی ہے
ہٹا کر ردا برف کی گھاس لہرا رہی ہے
ہری پتیوں کی گھنی ٹہنیوں میں
ہوا جب چلے تو
گئے موسموں سے گزرتی
ہماری ہنسی گونجتی ہے

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل

جنوں عشق کھلاتے گلاب جنگل میں
غرور حسن بڑھاتے عذاب جنگل میں
کسی کے جسم کی خوشبو گمان سے لپٹی
گئے زمانوں کے گونجے رباب جنگل میں
حدود ہوش سے آگے کی لذتیں توبہ
ذرا سی دیر اٹھاؤ نقاب جنگل میں
ہیں یاد یار کے گجرے بہار کے گجرے
بدن کی شاخ پہ آیا شباب جنگل میں
ہجوم شہر ولی مجھ کو مانتا ہو گا
تری نگاہ پلاتے شراب جنگل میں

ثمرہ شیرازی: کی ڈائری سے ایک نظم

کچھ دور ہمارے ساتھ چلو
ہم دل کی کہانی کہہ دیں گے
سمجھے نہ جسے تم آنکھوں سے
وہ بات زبانی کہہ دیں گے
پھولوں کی طرح ہونٹوں پہ
اک شوخ تبسم بکھرے گا
دھیرے سے تمہارے کانوں میں
اک بات پرانی کہہ دیں گے
اظہار وفا تم کیا جانو
اقرار وفا تم کیا جانو
ہم ذکر کریں گے غیروں کا
اور اپنی کہانی کہہ دیں گے
کچھ دور ہمارے ساتھ چلو

حنا زبیر احمد: کی ڈائری سے ایک قطعہ

بہت دن بعد پھر ایسا ہوا ہے
کہ ہم سے آئینہ روٹھا ہوا ہے
ہمارے ہونے کے امکاں سے آگے
نہ ہونے کا خلا پھیلا ہوا ہے
تمہارے جیت جانے سے زیادہ
ہماری ہار کا چرچا ہوا ہے

☆☆☆

عین غین

راحیلہ وحید ---- کھاریاں
س: السلام علیکم! کیا پہلی دفعہ حاضری کی اجازت ہے؟
ج: وعلیکم السلام خوش آمدید اس میں اجازت والی کیا بات ہے۔
س: میں آپ سے کیا سوال پوچھوں؟
ج: جو دل میں آئے۔
س: کیا آپ کو میری آمد اچھی لگی؟
ج: بری بھی نہیں لگی۔
س: اچھا اب اجازت چاہوں گی؟
ج: اللہ حافظ

شہلا حسن ---- پشاور
س: آپ کو سوالوں کے جواب دینا کیسا لگتا ہے؟
ج: اچھا بلکہ بہت ہی اچھا۔
س: ہر گھڑی ہے حادثوں کا ایک نیا ہی سلسلہ
لڑکھڑاتی خواہشوں کا کارواں ہے زندگی
ج: کچھ لمحے گزارنے ہیں ہمیں کچھ لمحو سے ہم گزارہ کرتے ہیں
کچھ زندگی گزارنی ہے ہمیں کچھ زندگی سے ہم گزارہ کرتے ہیں

علی ندیم ---- سانگھڑ
س: تمہاری یاد آتے ہی نکل پڑتے ہیں آنسو
یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا
ج: جنہوں نے ہار کبھی نہیں دیکھی ہوتی عمر بھر
ایسوں کو تو چھوٹی سی اک مات رلا دیتی ہے
س: یادوں کی باتوں کا یقین کر لیا میں
پھولوں میں چھپا ہوا خنجر نہیں دیکھا
ج: محبتیں تو فقط انتہائیں مانگتی ہیں
محبتوں میں بھلا اعتدال کیا کرنا
س: جانے والے کو بھلا کون روک سکا ہے
تم چلے ہو تو کوئی روکنے والا نہیں ہے
ج: اس نے روکا بھی نہیں
اور میں ٹھہرا بھی نہیں
س: اچھا ہوا جو راہ میں ٹھوکر لگی ہمیں
ہم گر پڑے تو سارا زمانہ سنبھل گیا
ج: راستے بھر کی رفاقتیں بھی بہت ہے اے دوست
ورنہ منزل پہ پہنچ کر کون کس کا آشنا

رابعہ سعید ---- ملتان
س: ہم نے تجھ کو لاکھ پکارا لیکن تم خاموش رہے
آخر ساری دنیا سے ہم تیرے بہانے روٹھ گئے
ج: آپ کے ہوتے ہوئے کس چیز کی خواہش کریں
آپ کے ہوتے ہوئے دونوں جہاں موجود ہیں

سعدیہ رحیم ---- ملتان
س: جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟
ج: بھلا کس میں اتنی ہمت ہو گی کہ وہ مور کو ناچتا دیکھنے کے لئے جنگل کا رخ کرے۔
س: یہ شوہر لوگ کب شادی شدہ ہونے پر پچھتاتے ہیں؟
ج: جب سامنے والی کھڑکی کھلنے اور بند ہونے لگے۔

س: عقل بڑی یا بھینس؟
ج: بھینس کیونکہ وہ اپنے فائدے کے لئے دودھ بھی خالص نہیں دیتی۔

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: انسان کن لمحات میں چونک اٹھتا ہے؟
ج: جب کسی حسینہ سے ٹکرا جائے۔
س: لوگ خوبصورت چہروں کو چاند سے کیوں تشبیہ دیتے سورج سے کیوں نہیں؟
ج: چاندرات کے وقت جو نکلتا ہے۔
س: یہ دنیا والے شکل صورت اور پیسے پر کیوں مرتے ہیں؟
ج: صرف پیسے پر کہیں، شکل صورت تو بعد کی بات ہے۔
س: جب خواب ہی چکنا چور ہو جائیں تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

شاہ زیب احسن ---- سرگودھا

س: کوئی کہتا ہے محبت زندگی ہوتی ہے اور کوئی اسے روگ کہتا ہے؟
ج: شادی سے پہلے زندگی اور بعد میں روگ بن جاتی ہے۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں، جبکہ شادی شدہ فرار چاہتے ہیں؟
ج: یہ بور کے لڈو جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہ کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عشق خلل ہے دماغ کا کہاں تک سچ ہے؟
ج: سنا تو میں نے بھی ہے۔
س: لوگ اپنی اوقات جلد ہی کیوں بھول جاتے ہیں؟
ج: کیونکہ ان کی گھڑی خراب ہو چکی ہوتی ہے۔

مس رانا ---- ساہیوال

س: میں کسی کو تلاش کرتے کرتے خود کھو گئی ہوں کیا کروں؟
ج: مجھے تو تم پر ترس آ رہا ہے۔
س: انسان کو خوشی میں کچھ یاد نہیں رہتا مگر دکھ میں فوراً خدا یاد آ جاتا ہے؟
ج: خدا کے ساتھ ساتھ ماں بھی تو یاد آ جاتی ہے۔
س: ذرا میرے کان میں جلدی سے بتا دو میں تمہاری کیا لگتی ہوں؟
ج: ذرا کان کھول کر سن لو میں تمہارے چکروں میں آنے والا نہیں ہوں۔

ام ایمن ---- چارسدہ پشاور

س: عین غین جی محبت میں لوگ دیوانے کیوں ہو جاتے ہیں؟
ج: یہ سب پرانی باتیں ہیں، آج کل لوگ کام نکال کر کہتے ہیں تو کون اور میں کون۔
س: کہتے ہیں کہ جدائی کیسی بھی ہو بری ہوتی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟
ج: میں کون ہوتا ہوں اسے جھٹلانے والا۔
س: شادی کے بعد بیوی کی پہلی خواہش؟
ج: بس میرے لئے دنیا تیاگ دو۔

نازیہ زبیر ---- جہلم

س: وعدہ کیا ہے تو نبھانا بھی سیکھو؟
ج: وعدے کے مطابق جواب تو دے رہا ہوں۔
س: دل کا دریا چھلک پڑے تو؟
ج: آنکھیں کس لئے ہیں۔
س: پنچھی اور پردیسی کے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟
ج: دونوں ہی اڑ جاتے ہیں۔
س: دل لینا آسان ہے یا دل دینا؟
ج: کام دونوں ہی مشکل ہیں۔

شاہ عمیر ---- پشاور

ج: عید کے دن عید مبارک کہہ دوں گا۔
س: عیدی لینے آؤں یا آپ بھیج دیں گے؟
ج: ہم تو اس بات کے حامی ہیں۔ ہمارے ہاں آؤ گے تو کیا لے کر آؤ گے؟
س: چلو بڑی عید پر سہی خدا حافظ۔
ج: جان چھڑا ہی گئے نا۔

عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد

س: جب وہ ہمارے گھر آتا ہے تو سب کے چہرے کھل جاتے ہیں بتائیے کون؟
ج: وہی جس کے آنے پر تمہارے گھر والوں کے چہرے کھل جاتے ہیں۔
س: ہماری وجہ سے آپ کا نام ہے ہم سوال نہ بھیجیں تو آپ فارغ بیٹھیں رہیں؟
ج: اگر میں نہ جمدی تے تیرا ویاہ نہ ہوندا۔
س: لنڈے بازار میں' میں نے دیکھا آپ کو لگتا ہے عید کی شاپنگ ہو رہی تھی۔؟
ج: تم سے ملنے کا ایک بہانہ تھا۔
س: جب بھی ملتا ہے خفا خفا سا لگتا ہے؟
ج: عادت سے مجبور جو ہوا۔
س: دل میں تمہارے گھر لینا ہے
وہ بھی کرایہ پر لینا ہے؟
ج: میں نے دل میں گھر نہیں بنایا
تاکہ پڑے نہ کرایہ داروں کا سایہ

رضا سلمیٰ ---- سادھوکے

س: یہ کیا محبت کسی اور سے شادی کسی اور سے؟
ج: یہ خود سے پوچھئے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟
س: رات بھر رو رو کر آنکھیں سرخ ہو گئیں؟
ج: کس نے کہا تھا کہ آنکھوں پر اتنا میک اپ کریں۔
س: میں اس کی خاطر بہت تڑپی پر......؟
ج: لیکن آپ کے تو پر نہیں ہیں۔
س: بال لمبے کیسے کروں؟
ج: میں نے کل ہی بال کٹوا دیئے تھے۔
س: رات کو آسمان پر ستارے کیوں نکل آتے ہیں؟
ج: شرم آ رہی ہے مگر کیا کریں بتا ہی دیتے ہیں کہ آپ نے مجھے دیکھ ہی لیا۔

نبیلہ نعمان ---- گلبرگ' لاہور

س: زندگی کا سفر کیسے طے کرنا چاہیے؟
ج: جو سواری بھی مل جائے۔
س: ذرا یہ بتائیے کہ کئی زمانہ اپنے لوگ پرائے ہو جاتے ہیں اور پرائے اپنے بن جاتے ہیں۔
ج: دونوں سے ہی ہوشیار رہنا چاہیے۔
س: آج کل کے لڑکے کس بات سے ڈرتے ہیں؟
ج: کہیں محبوبہ سے سچ مچ محبت نہ ہو جائے۔

افشاں زینب ---- شیخوپورہ

س: پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ۔
ج: شادی ہو گئی ہے کیا؟
س: درد جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو؟
ج: آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔
س: آج کل لوگوں کے چہروں پر دکھاوے کا تبسم کیوں ہوتا ہے؟
ج: ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: سنا ہے بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں آپ کو خواب میں کیا نظر آتا ہے؟
ج: اگر میں کچھ کہہ دوں برا تو نہیں مناؤ گی؟
س: آج کے دور میں اپنوں کا خون سفید ہو گیا ہے وجہ؟
ج: انہیں اپنا تو نہ کہو۔

☆☆☆

خبرنامہ

عبداللہ

اب کیا ہوگا؟

میرا کچھ کرے نہ کرے خبروں میں رہنے کا فن خوب جانتی ہے، ابھی ایک خبر کی بازگشت مدھم نہیں پڑتی کہ دوسری زور و شور سے سامنے آجاتی ہے۔

ڈاکٹر ثمیرا نے اپنے ایک لاکھ پاؤنڈز ہتھیانے پر میرا کو آڑے ہاتھوں لیا، مگر زبانی کلامی یا میڈیا کی جنگ سے میرا کو کوئی فرق نہیں پڑتا، ایسے معاملات تو میرا کے لئے سستے کھلونوں جیسے ہیں چنانچہ جب ڈاکٹر ثمیرا نے دیکھا کہ لاتوں کے بھوت یونہی نہیں ماننے والے تو ڈاکٹر صاحبہ تمام تر شہادتوں سمیت پاکستان آنے کا فیصلہ کرلیا اور حفظ ماتقدم کے طور پر لندن کے رجسٹرار کے ذریعے لاہور ہائی کورٹ میں ایک درخواست دائر کروائی کہ چیف جسٹس آف پاکستان میرا اور اس کی والدہ کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کروائیں کیونکہ ڈاکٹر صاحبہ کا خیال ہے وہ جب تمام ثبوت لے کر پاکستان آئیں گی تو میرا اور اس کی والدہ سے باہر نکل جائیں گی جہاں انہیں تحفظ دینے والے بہت سے بیٹھے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ پانچ گھنٹے میں پانچ کروڑ کی مووی کرنے والی میرا کروڑوں کے اس چکر سے کیسے نکل پائیں گی۔

ابھی تو میں جوان ہوں

جوانی اور شوبز کا چولی دامن کا ساتھ ہے مگر کون ہے جو سدا جوان رہ پایا، بابرہ شریف بھی نہیں جو خود کو ''یوگا'' کے ذریعے سدا بہار رکھنے کی کوششوں میں ایک عرصے سے مصروف ہیں لیکن انسان جو چاہے کریں عمر تو رکتی نہیں یوں پچاس کا ہندسہ کراس کرنے والی پرنس بابرہ بھی نہ بچ سکی، مگر کہتے ہیں نہ کہ جب دماغ میں کوئی بات پھنس

جائے تو آسانی سے نہیں نکلتی، ابھی تو میں جوان ہوں، گایا تو ملکہ پکھراج نے تھا لیکن بابرہ نے یہ سمجھا کہ یہ اسی کے لئے گایا گیا ہے اور لالی ووڈ انڈسٹری میں صرف وہی اس کی مثال ہیں، بیچاری سنگیتا آپی بیسوں بار کہہ چکی ہیں کہ اگر بابرہ آمادہ ہو تو وہ اس کے لئے غیر معمولی کردار تخلیق کریں، اب بابرہ جی آمادہ تو ہیں مگر صرف نوخیز ہیروئین کے رول کے لئے کیونکہ سوتے جاگتے ایک ہی مصرعہ گنگناتی ہیں، ابھی تو میں جوان ہوں، ابھی تو میں جوان ہوں۔

اک دوجے کی راہ پر

پریانکا چوپڑا جیسی معروف اداکارہ نے جہاں ایکٹینگ کے بعد سنگنگ میں قدم رکھا وہیں اسی سالہ آشا جی نے طویل سنگنگ کیرئیر کے بعد ایکٹینگ کی فیلڈ میں قدم رکھا ہے جہاں پریانکا کی برتی کے ساتھ آڈیو نمبر ریلیز کیا گیا، وہیں آشا جی نے 80 سالگرہ ستمبر میں منائی گئی۔

اسی موقع پر بطور ایکٹریس ان کی پہلی فلم (جو کہ مراٹھی زبان میں ہے) کا ٹریلر لانچ کیا گیا، یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ بولی ووڈ کی ٹاپ سنگر اور ٹاپ ایکٹریس نے تقریباً ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کے پروفیشن میں قدم رکھا، امید ہے کہ دونوں ہی ایک دوسرے کے کام میں کامیاب رہیں گی یہ الگ بات ہے کہ چوپڑا بے بی صرف تیس کی جبکہ آشا جی عمر عزیز کی اسی بہاریں دیکھ چکی ہیں یعنی ان دونوں کے درمیان عمروں کا فرق نصف صدی کا ہے مگر قسمت کا دھارا ایک ہی جیسے انداز میں دونوں کو ایک دوسرے کے مقام پر لے آیا ہے۔

کیسے کیسے ہیں لوگ؟

بظاہر الٹرا ماڈرن نظر آنے والی بچن فیملی کا ہر شخص کسی نہ کسی توہم پرستی کا شکار ہے ابھیشک اور ایشوریا نے بیٹی کا نام رکھنے میں ایک سال لگا دیا کیونکہ انہیں صرف اے سے شروع والا ایسا نام چاہیے تھا جو بچی کے نصیب چمکا سکے آخر بے شمار

پنڈتوں سے رابطے کے بعد آدرھیا کا نام چنا گیا، یہی نہیں کرکٹ کریزی یہ فیملی ہر میچ میں انتہا کی دلچسپی رکھتی ہے، لیکن ابھیشک کبھی آرام دہ کرسی یا صوفے پر بیٹھ کر میچ نہیں دیکھتا کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اس کا آرام بھارتی ٹیم کو شکست سے دو چار کر دے گا جبکہ بگ بی ٹی وی پر براہ راست میچ دیکھنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ ان کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ جب بھی میچ دیکھتے ہیں بھارتی ٹیم کی وکٹ گر جاتی ہے اس لئے وہ وقفے وقفے سے اپنے فیملی کے ہر فرد سے اسکور پوچھتے رہتے ہیں اور پھر بعد میں میچ کی جھلکیاں دیکھ کر کرکٹ دیکھنے کا شوق پورا کرتے ہیں۔

فیس بک پر

عمران خان کی زندگی پر بنائی گی ''کپتان'' ٹھیک ایکشن سیزن کے آس پاس ریلیز ہو رہی ہیں، اس بات کو لے کر مخالف سیاسی پارٹیاں پریشان نظر آتی ہیں، یہ فلم کے ہیرو عبدالمنان اور ہیروئین سعیدہ امتیاز کا کہنا ہے، کہ فیس بک پر ان دونوں کو قتل کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں، منان کے بارے میں تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے ہاں البتہ فلم کی ہیروئین سعیدہ نے بھارت جا کر وینا ملک کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کافی کارنامے سرانجام دینے کی کوشش کی ہو سکتا ہے سعیدہ کی اس ادا نے کسی منہ زور محبِ وطن کو فیس بک کے ذریعے آئینہ دیکھانے اور قتل کی دھمکی دینے جیسے اقدام کی جرأت بخشی ہو۔

قابل دیدار

دیدار جی بھر کر اپنے چاہنے والوں کو اپنے ڈانس کا دیدار کروایا اور ڈانسر کوئین کا لقب پایا، وہ ایک عرصہ تک اسٹیج کی ٹاپ موسٹ ڈانسر بنی رہی، پچھلے کچھ مہینوں سے لاہور کا اسٹیج غیر یقینی صورت حال سے دو چار ہے اور کہا جا رہا ہے کہ کسی بھی وقت لاہور کے اسٹیج پر ڈانس کی پابندی لگائی جا سکتی ہے اور بیچاری کا تو کام ہی رقص پر چلتا تھا، چنانچہ اس سے پہلے کے پانی سر سے گزر جائے، دیدار اپنے خاندانی کام کی طرف لوٹ آئی اور اپنی بہنوں کی طرح اس نے بھی لوگوں کو خوبصورت بنانے کی دوکان کھول لی ہے، لاہور کے ایک پوش ایریا میں دیدار کا بیوٹی سیلون عید سے کام کرنا شروع کر دے گا جبکہ دیدار خود ان دنوں حج کی سعادت حاصل کرنے اپنی والدہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں ہے اپنی غیر موجودگی میں اسے بیوٹی پالر کے افتتاح کا کام اپنی بہن نرگس کے ذمہ لگایا ہے، یوں عید کے فوری بعد سے محرموں تک دیدار بیوٹی سیلوں سے بے شمار دلہنیں کو تیار ہو کر قابل دیدار نظر آئیں گی۔

☆☆☆

تحریم محمود

چکن ہرا مسالا

اشیاء

چکن	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
ادرک، لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
ہری پیاز	پچاس گرام
دھنیا	ایک گڈی
پودینہ	ایک گڈی
آئل	پچاس گرام
سویا	آدھی گڈی
دہی	پچاس گرام
ہری مرچ	پچیس گرام
میتھی	دس گرام
گرم مسالا	دس گرام

ترکیب

چکن کو کیوب کی شکل میں بنوالیں، کسی برتن میں تیل ڈال کر گرم کریں اور اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈال کر بھونیں بھن جائے تو اس میں چکن کے ٹکڑے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں ہری پیاز، ہرا دھنیا، پودینہ، سویا اور ہری مرچ کو گرینڈ کر لیں، چکن جب اچھی طرح بھن جائے تو اس میں پیسا ہوا ہر مسالا شامل کر لیں ہرے مسالے اور چکن کو اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے اور تیل مسالے سے الگ ہو جائے، اب اس میں دہی بھی شامل کر دیں، تقریباً پندرہ منٹ تک پکائیں، آخر میں اس میں میتھی، نمک اور پسا ہوا گرم مسالا ڈال دیں، پانچ منٹ مزید پکا کر اتار لیں، چکن ہرا مسالا تیار ہے گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کاجو اور مرغی کا سالن

اشیاء

چکن	250 گرام
کاجو	40 گرام
لہسن	10 گرام
ہری پیاز	تین عدد
کارن فلور	10 گرام
میدہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	50 گرام
سویا ساس	دو چائے کے چمچے
دگی مرچ	5 گرام
شگر	10 گرام
مرغی کی یخنی	20 گرام

ترکیب

مرغی کے کیوبس بنوالیں، یہ بغیر ہڈی کے ہوں گے، میدہ، دگی مرچ، سویا ساس کا پیسٹ بنا کر چکن کیوبس پر لگا دیں، کڑاہی میں اتنا آئل ڈالیں کہ کیوبس فرائی ہو سکیں، تیل گرم ہونے پر چکن کیوبس کو بقیہ تمام اشیاء کے ہمراہ فرائی کر لیں، جب چکن اچھی طرح بھن جائے تو چولھے سے اتار لیں، ہری پیاز کا سفید حصہ باریک پرتوں کی شکل میں الگ الگ کر لیں، سرد کرنے

سے پہلے ہری پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

چکن زیرا

اشیاء

چکن ایک کلو
ادرک لہسن (پسا ہوا) 20 گرام
زیرا (پسا ہوا) 25 گرام
پیاز (باریک کٹا ہوا) 25 گرام
ٹماٹر 50 گرام
ہلدی پاؤڈر 10 گرام
لال مرچ پاؤڈر 20 گرام
نمک 15 گرام
آئل 75 گرام
گرم مسالا 5 گرام
لیموں کا رس 10 گرام

ترکیب

مرغی کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنوالیں پیاز کو باریک کاٹ لیں، کسی دیگچی میں آئل گرم کریں اور اس میں پیاز شامل کر کے فرائی کریں، پیاز براؤن ہو جائے تو اس میں ادرک، لہسن ڈال دیں، ساتھ ہی زیرا بھی شامل کر دیں، چند منٹ اس مسالے کو بھونیں اس کے بعد اس میں مرغی بھی شامل کر دیں نمک، لال مرچ، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے چکن بھن جائے تو اس میں تھوڑا پانی شامل کر کے تقریباً دس منٹ تک پکنے دیں، جب گوشت گل جائے اور چکن کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں گرم مسالا ڈال دیں، مزے دار چکن زیرا تیار ہے۔

ریڈ چکن

اشیاء

چکن آدھا کلو
تیل ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر کا پیسٹ چار کھانے کے چمچے
سرکہ دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (پسا ہوا) حسب ضرورت
مکھن ایک کھانے کا چمچہ
لہسن (پسا ہوا) ایک چوتھائی چمچہ
چینی ایک چائے کا چمچہ
نمک حسب ذائقہ

ترکیب

چکن کو دھو کر اچھی طرح صاف کر لیں، پھر ایک فرائی پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل گرم کریں اب اس میں چکن ڈال کر چار سے پانچ منٹ فرائی کریں پھر اس میں ٹماٹر کا پیسٹ، سرکہ، پسا ہوا ہرا دھنیا ڈال کر اتنا پکائیں کہ گوشت گل جائے اور تمام پانی خشک ہو جائے اب اس میں مکھن بھی شامل کر لیں اور پسا ہوا لہسن بھی ڈال کر اچھی طرح بھون لیں اب اس میں چینی ملائیں اور کچھ دیر چمچہ چلائیں یہاں تک کہ چینی گل جائے، آپ سالن میں حسب ذائقہ نمک شامل کر سکتی ہیں، ریڈ چکن تیار ہے روٹی یا چاول کے ساتھ نوش فرمائیں۔

چکن چیز سینڈوچ

اشیاء

چیز سلائس آٹھ عدد
چکن روسٹ ایک پیالی
مایونیز حسب ضرورت
مکھن حسب ضرورت
سلاد کے پتے چار عدد
کھیرا ایک عدد
ٹماٹر حسب پسند
ڈبل روٹی کے سلائس ایک پیکٹ

یب

سب سے پہلے آپ ڈبل روٹی کے سلائس کنارے کاٹ لیں پہلے سلائس پر آپ مکھن یں اور پھر مایونیز لگا ئیں اس کے روسٹ کیا چکن بریڈ پر رکھیں اور اس کے اوپر سلاد کا پتا یں پھر اس کے اوپر چیز سلائس پھر کھیرے کے ائس اور سب سے آخر میں ٹماٹر کے سلائس رکھ یں، اس کے بعد اس کو بریڈ سے کور کر دیں، پ کا چیز چکن سینڈوچ تیار ہے کیچپ کے ساتھ ش فرمائیں۔

چکن کستوری

اشیاء

کن بون لیس ایک کلو
درک لہسن کا پیسٹ حسب ذائقہ
یاز (پسی ہوئی) دو عدد
رخ مرچ پاؤڈر ایک کھانے کا چمچہ
کچا پپیتا (پسا ہوا) ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ چھ تا آٹھ عدد
فریش کریم آدھا کپ
کوکنگ آئل آدھا کپ

گارنشنگ کے لئے پیاز کے لچھے، کھیرے کے سلائس اور ٹماٹو کیچپ۔

ترکیب

کریم کے سوا تمام مسالے چکن کی بوٹیوں پر لگا کر آدھے گھنٹے کے لئے ایک طرف رکھ یں، اب کریم بھی شامل کریں اور ان بوٹیوں کو سیخوں پر چڑھا کر دہکتے ہوئے کوئلوں پر سینک لیں اور سیخوں کو گھماتی رہیں تاکہ تمام اطراف سے یکساں طور پر پک جائیں اور اس دوران کسی برش کی مدد سے آئل بھی لگاتی رہیں تاکہ ذائقہ اور لذت بڑھ جائے، تیار ہونے پر کیچپ کھیرے اور پیاز کے لچھوں کے ساتھ پیش کریں۔

آلو کے چپس

اشیاء

چھلے اور کٹے آلو 600 گرام
پانی نصف کپ
مکھن 30 گرام
میدہ 75 گرام
انڈے تین عدد
تیل ڈیپ فرائنگ کے لئے

ترکیب

کٹے اور چھلے آلوؤں کو ابال لیں، اب اتنا ملیں کہ تمام آلو یکجان ہو جائیں کوئی گلٹی نہ رہے، ایک برتن میں پانی اور مکھن ملا کر ابال آنے دیں، جب مکھن پگھل جائے تو چھنا ہوا میدہ ملا کر اتنا چمچہ چلائیں کہ میدہ برتن کے کنارے چھوڑ کر گیند کی شکل اختیار کر لے، اب اس میدے کو بلینڈر میں ڈال دیں، ساتھ ہی انڈے ایک ایک کر کے شامل کرتی رہیں اور بلینڈر چلا دیں اب آلو بھی ملا کر بلینڈر کر لیں، ایک پائپنگ بیگ میں یہ مرکب بھر کر گرم تیل میں پانچ سینٹی میٹر لمبا ٹکڑا ڈالتی جائیں، جب اچھی طرح سنہری ہو جائے تو نکال کر آئل چوپ کاغذ پر رکھ دیں، پیش کرتے ہوئے نمک چھڑک دیں۔

آلو کے کباب

اشیاء

آلو (چھلے اور کٹے ہوئے) ایک کلوگرام
انڈے کی زردی دو عدد
کریم دو کھانے کے چمچے
میدہ حسب ضرورت

انڈے — دو عدد پھینٹے ہوئے
ڈبل روٹی کا چورا — ڈیڑھ کپ
تیل — تلنے کے لئے
نمک — حسب ذائقہ

ترکیب

چھلے آلو ابال لیں، ٹھنڈا کر کے مکس کر لیں، اس میں کریم اور زردیاں ملا کر ریفریجریٹر میں تیس منٹ کے لئے رکھ چھوڑیں، اب آلو نکال کر ان کے لمبے کباب تیار کریں، ہر کباب پر پہلے میدہ اچھی طرح سے لگائیں اس کے بعد انڈے میں ڈپ کریں، پھر ڈبل روٹی کا چورا اچھی طرح لگائیں، اب ان کبابوں کو ٹرے میں ڈھک کر تین منٹ کے لئے ریفریجریٹر میں رکھ دیں پیش کرنے سے قبل تیل میں ڈیپ فرائی کریں، سنہرے کباب تیار ہیں، کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

چپ پٹی سلاد

اشیاء

چھوٹے آلو — ایک کلوگرام
سیاہ رائی دانے — ایک چائے کا چمچہ
پسا زیرہ — ایک چائے کا چمچہ
ثابت زیرہ — ایک چائے کا چمچہ
لہسن — ایک جوا
لیموں کا رس — دو کھانے کے چمچے
تازہ دھنیا — 4/1 کپ کٹا ہوا
نمک — حسب ذائقہ

ترکیب

آلو ابال لیں، چھیل کر یونہی رکھ لیں، اب فرائنگ پین میں تمام مسالے خشک بھون لیں، جب خوشبو آنے لگے تو آلوؤں پر چھڑک دیں، لذیذ سلاد تیار ہے۔

فرنچ شاشلک

اشیاء

مرغی کا گوشت (بون لیس) — ایک کلو
پیاز — دو عدد
ہرے سیب — دو عدد
انڈا — ایک عدد
شملہ مرچیں — دو عدد
سویا ساس — دو کھانے کے چمچے
سرکہ — دو کھانے کے چمچے
تیل — دو کپ
لال ٹماٹر — دو عدد
نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
چائنیز نمک — ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور — دو چائے کے چمچے
چاول (ابالے ہوئے) — آدھا کلو

ترکیب

گوشت کے کیوبز کاٹ لیں، پیاز، شملہ مرچ اور سیب کے بھی باریک قتلے کاٹ کر رکھ لیں، گوشت، پیاز، شملہ مرچ، ٹماٹر اور سیب کو سویا ساس، نمک، چائنیز نمک، سرکہ، سیاہ مرچ پاؤڈر، انڈا، کارن فلور ملا کر رکھ دیں، شاشلک اسٹک پر ایک ایک بوٹی اس کے بعد پیاز، ٹماٹر، شملہ مرچ اور سیب کے قتلے پرو دیں، گہرے فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور ان سیخوں کو گھما گھما کر تل لیں اور چاروں جانب سے براؤن کر لیں، ابلے ہوئے چاولوں کے اوپر رکھ کر پیش کریں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم! قارئین کرام آپ کے خطوط کے ساتھ حاضر خدمت ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ، نومبر کا شمارہ اس توقع کے ساتھ ترتیب دیا ہے کہ ہمارا انتخاب آپ کے لئے وقت کی گھڑیوں کو خوش کن اور خوشگوار بنادے گا۔

وطن عزیز کے حالات جس طرح دن بدن بگڑتے چلے جا رہے ہیں، ان نے ہر حساس ذہن کو خوف دہشت اور بے یقینی میں مبتلا کر رکھا ہے، اگر ماضی کے آئینے میں دیکھیں تو خدشات مزید بڑھ جاتے ہیں، مایوسی کے ان اندھیروں کو دور کرنے کے لئے ایک بار پھر اسی خلوص عزم و یقین کی ضرورت ہے جس نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا اور دنیا کے نقشے پر پاکستان کا نام جگمگایا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو محفوظ رکھے یاد رکھئے اس کے سوا ہمارے لئے کہیں بھی جائے اماں نہیں ہے، آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں۔

پہلا خط ہمیں رعنا اعجاز کا ملتان سے ملا ہے وہ لکھتی ہیں۔

اکتوبر کا شمارہ خوبصورت ٹائٹل سے سجا چودہ تاریخ کو ملا سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے فیضیاب ہوئے، اس کے بعد انشاء نامہ پڑھا اور آگے بڑھے عمران نذیر سے ملاقات کی پسند آئی لیکن انٹرویو بے حد مختصر تھا، تشنگی محسوس ہوئی، سلسلے وار ناول، فوزیہ غزل کا ''وہ ستارہ صبح امید کا'' اب کچھ ک بوریت کی طرف گامزن ہے فوزیہ جی آپ بے حد محنت کی ہے دوسرے مذاہب کے بار میں لیکن ناول میں ایسی چیزیں ایک حد تک اچھ لگتی ہیں، ام مریم ''تم آخری جزیرہ ہو'' بڑ خوبصورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں ہر کردار اپ اپنی جگہ فٹ ہے اس ناول کا سب سے بہترین کردار جہاں کا ہے، سندس جبیں کا ناولٹ ''کا دل'' کافی دلچسپ ہے، پڑھتے وقت گزرنے ک احساس ہی نہیں ہوتا، سندس جبیں اتنی اچھی تحر لکھنے پر ہماری طرف سے مبارک باد قبول کریں مکمل ناول میں ہما عامر کے ناول بلاوجہ طویل ک گیا تھا کہیں کہیں مصنفہ کی گوفت پر کافی کمزور نظر آئی اس کے برعکس صبا احمد کا ناول بہترین تھا مصنفہ نے شروع سے آخر تک بڑی خوبصورتی سے ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا، افسانے اس بار سارے پسند آئے خصوصاً سپاس گل کا افسانہ بے حد نازک موضوع پر لکھا گیا تھا، مستقل سلسلوں میں ''ستاروں کے آئینے میں'' اپنے ستارے کے بارے میں معلومات ٹھی جو کہ کسی حد تک ٹھیک لگیں، حاصل مطالعہ میں سعدیہ علی، بھائی عابد محمود، عافیہ اسد کے انتخاب بے حد پسند آئے رنگ حنا ہمیشہ کی طرح اچھا تھا ہر ساتھی نے بہت خوب لکھا، بیاض اور میری ڈائری کے سلسلے تمام دوستوں کی پسند لاجواب تھی، عین غین جی کی تو کیا بات ہے، آپی لگے ہاتھوں ہماری ایک فرمائش نوٹ کرلیں اور پلیز کاشف صاحب سے کہیں کہ عین غین جی سے بھی ہماری ملاقات کروا دیں، خبرنامہ اس بار بے حد دلچسپ تھا، دستر خوان میں ڈیپ فرائی مچھلی اور خوبانی کا میٹھا والی ترکیب بے حد پسند آئی، آپی میں اس محفل میں پہلی بار آئی ہوں اس امید کے ساتھ جگہ ضرور ملے گی اور پلیز آپ نعمان اعجاز، قضا علی اور فیصل رحمٰن کا انٹرویو ضرور شائع کریں۔

رعنا اعجاز اس محفل میں خوش آمدید، اکتوبر کے شمارے پر آپ کا تفصیلی تبصرہ بے حد اچھا لگا آپ کی تعریف و تنقید مصنفین تک ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے، آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہے انشاء اللہ جلد پورا کریں گے آئندہ بھی اس محفل آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عشا بھٹی: نامعلوم سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے تو میں یہی کہوں گی آپ کس قیامت کے یہ نامے نا نام تبدیل کر کے پیغام محبت رکھ دیں میرا بہت دل چاہتا ہے کہ ہر ماہ ماہنامہ حنا میں باقاعدگی سے شرکت کروں، اکتوبر کا شمارہ لیٹ موصول ہوا پچھلے ماہ آپ نے میرا خط شائع کیا اس کے لئے شکریہ کے لئے خط لکھ رہی ہوں، آپ نے میرا خط شائع کر کے جو عزت بخشی ہے اس کے لئے فوزیہ آپی، میں آپ کی ہمیشہ تہہ دل سے مشکور و ممنون رہوں گی میرا آپ سے بات کرنے کو بہت دل چاہتا ہے، کیونکہ ہمارا خاندان ایک ہی علاقے میں رہائش پذیر ہے، جب تک ہمارے بھائی فارغ ہوتے ہیں، اس وقت تک ماہنامہ حنا سے محروم رہتے ہیں، شروعات ہمیشہ کی طرح کچھ باتیں ہماریاں سے کی انکل کی باتیں ہمیشہ کی طرح دل کو چھو لیتی ہیں، انکل سے ایک ریکویسٹ ہے کہ ایسا سلسلہ شروع کریں جس سے ہم آپ سے کچھ سیکھ سکیں اور ہماری شخصیات سنور جائے انکل آپ کی فیملی میری آئیڈیل فیملی ہے، پلیز خوشامد نہ سمجھئے گا، میں صدقے دل سے کہہ رہی ہوں، آپ کی فیملی سے بہت انسپائر ہوں اب کچھ تذکرہ ہو جائے کہانیوں کا سب سے پہلے میری فیورٹ رائٹر فوزیہ غزل کا ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' حقیقت پر مبنی ایک اچھوتی اور سبق آموز کہانی ہے، ویل ڈن فوزیہ جی اس کے بعد ام مریم کے خفیہ جزیرے پر جا پہنچے جہاں ام مریم نے پریاں کے

سانحہ ارتحال

ہماری ہر دلعزیز مصنفہ صبا احمد گزشتہ دنوں اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

صبا احمد کو لکھتے ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا لیکن اس کے باوجود جو لکھا بے اچھا لکھا جسے قارئین ایک عرصہ تک یاد رکھیں گے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ صبا احمد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

پیچھے ایک بھوت لگا دیا، معاذ صاحب جھلک دکھلا کر غائب ہو جاتے ہیں معاذ میرا فیورٹ کردار ہے پلیز مریم جی پرنیاں اور معاذ کا ٹکراؤ جلد از جلد کروا دیں اور ہاں کوئی ضرورت نہیں ژ...... ژالے کی شادی جہان سے کروانے کی اس کے ساتھ صرف زینب ہی سوٹ کرے گی ایک آدھ چڑیل تیمور صاحب کے پیچھے لگا دیں تاکہ زینب کچھ ہوش کے ناخن لے، مریم جی پلیز کہانی کی رفتار بڑھا دیں کہیں بے جا طوالت کا شکار نہ ہو جائے، سندس جی تسی آ گئے ہو تو چھا گئے ہو تھاہ کر کے، ''کار جنوں'' دل میں نقش ہو کر رہ گئی ہے، تب سے آپ میری ہارٹ فیورٹ ہیں، سباس گل، ثنا ظفر، مبشرہ ناز آپ سب جلدی سے دھماکہ خیز ناول کے ساتھ انٹری دیں آپ کو کچھ نہیں کہا جائے گا، ''ستارے کیا کہتے ہیں'' کیا نہیں کہتے میں ان پر یقین نہیں رکھتی ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، پلیز اس سلسلے کو ختم کر دیں اس کی جگہ کرکٹ ہیروز کے انٹرویو شائع کریں، عبداللہ بھائی کے ریمارکس بہت مزے کے ہوتے ہیں، کاشف بھائی سے گزارش ہے، پلیز میرے فیورٹ ڈائیکٹر رومی انشا کا انٹرویو ضرور شائع کریں ان کو ایک بار ڈرامہ ''طاہر لاہوتی'' کی شوٹنگ پر دیکھا تھا، میری فرمائش ادارے کے لئے مشکل نہیں ہونی چاہیے آخر گھر کی بات ہے کاشف بھائی، عدنان اکمل اور بابر اعظم کا انٹرویو بھی ضرور لیں وہ آپ کو باآسانی ایک ہی گھر میں دستیاب ہونگے آخر کزن جو ہیں، فوزیہ آپی میں آپ کو چند اشعار ارسال کر رہی ہوں پلیز ضرور شائع کیجئے گا ایک بار پھر افسانہ ارسال کر رہی ہوں ''یہی تو ہے اپنا پن'' کے عنوان سے کہتے ہیں مایوسی کفر ہے، ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے آخر امید پر دنیا قائم ہیں قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع کیجئے گا۔

عشاء بھٹی کیسی ہو اکتوبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کا افسانہ انشاء اللہ جلد شائع ہو گا، آپ مزید تحریریں لکھ کر بھیجیں اور اپنا مکمل ایڈریس بھی، اپنی رائے سے ہمیں آگاہ کرتی رہیئے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

رابعہ آذر: سکھر سے لکھتی ہیں۔

وہ لکھتی ہیں کہ خدا کے لئے حنا کو مارکیٹ میں جلد لے آیا کریں پچھلے چھ ماہ سے تو اس کا معمول بن گیا ہے کہ دس سے پہلے نہیں آنا، ٹائٹل اس بار بے حد پسند آیا، اسلامیات سے آغاز کیا دونوں سلسلے وار ناول بے حد پسند آ رہے ہیں فوزیہ غزل کی تحریر میں جہاں ہمیں دوسرے مذاہب کے بارے میں معلومات مل رہی ہیں وہیں اُم مریم کے ناول، ناول میں محبتوں کا جہان بسا نظر آتا ہے مریم جی آپ بے حد اچھا لکھ رہی ہیں آپ سے درخواست ہے کہ پلیز پلیز جہاں کے ساتھ کچھ برا نہ کیجئے گا سندس جبیں کا ناولٹ پسند آ رہا ہے مصنفہ بڑی خوبصورتی سے ہر کردار کے ساتھ انصاف کرتی نظر آتی ہیں، مکمل ناول دونوں ہی پسند آئے، افسانوں میں سباس گل اور مہر گل کا افسانہ بے حد پسند آیا، مستقل سلسلے بھی بہت خوب تھے آخر میں تحسین اختر کو بیٹے کی مبارک باد اللہ تعالیٰ اسے لمبی زندگی عطا کرے آمین۔

رابعہ آذر اکتوبر کا شمارہ آپ کو پسند آیا ہمیں جان کر خوشی ہوئی اب بتانا نومبر کا شمارہ آپ کو کیسا لگا ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆